حقائق بائیبلِ مُقدّس

ازتصنیف

پال ارنسٹ بی۔اے

حقائق
بائیبل مقدس

از تصنیف

پال ارنسٹ بی-اے

ملنے کا پتہ:- ریورنڈ فادر ستانی سلاس حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ

اِنتساب

میں اپنی اِس کتاب کو

ریورنڈ برادر بپٹسٹ کروس صاحب

کے نام نامی سے منسُوب کرتا ہُوں۔

ریورنڈ فادر جان جوزف صاحب ایس۔ ٹی۔ ڈی کیطرف سے
"حقائق بائبل مقدس" نامی کتاب کی تصدیق اور اسکی اشاعت کا

اجازت نامہ

لائل پور اُسقفیہ کے مشہور کیتھولک فاضل مسٹر پال ارنسٹ صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو بائبل کے حقائق سے آگاہی بخشنے والی ہے۔ وہ اِسے لفظِ بائبل کے معنی بیان کرنے سے شروع کرتے ہیں اور پھر اسکی تصنیف اِس کے قانون یعنی معیارِ کتب بائبل، صدیوں کے دَوران اِس کے ترجموں، اسکی اشاعتوں۔ کلیسیا میں اِس کے مقام اِس کے الہام اور اِس کی اقسام تفاسیر وغیرہ کا بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ یہ کتاب عالمانہ اور فاضلانہ عبارت سے لکھی گئی ہے۔ مسٹر پال ارنسٹ صاحب نے اسمیں اپنا تبحرِ علمی اور تجربہ رکھ دیا ہے۔ یہ سسٹر صاحبات، کیٹی کسٹ صاحبان اور مائینر سیمنریوں یا دِنی طلاب مدرسہ کیلئے مادرسگاہ کیلئے درسی کتابوں کے طور پر استعمال میں لائی جاسکتی ہے اِسے اس کی قلمی صورت میں پڑھنے کے بعد میں اس کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ اِس میں کیتھولک ایمان اور اخلاق کے بارے میں کوئی غلطی نہیں پائی جاتی۔

فادر جان جوزف (ڈین آف سٹڈیز)
کرائیسٹ دی کنگ سیمنری۔ کراچی
مورخہ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۵ء

اجازت ہے
عزت مآب ایف۔ بی۔ چیالیو
او۔ پی۔ ڈی۔ ڈی بشپ آف لائلپور

پیش لفظ

"تیرا کلام میرے قدموں کے لئے چراغ ہے اور میری راہ کے لئے روشنی ہے"۔ مزمور ۱۱۹:۱۰۵ (۱۱۸)

یہ سچ ہے کہ دوسری ویٹیکن کونسل بائیبل کے بارے میں مطالعہ کی نسبت بائیبل کے مطالعہ پر زیادہ زور دیتی ہے۔ بائیبل کے بارے میں مطالعہ کی نسبت بائیبل کا مطالعہ زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ ہم اس سے کئی صدیاں غافل رہے ہیں۔ ہم بائیبل کے بارے میں تو بہت کتابیں پڑھتے رہے ہیں لیکن ہم نے بائیبل کا مطالعہ نہیں کیا۔ میرا یقین یہ ہے کہ خدا کی لامحدود محبت کو سمجھنے اور اسکی عظیم روحانی دولت کی تہہ تک پہنچنے کیلئے دونوں طرح کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کلیسیا کے سرداروں کیطرف سے بائیبل کے پڑھنے کے بارے میں کچھ غیر منصفانہ ممانعتیں ہوتی رہی ہوں۔ بہر حال کسی کا یہ حکیمانہ قول ہے کہ وہ لوگ جو بائیبل سے بالکل ناواقف ہیں وہ رومن کیتھولک ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس بات میں مبالغہ ہو لیکن اس میں ضرور سچائی بھی ہے۔ اس میدان میں پراٹسٹنٹ مسیحی ہم سے کہیں آگے ہیں۔ مجھے آپ کو بڑی خوشی کی خبر دینا ہے کہ مسٹر پال ارنسٹ صاحب (ناٹیٹ آف سینٹ سلوفیسٹر لاسال تمغۂ فضیلت از روم) نے بائیبل کے بارے میں ایک اعلیٰ کتاب تصنیف کی ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ بائیبل کے بارے میں یہ ایک چھوٹی اینسائیکلوپیڈیا ہے، یہ علم کا مخزن ہے۔ اسمیں آپ کو وہ سب کچھ دستیاب ہوگا جس کی آپ کو جستجو ہے۔

یقیناً مسٹر پال صاحب بائیبل کے بڑے ماہر ہیں اور بائیبل کے بارے میں اُن کی آرا قابلِ قبول ہیں۔ وہ اپنے تجربے کے زرّیں سالوں میں سے یہ سنہری بالیں لائے ہیں اور بافراط لائے ہیں یہ فصل مفرط اور وافر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے سب پڑھنے والے بہت فیض حاصل کریں گے اور اس کے پڑھنے سے اُنہیں بڑی خوشی حاصل ہوگی۔ اس کتاب میں بائیبل کے بارے میں علم وسیع پیمانے پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ صحیح اور مفصل علم کا شاہکار ہے۔ اِن کے خیالات بلور کیطرح صاف ہیں اور انہوں نے ہر سوال کو حل کرنے کی پوری کوشش کی ہے جو باتیں جواب طلب تھیں اور جن کے جواب درکار تھے وہ سب اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔

مسٹر پال صاحب سے پڑھنے والے ناواقف نہیں ہیں وہ ایسے مُبلّغ ہیں جو ہر کہیں تبلیغ کیلئے جاتے ہیں اور لوگ ان کی تقریروں کو بہت پسند کرتے ہیں اور اس لئے پاکستان کی کیتھولک آبادی اُن سے خوب واقف ہے۔ سالہا سال سے وہ تبلیغِ انجیل کر رہے ہیں۔ مبلغینِ انجیل کو پڑھاتے ہیں، مسیحی رسالوں میں مضامین لکھتے رہے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں۔ یہ خود ساختہ انسان ہیں اور ایک پالی گلاٹ ہیں یعنی متعدد زبانیں جانتے ہیں جو یہ ہیں:- عبرانی، آرامی یا شامی، یونانی، لاطینی، انگریزی، عربی

فارسی، اُردو، ہندی اور پنجابی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس کتاب کو لکھنے سے پہلے اُنہوں نے متعدد زبانوں میں بہت سی کتابیں پڑھی ہیں تاکہ اِس کے لئے مواد حاصل ہو۔ یہ کتاب ایک یادگار رہے۔ یہ پاکستان کے اُن چند غیر پادری مسیحیوں میں سے ہیں جنہوں نے مسیحی اَدب کو پیدا کرنے میں بڑا حصّہ لیا ہے۔ اِنہوں نے اپنی ساری زندگی اور اپنا سارا زور انجیل کی اشاعت کے لئے وقف کر رکھا ہے تاکہ مسیح کی خوشخبری پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے۔

مسیح کا یہ حکم کہ جاؤ اور سب قوموں کو سکھاؤ اَب بھی قائم ہے، اور سکھانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ صرف منادی اَور نیک نمونے ہی سے نہیں بلکہ مسیحی ادبیات کے ذریعے سے بھی۔ مسٹر پال صاحب نے پہلے طریقوں کے علاوہ پچھلے طریقے کو منتخب کیا ہے۔ اِنسان کیلئے خدا کی لامحدود محبّت، اُس کا رحم اور اُس کی مہربانی بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے۔ خدا کے کلمات ہم سب کیلئے زندگی اور محبّت کے چشمے ہیں۔

[illegible]

ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم رہے گا۔" اِشعیا ۴۰:۸

برادر پنڈت کرداس
(مبشر انجیل)

باب اوّل

بائبل

• بائبل الہامی کتابوں کے مجموعے کی ایک کتاب ہے، جس میں وہ مکاشفہ پایا جاتا ہے جو خدا نے بنی نوعِ انسان کو بخشا۔ بائبل کی سب کتابوں کا حقیقی اور اوّلین مصنف خدا ہے کیونکہ اُسی نے یہ سب کتابیں مُلہمین سے لکھوائی تھیں۔ اِن میں ایک ہی مقصد اور ایک ہی تجویز پائی جاتی ہے اور وہ مقصد اور تجویز اِنسان کی نجات ہے اور اِن کتابوں میں اُسی تجویز کی تدریج اور تکمیل پائی جاتی ہے۔

اِس مجموعے کا نام بائبل ہونے کی وجہ

• الہامی کتابوں کے مجموعے کا نام بائبل ہے۔ اِس کے معنی کتابیں ہیں اور یہ یونانی لفظ ببلیون BιBλιον سے

[illegible]

نام ایک یونانی لفظ ہے۔ چونکہ کتبِ عالم میں سے یہ کتاب ایک خاص بلکہ اخص کتاب ہے اِس کو الکتاب یعنی خاص کتاب کہتے ہیں۔ اِس کا مشہور ترین نام بائبل یا الکتاب ہی ہے۔

چھوٹی کتاب یا دستاویز یا طُومار ہوتا تو اُسے یونانی زبان میں ببلیون BιBλοv کہتے تھے اور کتاب کو ببلُس BιBλOS کہتے تھے اور اُس کی جمع ببلیا BιBλια ہے۔ کتاب کو ببلیون اور

ببلس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ جس چیز پر یعنی جس قسم کے کاغذ پر ڈیا لکھتے تھے وہ
کاغذ لنڈن نامی درخت کے اندرونی چھلکے سے تیار کیا جاتا تھا۔ لنڈن
LINDEN کے پھول خوشبودار اور زردی مائل ہوتے ہیں۔ ایک اور
پودے کے اندرونی چھلکے سے بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ یہ سرکنڈے کی
قسم کا بہت بڑا پودا ہوتا ہے اسے یونانی میں پاپورس ΠαΠUPOS
اور انگریزی میں پے پائی رس PAPYRUS کہتے ہیں۔ یہ ایک آبی پودا
ہے جو کنارہ آب یا دلدلوں میں ہوتا ہے اور یہ زیادہ تر مصر میں ہوتا ہے
مصری اور دیگر ممالک کے لوگ اس کے اندرونی چھلکے سے کاغذ تیار کرتے
تھے۔ اسی وجہ سے انگریزی میں کاغذ کو پیپر Paper کہتے ہیں۔ پس
پاپورس ΠαΠUPOS سرکنڈے کی وہ قسم تھی جس سے کاغذ بنایا جاتا
تھا۔ چونکہ لنڈن اور پاپورس کے اندرونی چھلکے کو یونانی میں ببلس
"BUBλOS" اور ببلس "BiBλOS" کہتے تھے اور لکھائی
کرنے کی چیز یعنی کاغذ ببلس یا ببلس کا بنایا جاتا تھا اس لئے کتاب کو
ببلس یا ببلیون کہتے تھے۔ چنانچہ یونانی انجیل متی [illegible] پیدائش کی
کتاب یا نسب کی کتاب یا نسب نامہ کیلئے یعنی کتاب کیلئے لفظ ببلس
BiBλos استعمال میں آیا ہے۔ اور لوقا ۴/۱۷ میں طومار یا کتاب
کے لئے لفظ ببلیون BiBλioν دو دفعہ استعمال کیا گیا ہے مصری
لوگ ببلس سے رسے بھی بناتے تھے کتاب کو یونانی میں ببلس اور
ببلیون کہنے کی یہی وجہ ہے کہ کتابوں کا کاغذ لنڈن اور پاپورس کے
اندرونی چھلکے یا ببلس سے بنایا جاتا تھا۔ کتاب مقدس کا نام بائبل یا
الکتاب یعنی خاص کتاب اس لئے ہے کیونکہ اسے دنیا جہان کی باقی

تمام کتابوں پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ اس جیسی کتاب نہ کوئی
ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

لفظ بائبل ہم تک نچلے طبقوں کی لاطینی کے لفظ ببلیا "BIBLIA"
کی راہ سے یونانی زبان سے پہنچا ہے۔ لاطینی کا لفظ ببلیا تو واحد مؤنث
ہے لیکن یونانی کا لفظ ببلیا BiBλia نہ واحد ہے اور نہ مؤنث
ہے بلکہ غیر جنس جمع ہے یعنی جمع ہے اور غیر جنس ہے اور غیر جنس
سے یہ مراد ہے کہ یہ نہ مذکر ہے اور نہ مؤنث۔ پس لاطینی لفظ ببلیا
کے معنی تو کتاب ہیں لیکن یونانی لفظ ببلیا کے معنی کتابیں ہیں۔ یونانی
لفظ کے جمع اور لاطینی لفظ کے واحد ہونے کا فرق اہم اور معنی خیز ہے۔
یونانی اصطلاح جو جمع ہے وہ تو کتابوں کی کثرت کے خیال پر زور دیتی
ہے لیکن لاطینی اصطلاح جو واحد ہے وہ اس وحدت اور یگانگت کے
خیال پر زور دیتی ہے جس وحدت اور یگانگت میں یہ کتابیں متحد ہیں۔
پاک کتابیں جو یونانی مسیحیوں کی کلیساؤں میں پڑھی جاتی تھیں وہ انہیں
ببلیا کہتے تھے [illegible] ببلیا کہنے کے رواج کا چوتھی
صدی مسیحی سے پہلے کھوج نہیں ملتا۔ چوتھی صدی مسیحی میں مقدس خرد
سوستم کی تصانیف میں اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ "کتابیں" کا
لفظ تو مقدس کلیمنٹ رومی کے خط میں بھی آیا ہے جو اس نے کرنتھ کی
کلیسیا کو لکھا تھا مگر اس وقت مجموعہ بائبل کو ببلیا یا کتابیں کہنے کا رواج
نہیں تھا۔ نوشتوں کے لئے لفظ کتابیں کا استعمال کلیمنٹ رومی کے
پہلے خط میں پایا جاتا ہے۔ پہلا خط تو یقیناً اسی کا ہے لیکن دوسرے
خط کو علماء کی اکثریت اب مقدس کلیمنٹ رومی کی تصنیف تسلیم نہیں

کر لی۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ دوسرا خط سنہ ۱۲۰ء کے قریب لکھا گیا تھا۔ مقدس کلیمنٹ رومی نے نو سال روم کا اُسقف رہ کر پہلی صدی مسیحی کے آخری سال میں یعنی سنہ ۱۰۰ء میں روم میں وفات پائی پس وہ دوسرے خط کا مصنف نہیں ہوسکتا کیونکہ دوسرا خط سنہ ۱۲۰ء کے قریب لکھا گیا تھا لہٰذا دوسرا خط اس کی تصنیف نہیں بلکہ کسی نامعلوم مسیحی مصنف کی تصنیف ہے۔ مقدس کلیمنٹ کے خط کے چودھویں باب کے دوسرے فقرے میں یہ مرقوم ہے کہ "میں یہ خیال نہیں کرتا کہ تم اس سے ناواقف ہو کہ زندہ کلیسیا مسیح کا جسم ہے کیونکہ نوشتہ کہتا ہے کہ خدا نے آدمی کو مرد اور عورت بنایا۔ مرد تو مسیح ہے اور عورت کلیسیا اور کتابیں اور رسول جو یہ کہتے ہیں کہ کلیسیا تو زمانہ حال ہی میں موجود نہیں بلکہ ابتدا ہی سے ہے سب ظاہر ہے"۔ مرور زمانہ کے ساتھ بیبلیا یا کتابیں کی اصطلاح عام ہوگئی اور یہ نام جمع ہے اور یونانی ناموں کے ساتھ مغربی کلیسیا [illegible] سمجھا جانے لگا کیونکہ لاطینی میں یہ واحد مؤنث کا صیغہ ہے اور یوں کتابیں کو سب لوگ کتاب کہنے پر متفق ہوگئے اور انگریزی زبان میں اس نام نے لفظ بائبل کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے صیغۂ واحد میں تبدیل ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بیبلیا لاطینی میں صیغۂ واحد ہے پس اس لفظ کے بارے میں قدرتاً غلط فہمی ہوئی اور دوسری وجہ یہ ہوئی کہ بائبل کی حقیقی خصلت کے نہایت درست صحیح اور سچے

احساس کے باعث جمع نام کو واحد نام میں تبدیل کر دیا گیا کیونکہ اگرچہ بائبل کے مجموعے کے انسان مصنف تو بہتیرے ہوئے ہیں لیکن الٰہی مصنف ایک اور صرف ایک ہی ہے۔

بائبل مُقدس کے نام

• اس کا ایک نام مقدس بائبل یا مقدس کتاب ہے، ایک اور نام الکتاب ہے یعنی خاص کتاب۔ جیسے کہ اوپر بیان ہوچکا ہے اس کا نام کتابیں بھی تھا اور کتابیں کے ساتھ حرف تخصیص آتا تھا اور یوں اس کا نام الکتُب یا خاص کتابیں ہوتا تھا۔ جب بائبل مقدس کو کتابیں کہنے کی اصطلاح عام ہوگئی تو اس کے ساتھ عموماً کوئی اہم صفت ایزاد کی جاتی تھی مثلاً پاک، مقدس، الٰہی یا قانونی کی اہم صفت لگائی جاتی تھی یعنی ان کتابوں کو پاک کتابیں، مقدس کتابیں، الہامی کتابیں، الٰہی کتابیں یا قانونی کتابیں کہا جاتا تھا پس لفظ بائبل اپنے اشتقاق کی رُو سے ایک کتاب کا نہیں بلکہ کتابوں کے مجموعے کا اظہار کرتا ہے [illegible] الٰہی کتب خانہ ہے۔ یہ نام پہلے پہل مقدس جیروم نے استعمال کیا تھا۔ لاطینی آبا جیروم اور ایزیدور نوشتوں کو مقدس کتب خانہ کہتے تھے اور لفظ بائبل میں یہ اجتماعی تصور ہی پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ بائبل کتابوں کے اجتماع کا نام ہے اور یہ مجموعہ تمام الہامی کتابوں پر مشتمل ہے اس مجموعے میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو الہامی نہ ہو۔ چونکہ اس مجموعے میں سب کی سب اور تمام کی تمام الٰہی اور الہامی کتابیں شامل ہیں، اس لئے اسے الٰہی کتب خانہ کہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ لفظ بائبل

آج کل کتاب مقدس کا محض نام ہی خیال کیا جانے لگ گیا ہے اور اِس کا ابتدائی مفہوم و مطلب کھو جانے کے خطرے میں ہے۔ اِس کا نام نوشتے بھی ہے یعنی وہ تصانیف جن میں خدا کا کلام مرقوم ہے۔ اِس کا نام ذریعۂ اظہار مکاشفہ یا وحی یا الہام بھی ہے کیونکہ بائیبل وہ کلام ہے جو خدا نے اِنسان سے کیا اور اِس سے خدا کی باتیں یا پیغام معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح خدا کا کلام اور جو جوابات خدا کو دینے ہوتے تھے، خدا وہ کلام اور جوابات قدس الاقداس میں دیتا تھا اُسی طرح اِس کتاب سے خدا کے کلام اور اُس کے جوابات کا پتہ چلتا ہے۔ پس یہ کتاب بھی قدس الاقداس ہے۔ اِس کا نام کلام بھی ہے اور اِس کا ایک نام عہدنامے ہے کیونکہ یہ اِنسان کیلئے خدا کی گواہی ہے۔ اسمیں وہ سچائیاں ہیں جن کی گواہی خدا دیتا ہے اور اِس میں اِنسان کی نجات کے لئے خدا کا عہد پایا جاتا ہے۔ اِسمیں خدا کے متعدد عہد پائے جاتے ہیں لیکن خاص دو عہد ہیں ایک تو وہ جو خدا نے حضرت موسیٰ کے ذریعے بنی اسرائیل کے ساتھ باندھا تھا اور جس مجموعۂ کتب میں یہ عہد پایا جاتا ہے اُسے پرانا عہدنامہ کہتے ہیں۔ دوسرا عہد خدا باپ نے یسوع مسیح کی وساطت سے کل بنی نوعِ اِنسان کے ساتھ باندھا اور جس مجموعۂ کتب میں یہ عہد پایا جاتا ہے اُسے نیا عہدنامہ کہتے ہیں۔ پس الہامی کتابوں کا وہ سارا مجموعہ جو مسیح کی آمد سے پہلے لکھا گیا، اُسے پرانا عہدنامہ کہتے ہیں اور الہامی کتابوں کا وہ مجموعہ جو مسیح کی آمد کے بعد لکھا گیا اُسے نیا عہدنامہ کہتے ہیں۔ اور انہی دو عہدناموں کی وجہ سے بائیبل مقدس کا ایک نام عہدنامے بھی ہے۔ اِس کا ایک

اور نام شریعت بھی ہے۔ کیونکہ اِسمیں خدا کے وہ احکام پائے جاتے ہیں جو اُس نے اِنسانوں کو دیئے۔

کتاب مقدس کا معروف نام بائیبل ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ اگرچہ مکاشفہ کی رُوح ایک ہی ہے لیکن مکاشفہ کے ظاہر کرنے کے بہت سے طور و طریقے ہیں یعنی یہ طرح طرح سے اور مختلف صورتوں میں ظاہر کیا جاتا ہے اور اگرچہ مکاشفہ بالکل مختلف صورتوں میں ظاہر کیا گیا ہے تاہم اُس میں لازمی اور ناگزیر وحدت اور یکسانیت پائی جاتی ہے اور گو اِس مکاشفہ کی تحریر تو حصہ بحصہ ہوئی ہے لیکن اس سے اِس کے پیغام میں کوئی ہرج اور نقصان واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ مجموعی صورت میں یہ پیغام کامل طور پر موجود ہے۔ اِس میں ایک ہی مکاشفہ ہے جو فند ریجی ہے کیونکہ وہ درجہ بدرجہ ظاہر ہوتا رہا اور بہت سی صدیوں تک آہستہ آہستہ نشو و نما پا کر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

چونکہ بائیبل کی کتابیں مختلف وقتوں اور مختلف جگہوں میں مختلف خیالوں کے آدمیوں نے لکھیں۔ یعنی وقت، جگہ اور خیال کے لحاظ سے بالکل مختلف خیالات میں لکھی گئیں اِس لئے ادبی حیثیت سے اِن کتابوں کی اِنسانی خاصیت پر یا اِن کتابوں کے اِنسانی پہلو پر گہرا اثر پڑا ہے مگر تاہم وقتوں جگہوں اور خیالوں کے مختلف حالات ایسے متحد ہوئے ہیں کہ انہوں نے بائیبل کو خدا کے کلام کے اظہار اور کشف کی کامل گواہی کا آلہ بنا دیا ہے۔ یعنی یہ ایسے متحد ہوئے ہیں کہ انکے اتحاد سے بائیبل کا کلامِ الٰہی ہونا کامل طور پر ظاہر ہوتا ہے پس ساری بائیبل ایک ہی کتاب ہے کیونکہ اِس کا حقیقی اور اوّلین مصنف خدا ہے۔

اِس لحاظ سے یہ ایک ہی مصنّف کی کتاب ہے اور گو خدا آدمیوں کی قابلیت کے مطابق نئے نئے مکاشفے بخشتا رہا۔ تاہم جو کچھ ایک دفعہ کشف کر دیا جاتا تھا وہ اُسے تبدیل نہیں کرتا تھا۔ بائبل کی کتابوں میں اتحاد اور وحدت پائی جاتی ہے کیونکہ اِسمیں ایک ہی مقصد پایا جاتا ہے اور وہ مقصد انسان کی نجات ہے۔ خدا کی سیرت، خصلت اور اُس کے اخلاق کے بارے میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اخلاقی شریعت یکساں ہے اور اِسمیں تجویز عظیم کی تدریج اور تکمیل پائی جاتی ہے۔ پس بائبل میں چار بڑی باتوں میں اتحاد اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ پہلے ساری بائبل میں ایک ہی مقصد پایا جاتا ہے اور وہ مقصد انسان کی نجات ہے۔ دُوسرے خدا کا اخلاق یکساں اور ایک سا ہے۔ تیسرے۔ اخلاقی شریعت ایک سی ہے۔ اور چوتھے، اِسمیں ایک ہی تجویز عظیم کی **تدریج اور تکمیل** ہے۔

کتابوں کے اجتماع یا مجموعے کو ظاہر کرنے والا نام اُس زمانے میں استعمال کیا جانے لگا جبکہ مجموعے کے مکمل ہونے کو تسلیم کئے ہوئے مدت مدید گزر چکی تھی اور اِس لحاظ سے یہ اجتماعی نام پہلے ناموں سے مختلف ہے کیونکہ پہلے نام کتابوں کا مقدس ہونا اور اُن کی قسم کو تو ظاہر کرتے ہیں لیکن اُن کی وحدت یا اُن کی تکمیل اور بالآخر اُن کے ایک مجموعہ ہو جانے کو ظاہر نہیں کرتے۔ مقدس جیروم بائبل کی کتابوں کے مجموعے کو مقدس کتب خانہ یا الٰہی کتب خانہ کہتا ہے۔ درخوش قسمتی سے یہ نام بائبل کی وحدت و یگانگت اور اِس کا تنوّع ظاہر کرتا ہے۔ کتب خانہ واحد ہے اور اِس سے بائبل کی وحدت اور یگانگت ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن کتب خانے میں طرح طرح کی کتابیں ہوتی ہیں۔ اِس سے اِس کا تنوّع یعنی رنگ برنگ اور گونا گوں ہونا یعنی مختلف اقسام کا اور طرح طرح کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ساری بائبل کا الٰہی مصنّف نہ صرف ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے آبائے کلیسیا مقدس نوشتوں کو خدا کا کتب خانہ یا الٰہی کتب خانہ کہتے تھے۔ ساری بائبل کا ایک ہی مصنّف ہونے کے بارے میں مقدس جیروم لکھتا ہے کہ "یہوداہ کے قبیلے کا شیر ببر ہمارا خداوند یسوع مسیح ہے اُس نے کتاب کی مُہریں توڑ دیں اور جسطرح کہ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں اُس طرح وہ کتاب محض زبور کی کتاب ہی نہیں ہے بلکہ سارے نوشتوں یعنی ساری مقدس کتابوں کی کتاب ہے کیونکہ وہ سب **ایک ہی رُوح القدس** سے لکھی گئی تھیں اور اِس لئے **ایک کتاب** کہلاتی ہیں"۔ پس گو کتاب مقدس کا الٰہی مصنّف ایک ہی ہے مگر انسانی مصنّفین چالیس پچاس کے لگ بھگ ہیں انہوں نے اِن کتابوں کو تین بر اعظموں کے بہت سے ممالک میں جو کہ انسانی نقطۂ نظر سے تین زبانوں میں لکھا۔ وہ تین بر اعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ ہیں۔ اور تین زبانیں عبرانی۔ ارامی اور یونانی ہیں۔ اِن مصنفوں میں سے بعض بادشاہ تھے۔ بعض کسان، بعض کاریگر، بعض جرنیل بعض سپہ سالار، بعض مچھوے، بعض سائنس دان، بعض عہدہ دار، بعض کاہن، ایک محصول لینے والا اور ایک طبیب تھا۔ اِن میں سے بعض امیر تھے بعض غریب۔ بعض شہری تھے بعض دیہاتی۔ پس بائبل کے مصنفوں کی جماعت کو اِنسانوں کے سب تجربات حاصل تھے۔ بائبل کے مصنفوں کے زمانۂ تصنیف کی طوالت ساڑھے تیرہ سو سال ہے۔

یعنی ساڑھے بارہ سو سال مسیح کی پیدائش سے پہلے اور ایک سو سال اُس کی پیدائش کے بعد۔

مسیحی زمانے سے پہلے نوشتے، کتابیں، مقدس کتابیں، شریعت کی کتاب، عہد کی کتاب اور شریعت کا طومار کہلاتے تھے۔ ملاحظہ ہو:۔

"اُس کے عہدِ سلطنت کے پہلے برس میں مَیں دانیال نے **کتابوں** میں اُن سالوں کے حساب پر غور کیا جن کی بابت یرمیاہ نبی سے خداوند کا کلمہ پایا تھا کہ یروشلیم کی ویرانی پر ستر برس پورے گذریں گے۔" دانیال ۹/۲۔ "ہماری تسلی اُن **مقدس کتابوں** میں ہے جو ہمارے پاس ہیں"۔ ۱۔مکابیین ۱۲/۹۔ "انہوں نے خدا کی **شریعت کی کتاب** میں سے صاف صاف پڑھکر معنے بتائے"۔ نحمیاہ ۸/۸۔ "یہ **شریعت کی کتاب** تیرے منہ سے جُدا نہ ہو۔" یوشع ۱/۸۔ "**عہد کی کتاب** لے کر لوگوں کو پڑھکر سنائی"۔ خروج ۲۴/۷۔

"اُس نے اُنہیں **عہد کی کتاب** کی سب باتیں جو خداوند کے گھر میں پائی گئی تھیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں"۔ ۲۔اخبار ۳۴/۳۰۔ "**شریعت** کے جتنے **طومار** پائے جاتے تھے وہ پھاڑ کر آگ میں جلا دیئے جاتے تھے اور جس کسی کے پاس **عہد کا طومار** پایا گیا یا جو کوئی شریعت کو عمل میں لاتا تھا وہ شاہی فرمان کے مطابق قتل کر دیا جاتا تھا"۔ ۱ مکابیین ۱/۵۶،۵۷۔ "انہوں نے **طومارِ شریعت** اُن باتوں کے بارے میں کھولا جن کے بارے میں غیر قوم اپنے بتوں سے سوال کرتے تھے"۔ ۱۔مکابیین ۳/۴۸۔

عہدِ جدید میں ان کتابوں کو نوشتے یا پاک نوشتے کہا گیا ہے اور

بعض اوقات وہ ان خاص کتابوں کے نام سے کہلاتی ہیں جو اُن میں پائی جاتی ہیں مثلاً شریعت انبیاء اور مزامیر اور بعض مقاموں میں توریت اور انبیاء کہا گیا ہے اور بعض اوقات صرف توریت کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"یسوع نے اُس سے کہا کہ تم **نوشتوں** اور خدا کی قدرت کو نہیں جانتے۔ تم گمراہ ہو" متی ۲۲/۲۹۔ "کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا" متی ۲۱/۴۲۔ "جس کا وعدہ اُس نے پہلے سے اپنے انبیاء کی معرفت پاک نوشتوں میں اپنے بیٹے کے حق میں کیا تھا" رومیوں ۱/۲۔ "تو بچپن سے اُن پاک نوشتوں سے واقف ہے" ۲۔تیموتاوس ۳/۱۵۔ "وہ راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے نوشتوں کا مطلب کھولتا تھا" لوقا ۲۴/۳۲۔ "[illegible] ...... [illegible] اور [illegible] نوشتوں [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] مراد ہے [illegible] پرانا عہدنامہ [illegible] توریت، انبیاء اور نوشتے کہلاتے تھے۔ نوشتوں کی خاص کتاب یعنی پرانے عہدنامے کے تیسرے حصے میں جو کتاب ترتیب میں سب سے پہلے رکھی ہوئی تھی وہ مزامیر یا زبور کی کتاب تھی لہٰذا خداوند یسوع مسیح [illegible] کا ذکر کرتے وقت پہلے دو حصوں کے نام یعنی توریت اور انبیاء اور تیسرے حصے یعنی نوشتوں کی پہلی اور خاص کتاب کے نام کا ذکر کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔ "ضرور ہے کہ وہ سب کچھ پورا ہو جو موسیٰ

کی توریت اَور انبیاء اَور مزامیر میں میرے حق میں لکھا ہے" لوقا ۲۴ : ۴۴۔
"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت اَور انبیاء کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ انہیں پورا کرنے آیا ہُوں" متی ۵ : ۱۷۔ "توریت اور انبیاء یُوحنا تک رہے" متی ۱۱ : ۱۳۔ "وہ خدا کی بادشاہی کی گواہی دے دے کر اور موسیٰ کی توریت اور انبیاء سے یسوع کی بابت دلائل لالا کر صبح سے شام تک اُن سے بیان کرتا رہا" اعمال ۲۸ : ۲۳۔ "ہجوم نے اُسے جواب دیا کہ ہم نے توریت میں سے سُنا ہُوا ہے کہ مسیح ہمیشہ تک رہے گا" یوحنا ۱۲ : ۳۴۔

مندرجہ بالا آیات میں توریت انبیاء اور مزامیر سے سارا عہدِ عتیق مُراد ہے۔ نوشتے جو عہدِ عتیق کا تیسرا حصّہ تھا اُس کی پہلی کتاب زبور تھی، اِسی لئے یہاں نوشتوں کو مزامیر کا نام دیا ہے اور مسیح کی پیشگوئیاں بھی اِسی حصّے میں زیادہ تر زبور ہی میں ہیں۔ متی ۵ : ۱۸ و ۲۲ : ۴۰ اور اعمال ۲۴ : ۱۴ میں توریت اَور انبیاء سے سارا عہدِ عتیق مراد ہے۔ اور یُوحنا [illegible] میں توریت یا شریعت سے سارا عہدِ عتیق مراد ہے [illegible] ۱۰ : ۳۴ میں لکھا ہے کہ "کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا کہ تم خدا ہو؟" مگر یہ حوالہ زبور ۸۲ میں پایا جاتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ۱۲ : ۳۴ میں ہجوم نے اور ۱۰ : ۳۴ میں یسوع نے سارے عہدِ عتیق کو توریت یا شریعت کہا لیکن فی الحقیقت عبرانی عہدِ عتیق تین حصوں میں منقسم تھا۔ پہلے حصّے کو توریت کہتے تھے، دوسرے حصّے کو انبیاء اور تیسرے کو نوشتے۔ توریت میں پانچ کتابیں ہیں۔ انبیاء میں اکیس اور نوشتوں میں تیرہ اور یُوں پانچ

اَور اِکیس اور تیرہ کُل اُنتالیس کتابیں ہُوئیں۔ عبرانی عہدِ عتیق میں اُنتالیس کتابیں ہی ہیں۔ اِسی طرح عہدِ جدید میں خصوصًا اناجیل اربعہ ہی انجیل ہیں لیکن سارے عہدِ جدید کو بھی انجیل کہتے ہیں کیونکہ اُس میں انجیل کا مذہب پایا جاتا ہے۔ بائیبل مقدس کیلئے ابتدائی کلیسیاء کی تصانیف میں جو نام عموماً اور کثرت سے استعمال میں آتا تھا وہ نوشتے تھا اور اِس کے ساتھ کوئی اِسمِ صفت بھی لائی جاتی تھی مثلاً مقدس نوشتے، الٰہی نوشتے یا قانونی نوشتے وغیرہ۔

ربیوں کی تصانیف میں یہودی بائیبل یعنی عبرانی عہدِ عتیق کا جو نام کثرت سے اِستعمال میں آیا ہے وہ اِس کے مشتملات کو ظاہر کرتا ہے یعنی جو کچھ اِس میں شامل ہے اُس نام سے اُس کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ نام ہے توریت، انبیاء اور نوشتے۔ وہ عہدِ عتیق کو چوبیس بھی کہا کرتے تھے کیونکہ جس طریق سے عہدِ عتیق کی کتابوں کو وہ شمار کرتے تھے اُس طرح اُن کی تعداد چوبیس بنتی تھی۔ وہ توریت کی پانچ کتابوں کو ایک [illegible] کی تیرہ کو تیرہ کتابیں شمار کرتے تھے۔ پس ایک اور دس اور تیرہ چوبیس کتابیں ہُوئیں۔ اگر کوئی ربی یہ کہتا تھا کہ چوبیس میں یہ لکھا ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عہدِ عتیق میں یہ لکھا ہے۔ یہودی اپنی بائیبل کو وِرد بھی کہتے تھے کیونکہ وہ اِس کا وِرد کیا کرتے تھے۔

یہودی تو اپنے مقدس نوشتوں کو توریت انبیاء اور نوشتے کہا کرتے تھے لیکن جب کلیسیا نے بھی عبرانی نوشتوں یعنی یہودی نوشتوں کے ساتھ مستند مسیحی کتابوں کا ایک مجموعہ رکھ دیا تو مسیحی بائیبل کے دو بڑے حصّے

عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کہلانے لگ گئے۔ ایک قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ فرق کے علاوہ قانون یا مجموعۂ کتب کے بارے میں عام اتفاق ہے۔ یونانی عہدِ عتیق میں چند ایسی کتابیں پائی جاتی تھیں جو عبرانی عہدِ عتیق میں نہیں تھیں۔ وہ براستہ لاطینی ترجمہ کا جزو تھیں اور آخر اُن کی اکثریت یا اُن میں سے اکثر یعنی اُن کا بہت بڑا حصہ کیتھولک کلیسیا نے قانونی تسلیم کر لیا۔ [illegible] یونانی کلیسیا اور دیگر مشرقی کلیسیا میں بھی انہیں الہامی [illegible] پروٹسٹنٹ کلیسیا میں انہیں قانونی منزلت نہیں دیتیں بعض پروٹسٹنٹ کلیسیوں میں تو انہیں بالکل رد کر دیتی ہیں اور بعض انہیں بیش قیمت تصور کرتی ہیں [illegible] انہیں تعلیم کے [illegible] معتبر یا قطعی تسلیم نہیں کرتیں [illegible] تقریباً [illegible] وہ کلی انہیں تسلیم نہیں کی۔

[illegible] نوشتہ یا مقدس نوشتے [illegible] مراد ہیں۔ مقدس پولوس رسول [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گیا ہے [illegible] اعمال ۱۸ صحیفہ [illegible] لفظ نوشتہ عام طور پر عہدِ جدید میں کسی خاص مقام یا خاص حوالے کے لئے استعمال کیا گیا ہے مثلاً مرقس [illegible] یوحنا [illegible] اعمال [illegible] مرقس [illegible] یعقوب [illegible] وغیرہ میں مگر اب نوشتہ یا مقدس نوشتہ ساری بائبل کو بھی کہتے ہیں۔

جس طرح کہ عہدِ عتیق کے یہودی نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اِس کے تین خاص حصے ہیں غالباً اِن سے اِن حصوں کا یکے بعد دیگرے قانونی

یعنی مستند معتبر اور الہامی تسلیم کیا جانا ظاہر ہوتا ہے یعنی پہلے وہ حصہ الہامی یا قانونی تسلیم کیا گیا جسے توریت کہتے ہیں اور اس کے بعد وہ حصہ تسلیم کیا گیا جو انبیاء کہلاتا ہے اور حصہ انبیاء کے بعد وہ حصہ جسے نوشتے کہتے ہیں قانونی تسلیم کیا گیا۔ اِن تینوں حصوں کو قانونی تسلیم کرنے کے عمل کی تفاصیل صاف صاف معلوم نہیں ہیں مگر وہ دستاویزی [illegible] کیونکہ اس کے بارے میں گواہی تھوڑی اور قلیل ہے۔ یہ دعویٰ موجودہ زمانے کے بہت سے علماء کا مسئلہ ہے کہ توریت پانچویں صدی قبل مسیح کے اختتام سے پہلے اور انبیاء دوسری صدی قبل مسیح کی ابتداء میں اور تیسرے مجموعے کا یعنی نوشتوں کا بہت بڑا حصہ دوسری صدی قبل مسیح کے اختتام سے پہلے کتاب مقدس یا کلام الٰہی تسلیم کر لیا گیا تھا مگر [illegible] علماء اِس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے [illegible] علماء میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] قانونی [illegible] پہلی صدی [illegible] [illegible] [illegible] بیان آگے چل کر آئے گا۔

عبرانی بائبل کی ترتیب مسیحی بائبل کی ترتیب سے بہت مختلف ہے۔ دونوں میں تو درست کہ یعنی پیدائش خروج احبار گنتی اور استثنا سے مجموعے کو سب سے پہلے رکھا ہے۔ عبرانی بائبل کا دوسرا حصہ جو انبیا

کہلاتا ہے اُس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اِس کا پہلا حصّہ پہلے انبیاء
کہلاتا ہے اور دُوسرا حصّہ پچھلے انبیاء۔ پہلے انبیاء کی کتابیں یہ ہیں :-
یشوع، قضاۃ، سموئیل اور سلاطین۔ یہ چھ کتابیں ہیں کیونکہ سموئیل اور
سلاطین کی دو دو کتابیں ہیں اور پچھلے انبیاء میں یہ کتابیں شامل ہیں :-
یسعیاہ۔ یرمیاہ۔ حزقی ایل اور بارہ انبیاء۔ یہ بارہ عموماً چھوٹے انبیاء
کہلاتے ہیں۔ تیسرا حصّہ جو نوشتے کہلاتا ہے زبور کی کتاب سے شروع ہوتا ہے
اور اِس کے بعد امثال اور ایوب کی کتابیں ہیں۔ اِن کے بعد پانچ طوامیر
ہیں۔ اِن طوامیرِ خمسہ میں یہ کتابیں شامل ہیں :- غزل الغزلات۔ رُوت۔ نوحہ
واعظ اور آستیر۔ اِن کے بعد دانی ایل کی کتاب ہے یہ کتاب انبیاء میں شامل
نہیں ہے۔ آخر میں عزرا۔ نحمیاہ اور تواریخ کی کتابیں ہیں۔ دانی ایل کے
بعد عزرا۔ عزرا کے بعد نحمیاہ اور نحمیاہ کے بعد تواریخ کی کتاب ہے جو دو
حصوں میں منقسم ہے یعنی تواریخ کی پہلی کتاب اور تواریخ کی دوسری کتاب۔
[illegible] علماء کہتے ہیں کہ توریت یا کتبِ خمسہ یا پنج کتاب PENTA [illegible]
[illegible]
[illegible] ششش کتاب یعنی چھ کتابیں (HEXATEUCH) کہتے ہیں۔

اِس چھ کتابوں کے مجموعہ میں توریت کی پانچ کتابوں کے ساتھ یشوع
کی کتاب شامل کرنے سے چھ کتابوں کا مجموعہ بنتا ہے۔ پہلی پانچ کتابوں
میں قوم کے بننے اور اُسے ایک ملک ملنے کا وعدہ پایا جاتا ہے مگر اُس
وعدے کا پورا ہونا توریت میں مذکور نہیں۔ اُس وعدے کے پورے
ہونے کی تفصیل یشوع کی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ اِس لئے علماء یہ
کہتے ہیں کہ پہلی پانچ کتابوں کی بجائے پہلی چھ کتابوں کا ایک مجموعہ ہونا چاہئے

چھ کتابوں کے اِس مجموعے کو قوم اور ملک بھی کہہ سکتے ہیں یعنی وہ مجموعۂ کتب
جس میں قوم کے بننے اور ملک کے ملنے کا بیان پایا جاتا ہے۔ وہ علماء یہ
کہتے ہیں کہ جن کتابوں سے توریت تالیف کی گئی ہے یشوع کی کتاب
بھی اُنہیں کتابوں سے تالیف کی ہوئی ہے یعنی جو کتابیں توریت میں اخذ
کی ہوئی ہیں وہی یشوع میں بھی ماخوذ ہیں اور جب تک یشوع کی کتاب
توریت کے ساتھ ایک نہ کی جائے اور ایک نہ سمجھی جائے تب تک پہلی
پانچ کتابوں کا بیان پورا اور مکمل نہیں ہوتا بلکہ نامکمل رہتا ہے لہٰذا یشوع
کی کتاب لازماً پہلی پانچ کتابوں کے ساتھ شامل ہونا چاہئے اور یوں پہلا
مجموعہ بجائے پانچ کتابوں کے چھ کتابوں کا ہونا چاہئے۔ وہ علماء ایوب،
امثال اور واعظ کو بھی ایک مجموعہ قرار دیتے ہیں اور اس مجموعے کو ادبیاتِ
حکمت کہتے ہیں۔

انبیاء کی اِصطلاح محدود معنی میں اِستعمال کی گئی ہے۔ پہلے انبیاء
تاریخی کتابیں ہیں لیکن عزرا۔ نحمیاہ اور تواریخ کی کتابیں بھی تاریخی کتابیں
ہیں مگر یہ کتابیں [illegible]
ہیں بلکہ نوشتوں کے مجموعے میں شامل ہیں۔ شاعرانہ یا نظم کی کتابیں
ایوب، زبور، امثال، غزل الغزلات اور نوحہ ہیں لیکن ادبیاتِ نبوی
کے بڑے بڑے حصّے بھی نظم میں لکھے ہوئے ہیں۔

بائبل کے دو بڑے حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ عہدِ عتیق اور دوسرا
حصّہ عہدِ جدید ہے۔ یہ اصطلاحیں ہم میں بہت مستعمل ہیں مقدس
پولوس رسول نے اِنہیں ۲۔ کرنتھیوں ۳ / ۶ و ۱۴ میں استعمال کیا ہے۔ یونانی
لفظ دیا تھے کے Siaθηκη جو عہدِ عتیق کے یونانی ترجمے میں

استعمال ہوا ہے مثلاً پیدائش کی کتاب کے سترھویں باب میں اس لفظ کے معنی عہد ہی کے ہیں۔ عبرانیوں $\frac{9}{15-17}$ میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ قانون دان طرطولیئن عام طور پر اس اصطلاح کو استعمال کرتا ہے اور اس سے اُس کی مراد قانونی دستاویز ہوتی ہے۔ مقدس پولوس رسول ایک قابلِ ذکر مقام میں اگرچہ عہدِ عتیق کو نہیں تاہم توریت کو عہدِ عتیق کہتا ہے ملاحظہ ہو:۔

"آج تک پرانے عہدنامے کو پڑھتے وقت اُن کے دلوں پر وہی پردہ پڑا رہتا ہے اور وہ مسیح میں اُٹھ جاتا ہے مگر آج تک جب کبھی موسیٰ کی کتاب پڑھی جاتی ہے تو اُن کے دل پر پردہ پڑا رہتا ہے" ۲-کرنتھیوں ۳: ۱۴-۱۵۔ اسی سلسلہ بیان میں وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو عہدِ جدید کے خادم کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "ہماری لیاقت خدا کی طرف سے ہے جس نے ہم کو نئے عہد کے خادم ہونے کے لائق بھی کیا [illegible]

[illegible]

[illegible] اور ساری بائبل عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کہلاتی ہے۔ عہد کی اصطلاح کو استعمال کرنے کے وقت لفظ عہد سے اجتماعی مفہوم کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں یعنی خدا اور انسان کے مابین قول و قرار یا میثاق [illegible] میں خدا ایک نئے اور بہتر عہد کا ذکر کرتا ہے گو نبی کے خیال میں اس سے صرف اسرائیل ہی کے ساتھ نیا عہد مراد ہے جو جلاوطنی کے ذریعے

سے منقطع ہونے کو تھا مگر خداوند مسیح نے آخری کھانے کے وقت اس خیال کو یعنی نیا عہد باندھنے کے خیال کو قبول کر کے اسے وسعت دی یعنی اس کے مفہوم کو بہت وسیع کر دیا اور آگے صرف اسرائیل ہی تک محدود نہ رہنے دیا [illegible] نئے عہد کے تصور کو قبول کرنا اور اس تصور کی تصدیق کرنا متی $\frac{26}{28}$ میں پایا جاتا ہے۔

پرانے عہدنامے کی بعض کتابیں اور بعض کتابوں کے حصے پانچویں صدی قبل مسیح میں لکھے گئے اور عہدنامہ جدید کی تصنیف پہلی صدی مسیحی کے نصف کے قریب شروع ہوئی۔ پس پرانے عہدنامہ کی کتابوں کی تاریخ تصنیف کے خاتمے اور نئے عہدنامے کی کتابوں کی تاریخ تصنیف کی ابتدا کے درمیان قریباً ایک صدی کا فاصلہ ہے۔

عہد عتیق اور عہد جدید [illegible]

[illegible]

عہد جدید کے خاص حصے [illegible] اعمال، مقدس پولوس رسول کے خطوط، عبرانیوں کا خط، عام خطوط اور مقدس یوحنا کا مکاشفہ۔ یہ کتابیں [illegible] خطوط یا ہدایات اور [illegible] مقدس یوحنا کے

مکاشفہ جیسی کتاب دانی ایل کی کتاب ہے کیونکہ وہ بھی مکاشفہ کی کتاب ہے اور خطوط کے مقابل کی کتب، کتب انبیاء ہیں کیونکہ ان میں بھی نبوت پائی جاتی ہے اور اناجیل اربعہ اور اعمال کے مقابل کی کتابیں تاریخی کتابیں اور توریت کے بعض حصے ہیں۔

بائبل کی ابتدائی زبانیں یعنی وہ زبانیں جن میں یہ پہلے پہل لکھی گئی تھی۔ عہدِ عتیق کا بہت بڑا حصہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا عبرانی کتابوں کے جو حصے آرامی میں لکھے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:- عزرا ۴/۸ تا ۶/۱۸ و ۷/۱۲-۲۶ دانی ایل ۲/۴ تا ۷/۲۸ یرمیاہ ۱۰/۱۱۔ عہدِ عتیق کی جو کتابیں اور کتابوں کے حصے یونانی میں لکھے گئے وہ یہ ہیں:- مکابیوں کی دوسری کتاب، حکمت کی کتاب، آستیر ۱۰/۴ تا ۱۶/۲۴، دانی ایل ۳/۲۳ تا ۳/۹۰ اور تیرھواں اور چودھواں باب پورے پورے۔

عہدِ عتیق کے دوسرے قانون کی وہ کتابیں یا حصے جو عبرانی یا آرامی میں لکھے گئے وہ یہ ہیں:- یشوع بن سیراخ عبرانی میں۔ طوبیاہ کی کتاب عبرانی یا آرامی میں۔ قمران میں اس کے اجزاء ان دونوں زبانوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ یہودیت کی کتاب عبرانی میں یا آرامی میں غالباً عبرانی میں۔ مکابیوں کی پہلی کتاب عبرانی میں۔ بعض کتابوں کی ابتدائی زبانوں کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے مثلاً باروک کی بابت ۱/۱ سے ۳/۸ تک عبرانی یا آرامی میں اور باقی کتاب یونانی میں۔ دوسری رائے کے مطابق پہلا حصہ جو ۱/۱ تا ۳/۸ ہے اور دوسرا حصہ جو ۳/۹ تا ۴/۴ ہے عبرانی یا آرامی میں لکھے گئے۔ تیسرا حصہ جو ۴/۵ تا ۵/۹ ہے یونانی میں لکھا گیا اور چھٹا باب جو یرمیاہ کا خط ہے وہ بھی یونانی میں لکھا گیا بعض دوسروں کی رائے

میں ساری کتاب یعنی باب ۱ سے آخر تک عبرانی میں لکھی گئی اور بعض کی رائے ہے کہ کتاب کا پہلا نصف یعنی ۱/۱ سے ۳/۸ تک عبرانی میں لکھا گیا۔ چھٹا باب یعنی یرمیاہ کے نام کا خط الگ رسالہ ہے جو اس کتاب کے ساتھ ملحق و شامل کیا ہوا ہے۔ دوسرے قانون کی بعض کتابیں عبرانی نسخوں میں موجود ہیں بعض عبرانی اور آرامی میں اور سب کی سب یونانی میں موجود ہیں۔

اصل کتابوں کے قدیم مخطوطات یا قلمی نسخے

بحیرہ مردار کے شمال مغرب میں وادیٔ قمران میں اسینی فرقے کے یہودی آباد تھے۔ جب یہودیوں کی بغاوت کے باعث ۶۶ء میں رومی افواج نے ملک پر حملہ کیا تو پہلے پہل اسینی لوگ بھی اس حملے کا شکار ہوئے اور ۶۸ء تک رومیوں نے یہ فرقہ نابود کر دیا لیکن اسینیوں نے اپنی سب کتب اور دیگر بے شمار چیزیں وادیٔ قمران کی پہاڑیوں کے غاروں میں چھپا دیں۔ ۱۹۴۷ء میں محمد نامی ایک بدو لڑکا وہاں بکریاں چرا رہا تھا اس نے ایک غار کے اندر یونہی ایک روڑا پھینکا تو اس کے کسی چیز کے ساتھ ٹکرانے سے ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے مٹکے کے ساتھ ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اس نے اس کا پتہ لگانے کے لئے اندر جا کر دیکھا تو وہاں سچ مچ ایک مٹکا پڑا پایا۔ اس نے اسے کھولا تو اس میں سے طومار نکلے۔ وہ اس سے بھاری قیمت پر خرید لئے گئے بعد میں ان غاروں پر مسیحی علماء نے قبضہ کر لیا اور ان میں سے بے شمار طومار دستیاب ہوئے کچھ طومار تو اس فرقے کے قوانین و دستورات اور عبادت کے ہیں اور

بہت سے پرانے عہدنامے کے ہیں ان میں سے بعض قلمی نسخے مسیح سے سو دو سو سال پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان قرآنی نسخوں کے علاوہ پُرانے عہدنامے کا ایک نسخہ برطانوی عجائب گھر میں ہے جو نویں صدی مسیحی کا ہے۔ انبیاء کا ایک نسخہ لینن گراڈ میں ہے۔ ایک عبرانی نسخہ کیمرج میں ہے ان کے علاوہ بہت سے نسخے روس میں محفوظ ہیں۔

جو کتابیں پہلے پہل ملہمین کے ہاتھوں سے لکھی گئی تھیں وہ اب موجود نہیں ہیں۔ کثرتِ استعمال کے باعث مرورِ زمانہ کے ساتھ وہ نوناپید ہوگئیں لیکن ان کی صحیح نقلیں موجود ہیں۔ مذاہبِ عالم کی الہامی کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس کی اصل کتاب موجود ہو سب کتابوں کی نقلیں ہی موجود ہیں۔ اصل کتاب سے وہ پہلی کتاب مراد ہے جو ملہم نے اپنے ہاتھوں سے لکھی تھی یا اُس نے خود کسی سے اپنی زیرِ نگرانی لکھوائی تھی۔ ژند اوستا، وید، قرآن، تری پٹاکا، گرنتھ صاحب اور بائیبل میں سے کسی کتاب کا بھی اصل یا پہلی کتاب موجود نہیں ہے۔

ہمارا عبرانی عہدِ عتیق مسورائی متن کے مطابق ہے یعنی اُس کی عین نقل ہے۔ چھٹی صدی مسیحی سے پہلے عبرانی حروف پر اعراب نہیں ہوتے تھے یعنی حرکات یا زبر زیر اور پیش وغیرہ نہیں ہوتے تھے اس وقت عبرانی حروفِ صحیح (CONSONANTS) ہی میں لکھی جاتی تھی علاماتِ علت (VOWELS) کی آواز نہیں لکھی جاتی تھی یعنی حرکات یا زبر زیر پیش وغیرہ نہیں لکھے جاتے تھے۔ چھٹی صدی مسیحی میں یہودی علماء نے اعراب ایجاد کئے اور عبرانی عہدِ عتیق اعراب کے ساتھ لکھا جانے لگا۔ الفاظ کا جو تلفظ روایتاً چلا آتا تھا، اُس کے مطابق اعراب

لگائے گئے اور اُس تلفظ کو صحت کے ساتھ قائم رکھنے کیلئے اعراب لگائے گئے۔ یہ کام اُن یہودی علماء نے کیا جو طبریاس میں اور دریائے فرات کے کنارے سوّرا میں رہتے تھے۔ انہوں نے یہ کام چھٹی سے بارھویں صدی مسیحی تک کیا۔ انہوں نے اعراب اور علاماتِ وقف اور آواز کے نشانات ایجاد کر کے متن میں لگائے تاکہ عبرانی کا پڑھنا آسان اور صحیح ہو۔ وہ ان کو اور مختلف قسم کے نوٹوں یعنی حاشیوں، شرحوں اور یاد داشتوں کو مسورا کہتے تھے۔ مسورا کے معنی روایات ہیں پس یہ متن مسورائی متن یعنی روایتی متن کہلاتا ہے۔ اس متن کی صحت سپٹواجنٹ کے متن سے ثابت ہوتی ہے۔ سپٹواجنٹ عبرانی عہدِ عتیق کا یونانی ترجمہ ہے جو ملکِ مصر کے شہر اسکندریہ میں کیا گیا تھا اور مسیح سے قریباً اڑھائی سو سال یا تین سو سال پہلے کیا گیا تھا۔ یہ ترجمہ عبرانی مسورائی متن سے متفق ہے جس سے مسورائی متن کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

عبرانی متن کے بے اعراب ہونے کی مثال قدیم عربی رسم الخط کا بلا اعراب اور بلا نقاط ہونا ہے اور جس طرح عبرانی عہدِ عتیق میں اعراب وغیرہ بعد میں لگائے گئے تھے اُسی طرح قرآن مجید کے متن میں بھی اعراب اور نقاط وغیرہ بعد میں لگائے گئے تھے۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم اے صحتِ کتبِ مقدسہ کے صفحہ ۱۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "عبرانی زبان چند اور زبانوں کے ساتھ ملتی جلتی ہے اور اس خاصیت کے لحاظ سے دوسری زبانوں کے مشابہ ہے چنانچہ فینیکی زبان۔ موآبی زبان اور شامی زبان میں بھی اعراب نہیں ہوتے۔ یہی حال اُس زبان کا ہے جس میں اہلِ اسلام کی مقدس کتاب لکھی گئی یعنی قدیم عربی زبان جس میں نہ نقطے تھے اور نہ اعراب۔

تاخرین قرآن خوانوں کی اور بالخصوص غیر عرب اور عجمی قرآن خوانوں کی مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ایسے قرآن کو کس طرح پڑھتے ہوں گے "؛ مثلاً مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن۔ کو یوں لکھا جاتا تھا ملک ىوم الدس اىاک ىعىد و اىاک ىسىعىں۔ ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے رسم الخط کو پڑھنا کیسا دشوار ہے۔ اب میں قرآن مجید کی ایک اور آیت بلا اعراب اور بلا نقاط لکھتا ہوں۔ عربی دان اسے پڑھنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں اس قسم کے رسم الخط کے پڑھنے کی مشکل کا پورا اندازہ ہو جائے اور وہ یہ ہے :۔ واما الذىں کفروا فىقولوں ماذا اراد الله بهذا مثلا ىضل ىه کثىرا و ىهدى ىه کثىرا و ما ىضل ىه الا الفسقىں ۔ سورۃ بقر رکوع ۳ آیت ۲۵ ۔ اس طرح کی لکھائی کو مختلف طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔

سیپٹواجنٹ میں مسوراتی متن سے بعض جگہ ترجمہ مختلف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیپٹواجنٹ کے مترجمین میں سے کسی مترجم نے کسی لفظ کے انہیں حروف کو اور طرح سے پڑھا اور مسوراتی علماء نے اور طرح سے پڑھا۔ اسی علت کی مختلف آوازوں سے پڑھا اور جس طرح انہوں نے پڑھا انہوں نے اُسی کے مطابق اعراب لگائے لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان علماء نے بعض الفاظ کے حروف پر اعراب غلط لگائے ہوئے ہیں۔

عہدِ جدید کے یونانی نسخے

عہدِ جدید کی تصنیف پہلی صدی مسیحی کے قریباً نصف سے شروع

ہو کر اس کے آخر میں پایۂ تکمیل کو پہنچی کیونکہ مقدس یوحنا رسول کی کتابیں پہلی صدی کے اواخر میں ضبطِ تحریر میں آئی تھیں۔ مبلغین کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابیں کثرتِ استعمال اور مرورِ زمانہ کے ساتھ تلف ہو چکی ہوئی ہیں لیکن اُن کی نقلیں جو ہر صدی میں ہوتی رہی ہیں وہ کثرت سے دستیاب ہو چکی ہیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔ دوسری اور تیسری صدی مسیحی کے بھی بہت سے مخطوطات یا قلمی نسخے مل چکے ہیں۔ ان دو صدیوں کے ہمارے پاس ساتھ یونانی نسخے ہیں۔ ۳۰۰ء سے ۸۰۰ء تک کے دو سو اور ۸۰۰ء سے ۱۶۰۰ء تک کے تین ہزار ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد تین ہزار دو سو ساٹھ ہوئی۔ یونانی لیکشنریوں یعنی کتب ادراد یا یونانی میں ورِدوں کی کتابوں کی تعداد کم از کم ایک ہزار پانچ سو پینسٹھ ہے۔ پس یونانی نسخوں کی کل تعداد چار ہزار آٹھ سو پچیس ہے یعنی قریباً پانچ ہزار ہے۔

یونانی نسخے دو طرح کی لکھائی کے ہیں پہلے وہ نسخے ہیں جو بڑے حروف میں لکھے ہوئے ہیں کیونکہ اُس وقت بڑے حروف ہی میں لکھا کرتے تھے۔ بڑے حروف کے نسخوں کا زمانہ ۹۰۰ء تک ہے۔ دوسرے وہ نسخے ہیں جو چھوٹے حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ ۸۰۰ء سے ۹۰۰ء تک کا چھوٹے حروف کا زمانہ ہے۔ ۹۰۰ء تک سب نسخے بڑے حروف میں لکھے جاتے تھے اور اس کے بعد کے سب نسخے چھوٹے حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔

یونانی کے چند ایک مشہور نسخے مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) نسخہ سینائی ۔ اس کو سینائی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ کوہِ سینا پر مقدسہ کیتھرین کی خانقاہ سے ملا تھا۔ یہ چوتھی صدی کی پہلی چوتھائی میں لکھا گیا تھا یعنی ۳۲۵ء تک ضبطِ تحریر میں آچکا تھا یا یوں کہو کہ یہ چوتھی

صدی کے پہلے پچیس سالوں میں کسی وقت لکھا گیا تھا۔ جو نسخے بہت مشہور ہیں یہ نسخہ اُن میں سے ہے جو اُن میں قدیم ترین ہیں اور یہ سب سے بڑھکر صحیح ہے۔ اِسے جرمن عالم ڈاکٹر ٹشنڈارف نے ۱۸۴۴ء میں مقدس کیتھرین کی مذکورہ خانقاہ سے حاصل کیا اور اِسے اپنے مربی زار رُوس کی نذر کردیا۔ یہ سینٹ پیٹرز برگ کے کتب خانہ میں رکھا گیا، اب جس کا نام لینن گراڈ ہے۔ ۱۹۳۴ء میں اِس نسخے کو انگریزی حکومت نے اِشتراکی حکومت سے ایک لاکھ پونڈ کو خریدلیا اور اب یہ نسخہ لنڈن کے عجائب گھر میں ہے۔

(۲) نسخہ ویٹیکن۔ اِس کو ویٹیکن اِس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ پوپ صاحب کی ویٹیکن کی لائیبریری میں ہے۔ یہ ۳۰۰ء سے ۳۲۵ء کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا تھا اِس کا متن نہایت اعلےٰ پایہ کا ہے۔

(۳) نسخہ اِسکندریہ۔ اِس کو اسکندریدی اِس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ مخطوط یا نسخہ اسکندریہ کے پیٹریارک یا بطریق سیرل لوکر کے کتب خانے میں تھا۔ اُس نے اِسے ۱۶۲۵ء میں جیمز اوّل شاہ انگلستان کی نذر کردیا تھا۔ یہ نسخہ غالباً چوتھی صدی میں یا پانچویں صدی مسیحی کے پہلے حصے میں لکھا گیا تھا۔ اِس کی صحت نہایت بلند پایہ کی ہے۔ یہ نسخہ بھی اب لنڈن کے عجائب گھر میں ہے۔

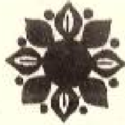
(۴) نسخہ اِفرائیمی۔ یہ پانچویں صدی کا ہے اور اب پیرس کی قومی لائیبریری میں ہے۔ عہدِ عتیق کے تو اِس میں حصص اور اجزاء ہی پائے جاتے ہیں مگر عہدِ جدید قریباً سارے کا سارا پایا جاتا ہے۔

(۵) نسخہ بیزائی۔ یہ چھٹی صدی مسیحی کا ہے۔ یہ شہر لیون کے ایک

راہب خانے میں تھا جہاں سے تھیوڈور بیزا نے حاصل کرکے کیمبرج کی یونیورسٹی کو دیدیا تھا۔ اِس میں اناجیل اور اعمال یونانی اور لاطینی میں پائے جاتے ہیں۔

(۶) نسخہ کلارومونٹانس۔ چھٹی صدی مسیحی کا ہے اور اب پیرس کی قومی لائبریری میں ہے۔ اِسمیں مقدس پولُس رسول کے خطوط یونانی اور لاطینی میں پائے جاتے ہیں۔

اور بھی مشہور نسخے ہیں لیکن اُن کی تفصیل پیش کرنا باعثِ طوالت ہے۔ مختلف سنین کی کتابوں میں نسخوں اور ایکشنریوں کی تعداد مختلف ہوتی ہے کیونکہ اور اور قدیمی نسخے دستیاب ہوتے رہتے ہیں۔ خُدا نے زمین سے قدیمی نسخوں کا سارا خزانہ اگلوا دیا ہے تاکہ وہ جو بائیبل کو بدلی ہوئی اور مُحرّف کہتے ہیں اکمل طور پر جھوٹے ثابت ہوں۔



بابِ دوم

بائیبل مقدّس کے قدیم تراجم

قدیم تراجم بائیبل :-

(۱) ترجمہ سبعینیہ - اِس کو سیپٹواجنٹ یا ستردں کا ترجمہ کہتے ہیں - یہ عبرانی عہدِ عتیق کا یونانی ترجمہ ہے - یہ ترجمہ ملکِ مصر کے شہر اسکندریہ کے یہودی علماء نے تیسری صدی قبل مسیح سے کرنا شروع کیا تھا - چونکہ یہ ترجمہ آہستہ آہستہ ہوتا رہا اور بہت سے عُلماء نے یکے بعد دیگرے کیا یعنی مختلف علماء نے مختلف کتابوں کا ترجمہ مختلف وقتوں میں کیا پس یہودیوں میں کہانی پیدا ہوگئی کہ اسے ستّر یا بہتّر علماء نے ترجمہ کیا - توریت کا ترجمہ ۲۵۰ سنہ ق م کے قریب ہُوا تھا - اِس نام کیوجہ اَرِستیاس کی جعلی چِٹھی پر مبنی ہے یہ چِٹھی اِس ترجمہ کے آغاز کا بیان کرتی ہے - اَرِستیاس دُوسری صدی قبل مسیح کا ایک یہودی عالم تھا - اُس کے نام سے ایک چِٹھی منسوب کردی گئی اُس چِٹھی میں اَرِستیاس کی زبانی یہ بیان کیا گیا ہے یعنی اُس سے کہلوایا گیا ہے کہ بطلیموس دُوم فِلادلفس نے چاہا کہ میری اسکندریہ کی بڑی لائبریری میں یہودی کتبِ مقدسہ کا ترجمہ بھی رکھا جائے (اِس نے ۲۸۳ ق م سے

۲۴۶ ق م تک حکومت کی) اُس کی درخواست کے مطابق ۷۲ - اشخاص یعنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلے کے چھ چھ آدمی ترجمہ کرنے کیلئے یروشلیم سے بھیجے گئے - بعد میں اِس کہانی میں اور بھی مبالغہ کیا گیا کہ فاروس کے جزیرے میں اُن بہتّر اشخاص کو الگ الگ کوٹھڑی میں رکھا گیا - ہر ایک نے اپنا ترجمہ بہتّر دِن میں ختم کیا اور وہ تراجم سب کے سب لفظ بلفظ اور یکساں پائے گئے - اِس افسانے میں سے مؤرخ صرف اِتنا قبول کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ یہودی لوگوں کیلئے قریباً ۲۵۰ سنہ ق م میں شروع ہُوا تھا - اِس وقت کے قریب توریت کا ترجمہ ہوا تھا پس اِس نام کیوجہ یہ سمجھی جاتی تھی کہ اِسے ستّر بہتّر علما نے ترجمہ کیا، ستّر بہتّر دِن میں ترجمہ کیا، ستّر بہتّر کوٹھڑیوں میں ترجمہ کیا - یہ یروشلیم کی بڑی قومی مجلس کی منظوری اور اُس کے حکم سے یہ ترجمہ کیا گیا جو ستّر بہتّر ارکان کی مجلس ہوتی تھی - جب ترجمہ ہوچکا تو اِسی مجلس نے اُسے منظور اور قبول کیا - اِس ترجمہ کی یونانی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان اِسکندریہ کی زبان ہے یعنی اِس کی زبان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِس کا منبع اور چشمہ اسکندریہ ہی ہے - یشوع بن سیراخ کی کتاب کا مقدمہ جو ۱۳۰ سنہ ق م کے قریب لکھا گیا تھا وہ توریت انبیاء اور دیگر کتابوں کے ترجموں یعنی یونانی ترجموں کا ذکر کرتا ہے اور غالبًا یہی سیپٹواجنٹ ترجمہ کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے کی تاریخ ہے پس یہ ترجمہ قریباً ۲۵۰ سنہ ق م میں شروع ہُوا تھا اور قریباً ۱۳۰ سنہ ق م میں ختم ہوگیا تھا -

ترجمۂ سبعینیہ یا ستروں کا ترجمہ یعنی سیپٹواجنٹ مسیحی کلیسیا نے پہلی صدی مسیحی ہی سے اپنا لیا کیونکہ کلیسیا پہلے پہل یونانی دُنیا ہی میں

منادی کرتی تھی اُور یہودی لوگ بھی یونانی دنیا میں جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ جس طرح آجکل عام بولی جانے والی زبان انگریزی ہے اِسی طرح اُس زمانے میں عام بولی جانیوالی زبان یونانی تھی۔ اِسی زبان کے ذریعے یہودیوں اُور غیر یہودیوں میں منادی کی جا سکتی تھی چنانچہ جو یہودی غیر ممالک میں آباد تھے اُن کیلئے ترجمۂ سبعینیہ ہی کے ذریعے سے مسیحیت ثابت کی جاتی تھی اور جب یہودیوں اُور غیر اقوام کے لوگوں کے سامنے عہدِ عتیق سے کلامِ الٰہی پیش کرنا ہوتا تھا تو وہ ترجمۂ سبعینیہ ہی سے پیش کیا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں یہودی بہت سے ممالک میں آباد ہو چکے ہوئے تھے بہت سی جگہوں میں تو تجارت کی غرض سے چلے گئے ہوئے تھے۔ یونانی زمانے میں بہت سے یہودی تجارت کی غرض سے غیر ممالک میں نقل مکانی کر گئے تھے۔ آخری صدی قبلِ مسیح میں یہودیوں کی بڑی بڑی آبادیاں تمام ایشیائے کوچک۔ میسوپوتامیہ۔ بابل۔ فارس۔ یونان اور اٹلی میں قائم ہو چکی ہوئی تھیں۔ غیر ممالک میں آباد ہو جانے والے یہودیوں کی تعداد لاکھوں بلکہ کروڑوں تھی۔ اُن کی زبان یونانی تھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اُن کی بڑی بڑی آبادیاں بڑے بڑے شہروں میں پائی جاتی تھیں مثلاً انطاکیہ اِسکندریہ اور رُوم میں۔ فلسطین کے باہر یہودیوں کا جو سب سے بڑا مرکز تھا وہ اِسکندریہ میں تھا۔ یہاں یہودی بہت بڑی تعداد میں بستے تھے اُور وہ بہت دولت مند تھے اُور علاوہ اِس کے یہ مقام یہودیوں کا بہت بڑا علمی مرکز بھی تھا۔

مسیحی مبلغین یہودیوں کے آگے سبعینیہ سے یسوعؑ کا مسیح ہونا ثابت کیا کرتے تھے۔ یہودی مناظرین کو یہ سخت ناگوار گزرتا تھا پس

اُنہوں نے اُن مقاموں کی عبرانی کا غلط ترجمہ پیش کرنا شروع کیا جن میں مسیح کی پیشینگوئیاں پائی جاتی ہیں مثلاً زبور ۲۲/۱۶ میں ہے کہ "وہ میرے ہاتھ اُور میرے پاؤں چھیدتے ہیں"۔ وہ اِس کا ترجمہ یہ پیش کرتے تھے کہ "میرے ہاتھ اُور میرے پاؤں شیروں جیسے ہیں" یعنی ویسے ہیں جیسے شیر کے پنجے ہوتے ہیں۔ اُور مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا مسیحی علماء اِشعیاہ ۷/۱۴ سے ثابت کرتے تھے۔ دوسری صدی کے مسیحی مناظرین یہودی مناظرین سے کہتے تھے کہ اب تم ترجمہ کچھ کا کچھ کرتے ہو تاکہ وہ یسوعؑ کے حق میں پیشینگوئی ثابت نہ ہو سکے۔ ہم اسوقت کا یہودی ترجمہ پیش کرتے ہیں جب نہ تم دوسری صدی مسیحی والے یہودی تھے اور نہ اُس وقت ہم مسیحی تھے۔ وہ ترجمہ آغازِ مسیحیت سے پہلے کا ہے پس وہ سیپٹواجنٹ ترجمہ سے یسوعؑ کا مسیح ہونا ثابت کر دیتے تھے۔ وہ ترجمۂ سبعینیہ کو منصف ٹھہرا کر یسوعؑ کے مسیح ہونے کے منکر یہودیوں کو قصوروار اور مجرم ثابت کر دیتے تھے۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ یہ ترجمہ ہمارے لئے سخت شکست کا باعث ہے تو دوسری صدی مسیحی میں انہوں نے اِس ترجمے کو رد کر دیا۔ یہ ترجمہ جو چند صدیوں سے منظور اور مقبول چلا آتا تھا دوسری صدی مسیحی میں نامنظور اور نامقبول قرار پایا۔

مسیحیوں کا اِس ترجمہ کو قبول کرنا اور اِسے استعمال میں لانا یہودیوں کے اِسے رد کرنے کا باعث ہُوا وہ اِس ترجمے کے ایسے مخالف اور دشمن ہو گئے کہ بعض ربّی اِس کے بارے میں کہتے تھے کہ جب سیپٹواجنٹ لکھا گیا تو تین دن تک زمین پر اندھیرا چھایا رہا اور دیگر یہ کہتے تھے کہ وہ دن اسرائیل کے لئے ایسا ہی افسوسناک تھا جیسا وہ دن تھا جس میں اِسرائیلیوں نے سنہری

بچھڑے کی پوجا کی تھی لیکن ایسے بہت سے یہودی موجود تھے جو یونانی زبان استعمال کرنیوالے تھے یا یونانی شہروں میں بستے تھے اور جنہیں یونانی تراجم کی ضرورت تھی اور ایسے یونانی ترجمے بھی ہوئے جو یہودیوں کی زیرِ نگرانی ہوئے یعنی یہودیوں نے کئے اور کرائے۔ ایک یہودی یونانی ترجمہ اکولا نے کیا تھا یہ پہلے ایک غیر قوم افسر تھا پھر مسیحی ہوا اور پھر یہودی ہوگیا۔ اس کا ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ ہے اور یہودی اس ترجمے کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ اب اس کے صرف اجزاء باقی ہیں باقی کھوگیا ہوا ہے۔ یہ ترجمہ سنہ ۱۳۰ء اور سنہ ۱۴۰ء کے قریب ہوا تھا۔ دوسرا ترجمہ سِماکس کا ہے۔ یہ سنہ ۲۰۰ء کے قریب ہوا۔ بعض کی رائے ہیں یہ ترجمہ سنہ ۱۶۱ء اور سنہ ۱۸۰ء کے درمیانی عرصے میں مارکس آریلیس کے عہد میں ہوا۔ اور بعض کی رائے میں سیپٹیمیس سیویرس کے عہد میں ہوا۔ اس کا عہد حکومت سنہ ۱۹۳ء سے سنہ ۲۱۱ء تک رہا۔ بہرحال یہ ترجمہ بھی اکولا کے ترجمے کیطرح دوسری صدی مسیحی ہی کا ہے۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ مفہوم کو ادا کرتا ہے اور اس کا طرزِ کلام بھی عمدہ ہے۔ اس کا مترجم سِماکس یہودی نومرید تھا یعنی غیر یہودی مذہب سے یہودیت اختیار کئے ہوئے تھا۔ یہ پہلے ابیونی یا سامری تھا۔ ابیونی ایک بدعتی مسیحی فرقہ تھا۔ اس فرقے کی تعلیم یہ تھی کہ کلمۃ اللہ بپتسمہ سے لیکر دکھوں کا وقت آنے تک آدمی یسوع میں رہا۔ تیسرا ترجمہ تھیوڈوشن نے کیا۔ یہ ترجمہ سنہ ۱۸۰ء کے قریب ہوا۔ یہ ترجمہ سیپٹواجنٹ ترجمے کی محض نظرثانی تصیح اور اصلاح ہے اور اسی لئے سیپٹواجنٹ ترجمے سے صرف کہیں کہیں خفیف فرق پائے جاتے ہیں۔ سیپٹواجنٹ ترجمے کے قلمی نسخوں میں بہتیرے نسخوں میں دانی ایل کی کتاب تھیوڈوشن کی ہے اور اس کے اس میں

رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ سیپٹواجنٹ اور تھیوڈوشن کی دانی ایل کی کتاب ایک ہی ہے۔ پس تھیوڈوشن کے ترجمے کا سیپٹواجنٹ سے صرف خفیف فرق ہے۔ اکولا اور سِماکس کے ترجموں کیطرح اس ترجمہ کے بھی صرف اجزاء باقی ہیں۔ یہ تینوں ترجمے دوسری صدی مسیحی کے ہیں۔ آریجن تین اور یونانی ترجموں کا بیان کرتا اور ان سے اقتباس کرتا ہے۔ یہ ترجمے شاعرانہ یا حکمت کی کتابوں کے ہیں یعنی ایوب، زبور، امثال، واعظ اور غزل الغزلات وغیرہ کے۔ ان ترجموں کے مترجمین گمنام ہیں ان کے نام معلوم نہیں ہیں۔ ان یونانی تراجم کے توصرف اجزاء ہی باقی ہیں۔ سیپٹواجنٹ ترجمہ ہی ایسا ہے جو سارے کا سارا موجود ہے۔

پہلی تین صدیوں کی کلیسیا مذہبی عبادت اور مقاصد کیلئے یونانی زبان استعمال کرتی تھی۔ اس کا عہدِ عتیق سیپٹواجنٹ ہی تھا اسی ترجمہ سے کئی دیگر قدیم ترجمے کئے گئے۔ اسی ترجمے کا قانون مسیحی کلیسیا کا قانون ہے۔ یعنی جو کتابیں اس ترجمہ کی قانونی یا مقبول کتابیں ہیں مسیحی کلیسیا کا پرانا عہدنامہ وہی ہے یعنی چھیالیس کتابوں اور تین حصص والا عہدِ عتیق۔ تین حصص استیر اور دانی ایل کی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ ایک حصہ استیر میں ہے جو دسویں باب کی چوتھی آیت سے لیکر سولہویں باب کی چوبیسویں آیت تک یعنی سولہویں باب کے آخر تک ہے۔ دوسرا حصہ دانی ایل کی کتاب کے تیسرے باب کی تیئیسویں آیت سے لیکر نوّے ویں آیت تک ہے اور تیسرا حصہ اسی کتاب کا تیرھواں اور چودھواں باب ہے۔ چونکہ قدیم اور ابتدائی کلیسیا یعنی پہلی تین صدیوں کی کلیسیا کا عہدِ عتیق سیپٹواجنٹ عہدِ عتیق تھا۔ اس لئے مسیحیت کے عہدِ عتیق کی کتابیں

سیپٹواجنٹ عہدِ عتیق کی کتابیں ہیں۔ عہدِ جدید میں سیپٹواجنٹ عہدِ عتیق ہی کے اقتباسات پائے جاتے ہیں۔ صرف دو چار جگہیں ہی ایسی ہیں جن میں اِس کا اقتباس نہیں بلکہ اور طرح کا اقتباس ہے۔ عہدِ جدید میں سیپٹواجنٹ کے قریباً تین سو اقتباسات پائے جاتے ہیں۔

یہ کہ اِس ترجمے کے ہونے پر دُنیا پر تین دن اندھیرا چھایا رہا تھا محض نری گپ ہے۔ حق یہ ہے کہ اِس ترجمہ نے دُنیا کو نورٌ علیٰ نور روشن، درخشاں اور پرنُور بنا دیا۔ اور کہ اِس کا استعمال اور اُسے ماننا سنہری بچھڑے کی پوجا کے مترادف اور برابر ہے، بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ اِس ترجمے کے ذریعے سے خُدا کا جلال ظاہر ہوتا رہا ہے اور خُدا کی عبادت ہوتی رہی ہے اور بے شمار رُوحوں نے نجات پائی ہے۔

(۲) ترگومیم:-

ترگومیم جمع ہے ترگوم کی۔ یہ آرامی زبان کا لفظ ہے اور اِس کے معنی ترجمہ ہیں اور آرامی کے گ کو عربی کے ج میں تبدیل کرنے سے ترگوم ترجم [illegible] ہے اور ترگومیم [illegible] عربی لفظ تراجم ہے۔

جب یہودی بابلی جلاوطنی میں مدّتِ مدید تک رہے تو اپنی عبرانی زبان کی بجائے بابلی زبان بولنے لگ گئے یعنی آرامی بولنے لگ گئے۔ آرامی کی کئی شاخیں یا بولیاں ہیں۔ جب وہ بابلی جلاوطنی سے واپس آئے تو وہ عبرانی نہیں سمجھ سکتے تھے اِس لئے عوام کو عبرانی کا آرامی میں ترجمہ کرکے سُنایا جاتا تھا یا تو ایک ایک آیت کا یا دو دو تین تین آیتوں کا ترجمہ

زبانی کرکے سنایا جاتا تھا۔ مترجم آنکھوں سے عبرانی دیکھتا اور پڑھتا تھا لیکن زبان سے فی البدیہہ یا فوراً آرامی ترجمہ بولتا تھا اُسے یہ اجازت نہیں ہوتی تھی کہ عبرانی سُنا کر آرامی ترجمہ سُنائے لیکن کچھ عرصے کے بعد فی البدیہہ ترجمے کی بجائے مرقومہ یا لکھے ہوئے ترجمے مُروّج ہو گئے۔ ترگوم آرامی ترجمے کو کہتے ہیں یہ زبان فلسطین، شام اور میسوپتامیہ میں بولی جاتی تھی۔

یہودی ادب میں جس ترگوم کے سب سے پہلے لکھی ہوئی ہونے کا ذکر ہے وہ ایوب کی کتاب کی ترگوم ہے۔ یہ پہلی صدی مسیحی میں ضبطِ تحریر میں آئی تھی۔ اِس ترگوم کے کئی اجزاء قمران میں دستیاب ہوئے ہیں۔ قمران میں اور ترگوموں کے اجزاء بھی ملے ہیں۔ ترگوموں کے اجزاء جو مختلف مقاموں میں بڑے بڑے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کی تعداد کثیر ہے اور ایک ہی عبارت کے متعدد تراجم ہیں۔ ترگومی ترجموں کی قسم ایک خاص قسم تھی۔ وہ اپنی قسم آپ تھی۔ کیونکہ وہ صرف لفظی یا با محاورہ ترجمہ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ کبھی وہ لفظی ترجمہ ہوتا تھا کبھی [illegible] اور کبھی اُس کی شرح یا تفسیر ہوتی۔ بابلی ترگوم میں ایسی لفظی ہیں کہ بعض بالکل غلامانہ ترجمہ کیا ہوا ہے اُس میں آزادی کو ذرا بھی دخل نہیں لیکن فلسطینی ترگومیں آزاد، مشترح، وسعت یافتہ، کُشادہ، طویل و عریض اور بعض اوقات ترجمے ہونے کی بجائے تفسیریں ہیں مثلاً اشعیاہ ۵۳ باب کی ترگوم ایسی تفسیر ہے جو اصل عبرانی عبارت کے مطلب کو بالکل اُلٹ دیتی ہے کیونکہ وہ اُس میں سے دُکھ اور تصدیعہ پانے کے خیال کو بالکل خارج

کردیتی ہے اور مسیحا کے دُکھ سہنے کے تصور کی بجائے مسیحا کے جلالی پُرعظمت اور فتح مند ہونے کے تصور کو پیش کرتی ہے۔ جس عبرانی عبارت میں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ مسیحا دُکھ سہنے والا مسیحا ہوگا اور اپنے دُکھوں کے ذریعے سے بچانے والا ہوگا، اس عبارت میں اِس حقیقت کا ذکر بالکل نہیں کیا بلکہ یہ تفسیر کی ہے کہ مسیحا جلالی اور فتح مند مسیحا ہوگا۔ ترگوموں میں اِس طرح کی ترگومیں بھی ہوتی تھیں کہ بات کچھ اور بتانا کچھ۔

دو مشہور ترین فلسطینی ترگومیں **آنکیلاس اور یوناتھن کی** ترگومیں ہیں۔ آنکیلاس یعنی اکولا کی ترگوم تو توریت کے بارے میں ہے لیکن یوناتھن کی ترگوم انبیاء کے بارے میں ہے۔ اِن کو اکولا اور یوناتھن یعنی تھیوڈوشن سے منسوب کرنا محض فرضی ہے حقیقت نہیں ہے۔ فلسطینی ترگوموں کو یروشلمی ترگومیں بھی کہتے ہیں اور توریت کی کتاب کے علاوہ پرانے عہدنامے کی سب کتابوں کے بارے میں ہیں۔ اِن کے مضامین چونکہ پہلے فلسطین میں تیار کئے گئے تھے اور بعد میں بابل میں لیکن بابل میں کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کئے گئے اِس لئے کبھی ایک ہی ترگوم کو فلسطینی اور کبھی بابلی کہتے ہیں۔ بابل میں بھی عہدِ عتیق کی تقریباً سب ترگومیں تیار کی گئیں۔

آنکیلاس اور یوناتھن کی ترگومیں اپنی موجودہ صورت میں پانچویں صدی مسیحی کی ہیں۔ فلسطین میں بہت مذہبی مدارس تھے جن میں سب سے بڑا اور مشہور تبیریاس کا مدرسہ تھا اور یہ سنہ ۲۰۰ء سے لیکر کئی صدیوں تک رہا۔ اسی زمانے میں بابل میں مدرسہ قائم ہوا جو فلسطین کے مدارس کو مات کر گیا اور یہ بھی مسیحیت کی کئی ابتدائی صدیوں میں قائم رہا۔ فلسطین کے مدارس اور بابلی مدرسے میں ترگومیں تیار کی گئیں اور اِس لحاظ سے انہیں فلسطینی

اور بابلی ترگومیں کہتے ہیں۔

عہدِ عتیق کا اصلی متن معلوم کرنے کیلئے ترگومیں بھی قیمتی ثابت ہوتی ہیں لیکن انہیں اِس کام کیلئے استعمال کرنے کے بارے میں بڑی احتیاط تنقید کی ضرورت ہے کیونکہ کئی دفعہ اِن کا متن لفظی نہیں بلکہ تفسیری ہوتا ہے جب اَور کتابوں کے ساتھ یہ متفق ہوں تو یہ اصلی متن کے بارے میں گواہ ثابت ہوتی ہیں لیکن اِن کی تنہا گواہی بہت کم قابلِ قدر ہے۔

(۳) شامی تراجم:-

یونانی ترجمے سپٹواجنٹ کے بعد عہدِ عتیق کے شامی تراجم قدیم ترین ہیں اور عہدِ جدید کے ترجمے شاید اِس کے اَور ترجموں سے سب سے قدیم ہیں۔ وہ قدامت میں قدیمی لاطینی ترجموں کے بہت قریب ہیں۔

پشیطو یا پشیطا۔ اِس کا مطلب بسیط یا سادہ ہے یعنی ایسا ترجمہ جس کا سمجھنا عام لوگوں کیلئے سہل اور آسان ہے یا وہ متن جو عام لوگوں میں مروج ہے۔ یہ ایک ہی مترجم کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ چند ایک کا ہے جو غالباً یہودی مسیحی تھے یعنی یہودیوں میں سے مسیحی تھے۔ یہ پہلی یا دوسری صدی مسیحی میں عبرانی سے کیا گیا تھا اور اِسمیں قانونِ دوم کی کتابیں بھی پائی جاتی ہیں اور اِس ترجمے کے بارے میں عجیب بات یہ ہے کہ جہاں جہاں مسورائی عبرانی متن اَور یونانی سپٹواجنٹ کے متن کا فرق ہے وہاں بہت سی جگہوں میں اِس ترجمے کا متن سپٹواجنٹ کے مطابق ہے۔ اِس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعد کی صدیوں میں جب اِس کی نظرِ ثانی ہوتی رہی تو نظرِ ثانی کرنیوالوں نے اُن مقاموں کو سپٹواجنٹ کے مطابق کر دیا۔ اِس کی وجہ یہ نہیں کہ جو عبرانی متن مترجمین نے استعمال کیا تھا وہ قدرے

مسوراتی عبرانی متن سے مختلف اور سپٹواجنٹ کے موافق اور مطابق تھا۔

شامی بائیبل مشرقی شامی میں ہے۔ مغربی شامی فلسطینی شامی۔ ہے جو یسوع مسیح اور رسولوں کی بولی تھی۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ پشیطو یا بسیط دوسری صدی مسیحی میں ہوا تھا۔ یہ ترجمہ بڑے اعلیٰ پایہ کا ہے اور سب مشرقی شامی کلیساؤں میں مروج ہے۔

فلاکسینی شامی ترجمہ مَبّوگ کے مانوفیزائیٹ بشپ فلاکسینس کے نام پر فلاکسینی کہلاتا ہے۔ یہ ترجمہ اُس نے چھٹی صدی مسیحی کے آغاز میں کرایا تھا۔ یہ ترجمہ یونانی سے کیا گیا تھا عبرانی سے نہیں۔ اور اب اس ترجمے کا قریبًا کوئی حصہ باقی نہیں ہے بلکہ سارے کا سارا کھو گیا ہوا ہے۔

شامی فلسطینی عہدِ عتیق چوتھی اور چھٹی صدی مسیحی کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت کیا گیا تھا۔ یہ بھی یونانی سے کیا گیا تھا اور یہ اُن مسیحیوں کیلئے کیا گیا تھا جو مغربی شامی بولتے تھے۔ اَب یہ ترجمہ لیکشنریوں یعنی کتب اوراد میں باقی ہے۔

شامی ہیکسا پلا [illegible] اوریجن کے ہیکسا پلا [illegible] سپٹواجنٹ ترجمہ پایا جاتا تھا اُس یونانی ترجمے کا شامی ترجمہ تھا۔

ہیکسا پلا چھ خانوں والی عہدِ عتیق کی کتاب تھی۔ اوریجن نے قیصریہ میں ایک کتاب لکھی جس کے چھ خانے یا چھ کالم تھے۔ پہلے کالم میں عبرانی متن دوسرے میں وہی عبرانی متن یونانی حروف میں لکھا تھا۔ تیسرے کالم میں اکولا کا یونانی ترجمہ۔ چوتھے کالم میں سماکس کا یونانی ترجمہ۔ پانچویں کالم میں سپٹواجنٹ یونانی ترجمہ اور چھٹے کالم میں تھیوڈوشن کا یونانی ترجمہ تھا۔

اوریجن نے اس شش خانہ کتاب کو ۲۲۸ء سے ۲۴۰ء تک پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ قیصریہ میں اس کی بڑی لائبریری کے ساتھ ہی اُس کے متعلقین نے اس کتاب کو بھی محفوظ کر دیا۔ غالبًا اس ساری کتاب کی کوئی نقل نہ کی گئی اور جب مسلموں نے فلسطین کو فتح کیا تو غالبًا یہ کتاب اُس وقت تلف ہو گئی۔ پچھلے چار کالموں یعنی تیسرے چوتھے پانچویں اور چھٹے کالم کی نقلیں تو ہوتی رہیں لیکن پہلے اور دوسرے کالم کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان مذکورہ چار کالموں میں سے کوئی کسی کالم کی نقل کرتا تھا اور کوئی کسی کی۔ جس کالم کی سب سے زیادہ نقلیں کی جاتی تھیں وہ سپٹواجنٹ یونانی ترجمے والا پانچواں کالم تھا۔ مقدس جیروم نے اس کتاب کو استعمال کیا تھا اور اس کتاب کی موجودگی کا سراغ چھٹی صدی مسیحی کے آخر تک ملتا ہے۔ اس ضخیم کتاب کے لکھنے سے اوریجن کی غرض یہ تھی کہ مسیحیوں کو سپٹواجنٹ کا وہ متن مہیا کیا جائے جو یہودیوں کے ساتھ بحث کرتے وقت کام دے سکے۔ اس کتاب کا نام ہیکسا پلا تھا اور اس کے پانچویں کالم میں جو سپٹواجنٹ یونانی ترجمے کا متن پایا جاتا تھا اُس کے شامی ترجمے کا نام شامی ہیکسا پلا ہے۔ یہ ترجمہ [illegible]

اور یہ اوریجن کی اس تصنیف کے نہایت اہم گواہوں میں سے ایک گواہ ہے۔

اوریجن کی یہ تصنیف اتنی ضخیم تھی کہ یہ پچاس کتابوں کے برابر ایک کتاب تھی۔ اس کو ہیکسا پلا ہیلیا بھی کہتے ہیں یعنی چھ گنا کیا ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پچھلے چار کالموں کی یعنی یونانی تراجم کی ایک ہی کتاب میں نقل کی گئی تھی جس کو ٹیٹرا پلا کہتے تھے۔ اس کے معنی چہار گانہ یا چار گنا ہیں اور ہیکسا پلا کے معنی شش گانہ یا چھ گنا ہیں۔

عہدِ جدید کے شامی تراجم

قدیم شامی تراجم وہ تراجم ہیں جو عہدِ جدید کے پشیطو ترجمہ سے زیادہ قدیم ہیں۔ ان ترجموں کی جگہ پشیطو نے لے لی اور اب ان تراجم کے صرف اجزا باقی ہیں۔

شامی کیوریٹونی ترجمہ: اسے کیورے ٹونی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اسے ڈبلیو کیورے ٹن نے ۱۸۵۸ء میں شائع کیا۔ اس قدیم ترجمے کو چونکہ زمانۂ حاضرہ اور جدید میں کیوریٹن نے شائع کیا اس لئے اب یہ اُس کے نام کا ترجمہ کہلاتا ہے یعنی کیوریٹن کا شائع کیا ہوا ترجمہ۔ یہ کیوریٹن کا کیا ہُوا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا شائع کیا ہوا ہے۔ اس ترجمہ کے ساتھ اسّی صفحات کی انجیل کی لیکشنری بھی موجود ہے۔ یہ ترجمہ غالباً تیسری یا چوتھی صدی مسیحی میں ہوا تھا یہ جنوبی مصر کے نطری صحرا یا صحرائے نطری کے ایک راہب خانے سے انیسویں صدی میں دستیاب ہُوا تھا۔

شامی سینائی ترجمہ: یہ ترجمہ ۱۸۹۲ء میں دو انگریز خواتین مسز لوئیس اور مسز گبسن کو کوہِ سینا پر مقدسہ کیتھرین کے راہب خانہ سے دستیاب ہُوا۔ اسمیں اناجیل کا پورا حصہ پایا جاتا ہے اور یہ غالباً ۲۰۰ء کے قریب یا تیسری چوتھی صدی میں کیا گیا تھا۔

شامی دیا تیسارون۔ دیا تیسارون یونانی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں چار کے ذریعے سے، چار کے وسیلے سے، چار سے پیدا ہونیوالی، چار سے لی ہوئی یعنی چار سے ماخوذ، چار کے ذریعے سے ایک۔ یہ اناجیل اربعہ کا پہلا شامی ترجمہ ہے۔ یونانی میں تو اس نام سے مراد ہے انجیل چار کے وسیلے سے یعنی چار انجیل نویسوں کے وسیلے سے انجیل۔

شامی میں اسے مخلوطوں کی انجیل کہتے ہیں یعنی مخلوط انجیل نویسوں کی انجیل۔ وہ انجیل جسمیں چار انجیل نویسوں کے بیانات مخلوط کئے گئے۔ یہ چاروں اناجیل کی تطبیق یافتہ کتاب یا انجیل تھی۔ یہ بات تا حال زیرِ بحث ہے کہ پہلے پہل یہ تطبیق یونانی میں لکھی گئی تھی یا شامی میں۔ کچھ عرصہ ہُوا ہے کہ اس کی یونانی تطبیق کے نسخے کا ایک جزو دستیاب ہوا جو ۲۲۵ء کے قریب لکھا گیا تھا اس سے ظاہر ہے کہ یہ تطبیق مشرق میں بہت ابتدائی زمانے سے استعمال میں لائی جا رہی تھی۔ اس کا مصنف ٹیشیئن یعنی تاتیان تھا وہ پیدائش سے شامی تھا لیکن تعلیم و تربیت کے لحاظ سے یونانی تھا۔ وہ مقدس جسٹن کا شاگرد تھا۔ وہ اس کے ساتھ روم گیا اور اس کی شہادت کے بعد اس کے سکول کو چلاتا رہا۔ اس کے اُستاد مقدس جسٹن کی شہادت ۱۶۶ء میں ہوئی تھی۔ بعد میں وہ مشرق میں واپس آگیا جہاں آکر اس نے بدعتانہ میلانات ظاہر کئے۔ مشرق میں اس نے بدعتی خیالات اور اعتقادات کا اظہار کیا۔ وہ شادی اور شراب اور گوشت کو حرام قرار دیتا تھا اُس نے ۱۷۲ء کے قریب ان بدعتی اعتقادات کا اظہار کیا۔ اُس کی اِس تصنیف میں اِن میلانات کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس سے اِس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ اِس کتاب کا مصنف تاتیان تھا۔ روایتی مصنف تاتیان تھا یعنی جو بیان قدیم وقتوں سے چلا آتا ہے وہ یہ ہے کہ اِس کتاب کا مصنف تاتیان ہے اور اس کتاب میں بدعتی نشانات کا پایا جانا اِس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اِس کا مصنف واقعی تاتیان بدعتی ہے اور ان نشانات اور آثار سے اِس کتاب کی تصنیف کا زمانہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب قریباً کب تصنیف ہُوئی تھی یعنی جب وہ رُوم سے مشرق میں آیا ہی

اگر بدعتی خیالات کو اپنا چکا ہوا تھا۔ یہ کتاب اُس وقت تصنیف ہوئی تھی۔
تطبیقِ اناجیل کی کتاب لکھنے سے تاتیان کی غرض یہ تھی کہ وہ اپنے اہلِ ملک کیلئے مسیح کی زندگی کے حالات اِس طرح سے مرتب کرے جسطرح سے وہ عوام کیلئے موزوں ہوں اُن کے حسبِ حال ہوں جو اناجیلِ اربعہ سے تیار کیئے ہوئے ہوں اور ماخوذ ہوں یعنی مورخینِ زمانہ کیطرح معتبر چشموں سے حاصل کئے ہوئے ہوں اور مسیح کے کام اور کلام اور اُس کے حالات کے بارے میں معتبر ترین چشمے اناجیلِ اربعہ ہی تھیں پس انہیں سے اُس نے دیاتیسارون تیار کی تھی اور مطابقت پیدا کرنے کی راہ میں انجیلی بیانات میں جو مشکلات پیدا ہوتی تھیں اُن مشکلات کو اُس نے دُور کرنے کی کوشش کی۔ پس بیانات اناجیل میں مطابقت پیدا کرنے کے بارے میں یہ بڑی مفید اور مددگار ہے۔ اُس نے مضامین کو ایسی عمدگی سے ترتیب دیا ہے اور ایسی خوبصورتی سے پیش کیا ہے یعنی ایسے دلکش اور دلچسپ پیرائے میں پیش کیا ہے کہ اِس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اِس کتاب کی کامیابی کا سبب اِس کے مضامین کی ترتیب کی عمدگی اور اِس کا دِلکش [illegible] پیرایہ تھا۔

پشیطو عہدِ جدید پانچویں صدی مسیحی میں موجود تھا۔ اِس سے کتنا عرصہ پہلے یہ ترجمہ ہُوا وہ وقت ٹھیک ٹھیک معین نہیں کیا جا سکتا۔ چند ایک علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ترجمہ مشہور و معروف ربّولا نے کیا تھا جو ۴۱۱ء سے ۴۳۵ء تک ادیسہ کا بشپ تھا۔
فلاکسینی عہدِ جدید پشیطو عہدِ جدید کی نظرِ ثانی کردہ صورت تھی۔ شامی فلسطینی عہدِ جدید اُسی وقت کا ترجمہ ہے جب شامی فلسطینی عہدِ عتیق

کا ترجمہ ہُوا تھا۔
عہدِ جدید کا شامی ہارکلی ترجمہ: ساتویں صدی کے ابتدا میں [illegible] نے تُوما نے کیا تھا۔

(۴) لاطینی تراجم:

ابتدائی کلیسیا میں کئی تراجم لاطینی زبان میں کئے گئے جنہیں قدیمی لاطینی تراجم کہتے ہیں۔ لاطینی تراجم کے سلسلے کی آخری کڑی مقدس جیروم کا وُلگاتا یا وُلگیٹ نامی لاطینی ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ تو اُس نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے شروع میں کیا تھا لیکن اس کو وُلگاتا کا نام تیرھویں صدی مسیحی سے دیا گیا۔

لاطینی ترجموں کی ضرورت پہلے پہل اُن علاقوں میں پیدا ہوئی جہاں لاطینی زبان بولی جاتی تھی مثلاً شمالی افریقہ اور گال اور شمالی اٹلی میں۔ [illegible] کی ایک کتاب سے افریقہ کے ایک لاطینی ترجمے کا پتہ چلتا ہے اُس کتاب میں اِس کا سُراغ پایا جاتا ہے۔ لاطینی کے پُرانے ترجمے اجزاء کی صورت میں موجود ہیں لیکن وہ اجزاء تعداد میں بہت زیادہ اور [illegible]
[illegible]
جاتا ہے یعنی افریقی اور یورپی صورتوں میں۔ افریقی پُرانا لاطینی ترجمہ شمالی افریقہ میں مروج تھا اور یورپی ترجمہ خاص کر شمالی اٹلی میں۔ وہ ترجمہ جو شمالی اٹلی میں مروج تھا۔ اِسی کو مقدس اگستین اِطالا کہتا ہے یعنی اطالوی۔ افریقی اور اطالا تراجم دوسری صدی مسیحی میں کئے گئے تھے۔ لاطینی کے سب قدیم تراجم یونانی سے کئے گئے تھے۔

وُلگیٹ یا وُلگاتا:۔ یہ ترجمہ مقدس جیروم نے ملکِ فلسطین کے

شہر بیت الحم میں ۳۸۵ء سے ۴۰۵ء تک بیس سال کے عرصے میں کیا تھا۔ یہ ترجمہ اُس نے عبرانی زبان سے کیا تھا۔ یہ کیتھولک کلیسیا کا مستند مُعتبر اور مسلمہ ترجمہ رہا ہے۔ یہی ترجمہ عبرانی سے کیا گیا تھا لیکن جو لاطینی تراجم اِس سے پہلے ہُوئے وہ سب یونانی سے کئے گئے تھے۔

(۵) قبطی یا مِصری تراجم :

قبطی ترجمے پانچ مصری بولیوں میں کئے گئے تھے۔ سہیدی ترجمہ جنوبی مصر یعنی بالائی مصری بولی میں کیا گیا تھا۔ بحیری ترجمہ شمالی یا زیریں مصر کی بولی میں تھا اور وسطی مصری بولیوں اخمیمی، سب اخمیمی اور فیومی میں بھی ترجمے موجود تھے۔ فیومی نیل کی غربی طرف کے علاقے فیوم کی بولی تھی۔ یہ پانچوں ترجمے یونانی سے کئے گئے تھے۔ عہدِ عتیق کے ترجموں میں اِس کے دوسرے قانون کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ سہیدی ترجمہ تیسری صدی مسیحی اور بحیری پانچویں صدی میں کیا گیا تھا۔ قبطی ترجموں کے قدیمی قلمی نسخے تو بہت ہیں لیکن اُن کے تحریر کئے جانے کے وقت کو ٹھیک ٹھیک معیّن کرنا مشکل ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی کے نسخے موجود ہیں جو بیش قیمت ہیں۔ یہ اغلب ہے کہ یہ ترجمے تیسری صدی کے شروع میں کئے جانے شروع کئے گئے تھے۔ اَب بعض کتابوں کا ترجمہ نہیں ملتا۔ بعض قبطی ترجمے اَب بہت نامکمل صورت میں پائے جاتے ہیں۔

قبطی عہدِ جدید

عہدِ جدید کے سہیدی اور بحیری زبانوں کے ترجمے پُورے پُورے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں اور سب بولیوں کی کتابوں کی انفرادی صورت میں بھی چند ایک اشاعتیں ہو چکی ہیں یعنی ایک ایک کتاب کر کے بھی چھپ چکی ہیں۔

عہدِ جدید کی اصل زبان یونانی ہے یعنی عہدِ جدید پہلے پہل یونانی میں لکھا گیا تھا اور یہ قبطی تراجم اصل یونانی سے کئے ہوئے ہیں مگر عہدِ عتیق کے ترجمے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سے کئے ہُوئے ہیں۔

(۶) آرمینی اور ژارژی یا جارجی تراجم :

اِن تراجم کا ایک جا بیان کیا جاتا ہے کیونکہ یہ یقینی ہے کہ جارجیوں نے اپنا ترجمہ اپنے پڑوسیوں آرمینیوں کے ترجمہ سے اخذ کیا جبکہ ۴۱۰ء کے قریب آرمینی لوگوں نے مسیحیت اختیار کی تو اُس وقت اُن کے ہاں کسی قسم کے حروفِ تہجی مروّج نہیں تھے وہ بلا حروفِ تہجی تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل وہ شامی کتبِ مقدسہ استعمال میں لاتے تھے اُن کی بطورِ بابل میں شامی دیا تیسارون کے آثار و نشانات پائے گئے ہیں۔ ان کے حروفِ تہجی جو ایجاد کئے گئے وہ یونانی حروفِ تہجی سے ماخوذ ہیں۔ اِن کی ایجاد مَیسروپ (MESROP) سے منسوب کیجاتی ہے۔ حرفوں کے ایجاد ہوتے ہی آرمینی زبان میں ترجمہ شروع کر دیا گیا۔ یہ ترجمہ بطریق اِسحاق نے کیا تھا جس کا عہد ۳۹۰ء سے ۴۴۰ء تک ہے۔ ژارژی ترجمہ بھی ۴۵۰ء سے پہلے ہو چکا تھا۔ غرضیکہ آرمینی اور ژارژی تراجم پانچویں صدی مسیحی کے تراجم ہیں۔

(۷) گاتھی ترجمہ :

مؤرخ فلاستورگیئس بیان کرتا ہے کہ یہ ترجمہ گاتھی بشپ اُلفیلاس نے چوتھی صدی مسیحی میں کیا تھا اُس نے ۳۸۳ء میں وفات پائی تھی۔ اُس نے بادشاہوں کی کتابوں کے سوا ساری بائبل کا ترجمہ کیا تھا۔ بادشاہوں کی کتابوں سے پہلا دوسرا سیموئیل اور پہلا دوسرا ملوک یا سلاطین مراد ہے۔

(۸) عربی تراجم :

کتاب مقدس کا عربی میں ترجمہ ہونے کا آٹھویں صدی مسیحی سے پہلے سُراغ نہیں ملتا۔ اُسوقت اناجیل اور عہدِ جدید کی دیگر کتابوں کا ترجمہ شامی پشیطو ترجمے سے عربی زبان میں کیا گیا تھا۔ اِس کے بعد شامی دیا تیسارُن کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ دسویں صدی مسیحی میں عہدِ عتیق کا عبرانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ اور ترجمے جو غالباً اِس سے پہلے کئے گئے تھے وہ شامی پشیطا یا پشیطو اور یونانی سپٹواجنٹ سے کئے گئے تھے۔ عربی متن جو لنڈن اور پیرس کے قلمی نسخوں میں پایا جاتا ہے وہ توراتُ کا متن مسورائی عبرانی والا متن ہے۔ تواریخی کتابوں اور ایوب کا متن پشیطو والا متن ہے اور انبیاء اور حکمت کی کتابوں کا متن سپٹواجنٹ والا متن ہے۔

(۹) اِیتھپی اوپیائی یا حبشی ترجمہ یا مُلکِ حبش یا حبشہ کی زُبان میں ترجمہ :

یہ مُلک مصر کے جنوب میں واقع ہے اِس کو حبش، حبشہ یا اِیتھپی اوپیا کہتے ہیں۔ اِس کا نام اَبی سینیا بھی ہے۔ اِس ملک کے باشندوں نے چوتھی صدی مسیحی میں مسیحیت اختیار کی تھی۔ بائیبل کا جو ترجمہ اِن کی زبان میں کیا گیا وہ پانچویں صدی کے بعد کا نہیں ہے یعنی پانچویں صدی کا یا اِس سے بھی کچھ پہلے کا ہے۔ یہ ترجمہ یونانی زبان سے کیا گیا تھا۔

(۱۰) سلاوی ترجمہ :

یہ ترجمہ قدیم زمانے کے ترجموں میں سے سب سے بعد میں کیا گیا تھا۔ یہ ترجمہ نویں صدی کا ہے اور یونانی زبان سے کیا گیا تھا۔

پُرانے زمانے میں بائیبل مقدس کے بہت سی زبانوں میں ترجمے

کئے گئے اور اُس کے بعد بھی سینکڑوں کی تعداد میں بائیبل کے ترجمے ہوئے ہیں۔ دُنیا میں ستائیس سَو بولیاں بولی جاتی ہیں۔ اب تک بائیبل مقدس کا ترجمہ پندرہ سو سے بھی زیادہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ آج کل پوری بائیبل یا اِس کے حصص دُنیا کی پندرہ سَو سے بھی زائد زبانوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ بائیبل مقدس کے حق میں کتابی معجزہ ہے۔



باب سوم

بائیبل مقدس کی ابواب اور آیات میں تقسیم

کتابوں کے نام مثلاً پیدائش، خروج، رُوت، قُضاۃ اور سموئیل کی پہلی کتاب وغیرہ ملہمین کے دیئے ہوئے نام نہیں ہیں اور جن کتابوں کے نام شخصوں کے نام پر ہیں وہ بہرحال ہیں اُن کتابوں کے مصنفوں کے نام نہیں ہیں۔ مثلاً کتاب کا نام رُوت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اِس کتاب کو رُوت نے لکھا تھا اور سموئیل کی کتاب سے یہ مراد نہیں کہ اِس کا [illegible] نے لکھا تھا بلکہ اِن ناموں سے یہ مراد ہے کہ اِن کتابوں میں اُن کے حالات یا اُن کی تاریخ پائی جاتی ہے۔ موسیٰ کی کتاب کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں موسیٰ کی تاریخ اور اُس کی تعلیم پائی جاتی ہے یعنی اس کتاب میں اُسکا مذہب پایا جاتا ہے اور یسوع مسیح کی اِنجیل (مرقس ۱/۱) کا مطلب یہ ہے کہ اِس میں یسوع مسیح کی تاریخ اور اس کی تعلیم یا اُس کا مذہب ہے۔ کتابوں کے مصنف کتابوں کا نام رکھے بغیر کتابوں کا صرف متن لکھتے تھے۔ کتابوں کی بابوں اور آیتوں میں تقسیم بھی مصنفوں کیطرف سے نہیں ہے۔ آج کل پیراگرافوں

میں تقسیم ہونے لگ گئی ہے جو بہتر تقسیم ہے۔ حوالے ڈھونڈنے اور حوالے دینے میں سہولت پیدا کرنے کیلئے پہلے بابوں میں تقسیم کی گئی اور پھر آیتوں میں۔ بابوں اور آیتوں میں تقسیم ہونے سے پہلے قدیم زمانے میں یوں حوالہ دیتے تھے کہ جس حصے میں کوئی خاص بات مرقوم ہوتی تھی وہ خاص بات ہی اُس حصے کا نام ہوتا تھا مثلاً جس حصے میں خدا کے حضرت موسیٰ کو جھاڑی میں ملنے کا ذکر ہے اُس حصے یا سیکشن کا نام جھاڑی تھا اور حوالہ یوں دیتے تھے کہ جھاڑی میں لکھا ہے یعنی فصل بوُتہ یا جھاڑی نامی سیکشن میں لکھا ہے کہ میں ابراہیم کا خدا۔ اِسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ ملاحظہ ہو "کیا تم نے مُردوں کی قیامت کے بارے میں موسیٰ کی کتاب میں جھاڑی کی میں نہیں پڑھا کہ خدا نے اُس سے مخاطب ہوکر کسطرح کلام کیا کہ میں ابراہیم کا خدا۔ اِسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں" مرقس ۱۲/۲۶ "مُردوں کی قیامت کے بارے میں موسیٰ نے جھاڑی میں اشارہ کیا" لوقا ۲۰/۳۷ جھاڑی سے مُراد جھاڑی والی فصل یا جھاڑی والا جزو ہے۔ "جھاڑی کے ذکر میں" کی بجائے جھاڑی والی فصل میں یا جھاڑی والے جزو میں ترجمہ بہتر [illegible] ایلیاہ میں کیا کہتا ہے" یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ کتاب مقدس ایلیاہ نامی سیکشن میں کیا فرماتی ہے۔ پس یہاں ایلیاہ سے ایلیاہ والی فصل یا فصل ایلیاہ یا جزو ایلیا مُراد ہے۔ سہولت سے حوالہ دینے کیلئے وسطی زمانوں میں بابوں اور آیتوں میں تقسیم کی گئی۔ ساری بائیبل کی بابوں میں موجودہ تقسیم کارڈینل ہیوگو نے ۱۲۵۰ء کے قریب کی تھی اور رابرٹ سٹیفنز نے یونانی عہدنامے کی آیات میں تقسیم کی اور آیات میں منقسم عہدنامے کا ایڈیشن ۱۵۵۱ء میں

شائع ہُوا اور اُس نے ولگیٹ یعنی لاطینی بائبل کو بھی آیات میں تقسیم کیا اور اُس کا آیات میں منقسم ایڈیشن ۱۵۵۵ء میں شائع ہُوا اور پہلی انگریزی بائبل جو اِن ابواب اور آیات کے ساتھ چھپی وہ جینوا بائبل تھی اور وہ ۱۵۶۰ء میں چھپی تھی اور آتھارائیزڈ ورشن ۱۶۱۱ء میں ابواب اور آیات کے ساتھ چھپا تھا۔ ہر باب کی چھوٹے چھوٹے حصّوں میں تقسیم ہیوگو دی سینٹ شیئر نے کی تھی اور اِس سے اُس کی غرض یہ تھی کہ علماء نوشتوں کے مقاموں کا حوالہ آسانی سے دے سکیں یا کسی مطلوبہ مقام کو آسانی سے تلاش کر سکیں۔ اِس مقصد کیلئے اس نے ہر باب کو سات سات حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

۱۵۲۸ء میں ایک اطالوی ڈومینیکن سانتیس پانیینو نامی نے ایک بائبل شائع کی جس میں ہر باب آیات میں تقسیم کیا ہُوا تھا ایک ایک آیت عموماً ایک ایک فقرہ تھا۔ رابرٹ سٹیفن مشہور فرانسیسی پرنٹر یعنی چھپیرا تھا۔ اِس چھپیرے یعنی چھاپنے والے نے بائبل مقدس کے متعدد ایڈیشن شائع کئے جنمیں عہدِ عتیق کی کچھ کتابوں میں تو پانیینو والی تقسیم آیات ہی برقرار رکھی لیکن بائبل کی اور کتابوں کیلئے اُس نے اپنی تقسیم استعمال کی۔ اُس کی وہ [illegible] ۱۵۵۵ء [illegible] تیار ہوئی وہ انہیں ایڈیشنوں پر مبنی تھی۔ اُس کی یہ تقسیم آیات معیاری (STANDARD) تقسیم قرار پائی۔

ڈوئے (DOUAY ڈوئے) بائبل کا عہدِ جدید کا حصّہ ۱۵۸۲ء میں بمقام ریمز شائع ہُوا اور عہدِ عتیق ۱۶۰۹-۱۶۱۰ء میں ڈوئے میں چھپا۔ اِس پہلی ڈوئے بائبل میں خاص تجویز کے مطابق اِس کا متن پیراگرافوں میں ترتیب دیا گیا لیکن ہوتے ہوتے آیات کا گِنتا یا اُن کے ساتھ ان کے اعداد لگاتا

آیات کو الگ الگ کر کے لکھنے کا باعث ہوگیا اور کیتھولک بائبل میں اِس طرح سب سے پہلے بشپ کالونر کی نظرِثانی کردہ بائبل میں کیا گیا ۱۷۴۹ء میں عہدِ جدید میں اور ۱۷۵۰ء میں ساری بائبل میں یعنی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید دونوں میں اِسطرح کیا گیا۔ ہر ایک آیت کا الگ الگ کر کے لکھنا اور اُس کے ساتھ اُس کا نمبر لگانا کیتھولک اور پراٹسٹنٹ بائبلوں میں آجکل کے زمانے تک مروّج رہا ہے۔ اِس سے بائبل کا مطالعہ آسان نہیں ہوتا اور نہ یہ متن کے خواص کے مطابق ہے جس کا بہت بڑی حد تک نثر کے ملو۔ یہ پڑھا جانا مقصود ہوتا ہے یعنی پیراگرافوں کیصورت میں ہونا الگ الگ آیات میں ہونے کی نسبت بہتر اور مفید ہے۔

امریکہ کے کان فرے ٹرنٹی (CONFRATERNITY) نظرِثانی کردہ ترجمے میں اُس کے ایڈیٹروں نے ڈوئے کی پہلی تجویز کو اختیار کیا ہے اور متن کو مجوزہ یا تجویز کردہ پیراگرافوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اب جو بائبلیں شائع ہوتی ہیں اُن میں متن پیراگرافوں میں تقسیم کیا ہُوا ہوتا ہے اور پیراگراف آیات میں تقسیم کئے ہُوئے ہوتے ہیں۔



باب چہارم

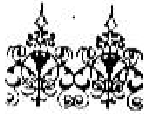
اشاعتِ بائبل

بائبل مقدس دُنیا کی سب کتابوں سے بہت ہی زیادہ شائع اور فروخت ہوتی ہے۔ یہی کتاب ہے جو ہر سال کروڑوں کی تعداد میں چھپتی ہے۔ بائبل مقدس کو شائع کرنے والی کیتھولک، پراٹسٹنٹ اور آرتھوڈاکس یا راسخ الاعتقاد۔ اور دیگر مشرقی کلیسیاؤں کی بائبل سوسائٹیاں ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اس کو ہر سال شائع کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اور ہیں۔ صرف ایک بائبل سوسائٹی کی بکری بیان کی جاتی ہے۔

۸ر مارچ ۱۹۶۶ء کے ٹائم میگزین نے [illegible] میں لکھا ہے کہ عہد جدید کا موجودہ ایڈیشن جو فروخت ہو رہا ہے اس کو شائع ہوئے سترہ ماہ یعنی ایک سال پانچ ماہ ہوئے ہیں۔ اس عرصے میں ترانوے لاکھ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں اور ہر روز تیرہ ہزار آرڈروں کی شرح سے آرڈر آ رہے ہیں۔ معلوم ہو کہ ٹائم میگزین امریکہ میں شائع ہوتی ہے۔

بائبل کی اشاعت اور اس کی مانگ دیگر مذہبی کتب سے بہت ہی زیادہ ہے۔ اس کا کثرت سے خریدا اور مطالعہ کیا جانا ظاہر کرتا ہے کہ دُنیا

یہ سمجھتی ہے کہ میری روحانی حاجات اسی کتاب کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہیں۔ یہی کتاب بہترین اور کامل ترین ہدایت اور راہنما اور مخزنِ صداقت ہے۔ اسی کے ذریعے سے روحانی کمال اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی اشاعت اور اس کے اثر کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو ماننے والے سب یہودی اور پچانوے کروڑ مسیحی ہیں اور بائبل مقدس کو قرآن مجید اور حدیث شریف میں کلام الٰہی تسلیم کیا گیا ہے اور قرآن مجید اور حدیث شریف کو ماننے والوں کی تعداد تقریباً تیس کروڑ ہے اور یوں بائبل مقدس کو الہامی اور کلام الٰہی تسلیم کرنے والوں کی تعداد سوا ارب سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایک کتاب کو ماننے والوں کی تعداد اتنی بڑی ہو یہ بھی کتابی معجزہ ہے اور اس کی نہایت کثیر اشاعت بھی اس کا کتابی معجزہ ہے جس طرح اس کا پندرہ سو سے بھی زائد زبانوں میں ترجمہ ہونا کتابی معجزہ ہے۔



بابِ پنجم

کلیسیا میں مقامِ بائبل

۱۔ بائبل خُدا کا کلام ہے

پہلے بابوں میں بائبل مقدس کی عام خاصیت اور کیفیت کا بیان ہوچکا ہے۔ اِس باب میں اُس مقام یعنی درجے اور قدر و منزلت کا بیان کیا جائیگا جو بائبل مقدس کو کلیسیا میں حاصل رہی ہے اور حاصل ہے۔ اِس باب کے شروع ہی میں یہ بیان کر دینا بہتر ہے کہ کلیسیا جو خدا کا اسرائیل ہے اور بائبل جو خدا کا کلام ہے دونوں خدا کی اُس ربوبیت یا پروردگاری کے اہتمام سے تعلق رکھتی ہیں جس سے اُس نے اِنسان کیلئے نوق الفطرت انجام مقرر کیا ہُوا ہے۔ چونکہ الٰہی فیصلے کے باعث اِنسان کو شروع ہی سے خدا کی دوستی، صحبت اَور رفاقت حاصل تھی اِس لئے خدا کے مقصد اُس کے اُلوہیت کے رازوں اور اُس کی حکمت اور بھلائی کی تجاویز کے لئے نوق الفطرت مکاشفہ کا بخشا جانا لازمی ہُوا۔ پس آسمانی علم کا عطا کیا جانا اِنسان کے خلق کئے جانے کیوقت ہی سے شروع ہوگیا اَور اِنسان کے گر جانے کے بعد بھی یہ منسوخ نہ کیا گیا بلکہ نجات کی حیرت انگیز تجویز ہوئی اَور یُوں نوق الفطرت مکاشفہ جاری رہا۔ نجات دہندہ کی آمد کی تیاری کے لئے

مکاشفہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا لیکن بنی نوعِ انسان کی خاطر خدا کی پُوری تجویز کا قطعی حتمی، فیصلہ کُن اور آخری اظہار اُسوقت ہُوا جب وقت پورا ہوگیا اور یہ اظہار کامل خدا کے مجسّد بیٹے کے ذریعے سے ہُوا۔ ملاحظہ ہو "اگلے زمانے میں خدا نے باپ دادا سے حِصّہ بہ حِصّہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اِس آخری زمانے میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا ہے۔"
عبرانیوں ۱: ۱-۲۔

اِلٰہی کلام کی ہر کتاب سے پہلے معلّمانہ اِختیار یا تعلیم دینے والا زندہ اختیار ہونا چاہیئے۔ اِس بات کے بارے میں کوئی شہادت نہیں ملتی کہ حضرت موسیٰ سے پہلے بھی الہامی کتابیں موجود تھیں۔ نہ تو اُن کی موجودگی اور نہ اُن کی گمشدگی یعنی کھو جانے یا برباد ہو جانے کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ جس قدر اِلٰہی مکاشفہ ابتدائی زمانے سے بنی نوعِ اِنسان میں تھا وہ غالباً محض زبانی اور تقریری تھا اور پُشت بہ پُشت زبانی یا تقریری صُورت ہی میں چلتا گیا۔ خُدا نے بعض خاص شخصوں کو اپنا کلام دیا اور انہوں نے خدا کا وہ پیغام اِنسانی زبان میں اَوروں کو دیدیا۔ نبوت سے یہی مراد ہے۔ نبوت سے محض پیشگوئی ہی مُراد نہیں بلکہ خاص کر اَور عام طور پر خُدا کی تعلیم مُراد ہے۔ نبوت کا اِسرائیل میں مستقل قیام اور دستور ہوگیا کیونکہ خدا نے سلسلۂ انبیاء قائم کیا۔ استثنا ۱۸: ۱۵، ۱۸، ۱۹ میں لکھا ہے کہ "خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں ہی میں سے میری مانند ایک نبی تیرے لئے برپا کرے گا تم اُس کی سُننا۔۔۔۔۔ میں اُن کے بھائیوں کے درمیان سے تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اَور جو کچھ میں اُس کو حکم دوں گا وہ اُن

سے وہ سب کہیگا اور جو انسان میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے کہے گا
نہیں مانے گا، میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔" یہاں "ایک نبی"
واحد وا بسیط جمع کے استعمال ہُوا ہے یعنی اجتماعی معنوں میں آیا ہے۔
اسی باب کی بیسویں سے بائیسویں آیت تک پڑھنے سے معلوم ہوجاتا
ہے کہ یہاں نبی سے صرف ایک نبی مُراد نہیں بلکہ سب انبیاء مراد ہیں جھوٹے
اور سچے نبیوں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اگر نبی کی بات پوری نہ ہو تو وہ جھوٹا
نبی ہے کیونکہ جو بات پوری نہیں ہوئی وہ خداوند کی کہی ہوئی نہیں تھی!
وہ خدا کی طرف سے جانے کی بجائے اور معبودوں کیطرف جانے کو کہے
تو وہ جھوٹا نبی ہوگا اور جس کی بات سچی نکلے اور وہ خداوند کیطرف لے
جانے والا ہو وہ سچا نبی ہوگا۔ پس "ایک نبی" سے انبیاء کا ایک
سلسلہ مُراد ہے۔ اسی طرح باب ۱۷ میں بادشاہت کا قیام بیان کیا
گیا ہے کہ جب تم میں بادشاہت قائم ہوگی اور تم اپنے بادشاہ اسرائیلی چُنا
کرنا لیکن شاہان اسرائیل کیلئے بھی واحد استعمال ہُوا ہے جو جمع کے
معنی دیتا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے کہ :-
"جسے خداوند تیرا خدا چن لے اُس کو تو اپنے اوپر بادشاہ بنانا
[illegible]
اجنبی آدمی کو جو تیرا بھائی نہیں ہے اپنے اوپر بادشاہ نہ بنانا۔"
تثنیہ شرع ۱۷/۱۵ پس اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو خداوند تیرا خدا
چُنا کرے گا اُسی کو تو اپنے اوپر بادشاہ بنایا کرنا۔ اسرائیلیوں ہی
کے درمیان سے اپنے اوپر بادشاہ قائم کیا کرنا۔ کسی غیر اسرائیلی کو
اپنے اوپر بادشاہ نہ بنایا کرنا یعنی غیر اسرائیلی کو اپنا بادشاہ کبھی نہ بنانا اور

ہرگز نہ بنانا اور جسطرح سترھویں باب میں ایک بادشاہ سے سلسلۂ شاہان
مُراد ہے اُسی طرح اٹھارہویں باب میں ایک نبی سے سلسلۂ انبیاء مُراد
ہے۔ اسی طرح ۱۔ سموئیل ۲/۳۵ میں ایک وفادار کاہن سے کاہنوں کا
سارا سلسلہ مراد ہے یعنی صادوق اور اس کی اولاد مُراد ہے جو بادشاہت
کے اختتام تک کہانت کی خدمت سرانجام دیتی رہی۔ اصل عبارت یہ
ہے کہ :- "میں اپنے لئے ایک وفادار کاہن برپا کروں گا جو میرے
دل اور رُوح کے موافق سب کچھ کرے گا اور میں اس کیلئے پائیدار
گھر بناؤں گا تو وہ کُل ایام میرے ممسوح کے آگے چلیگا۔" ۱۔سموئیل ۲/۳۵
اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے لئے وفادار کاہنوں کا ایک سلسلہ
برپا کروں گا اور وہ کاہن میرے دل اور میری رُوح کے موافق سب کچھ کیا
کریں گے اور میں کاہنوں کے اُس سلسلے اور اُن کے خاندان کو پائیداری
بخشوں گا تو وہ کاہن اسرائیلی بادشاہوں کے آگے ہمیشہ چلتے رہیں گے۔
میرے ممسوح سے اسرائیلی شاہان مُراد ہیں۔ پس خداوند نے بنی اسرائیل
کے درمیان انبیاء کا سلسلہ قائم کیا تھا۔

اسرائیلی انبیاء طرح طرح سے نبوی خدمت کو ادا کرتے تھے۔ ایک
صورت یہ تھی کہ وہ الہامی کتابیں لکھنے کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ چونکہ
یہ علم نبی ہوتا ہے۔ لہٰذا انبیاء عہد عتیق کی چھیالیس کی چھیالیس کتابیں
ضبط تحریر میں لائے۔ حضرت موسیٰ کے وقت سے لیکر خدا نے
یہ بندوبست کیا کہ لوگوں کی تعلیم کیلئے جو کچھ "موسیٰ کی گدی" سے
صادر ہوتا تھا وہ ایک ایسے عطیے کے ذریعے سے ضبط تحریر میں
لایا جاتا تھا جو نبوی الہام سے مشابہ اور اس کے ساتھ یکساں تھا

رکھتا تھا۔ یوں بائبل تصنیف ہوتی رہی۔

ہمیں یہاں عبرانی کلیسیا اور اُس کی بائبل سے سروکار نہیں بلکہ مسیحی کلیسیا اور بائبل سے سروکار ہے جس کا ایک حصہ تو اس نے یہودیت یا دیگر الہامی ماخذ یعنی عبرانی کلیسیا سے ورثہ میں پایا اور ایک حصہ مسیحی مکاشفہ اور تاریخ کے ذخیرے سے پیدا کیا یعنی اس کا ایک حصہ مسیحی مکاشفہ اور تاریخ ہے۔ اس کیلئے بھی وہی ربوبیت اور پروردگاری موجود ہوئی اور پچھلے زمانے سے بھی بڑھ کر ظاہر ہوئی جبکہ مسیح کی کلیسیا نے اپنی الٰہی رسالت کا کام یہودیہ سے لے کر زمین کی حدوں تک تمام قوموں میں جا کر سرانجام دینا شروع کر دیا۔ نفسیات کی رُو سے بھی یہ لایعنی ثابت ہوتا ہے کہ پنتیکوست کے فضل پر کسی کتاب کا حرف غالب آ جائے یا اس سے بڑھکر ہو یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ پنتیکوست کے فضل کی تقریر سے کوئی تحریر بڑھ کر ہو یا کسی تحریر کو اُس فضل سے کی جانے والی تقریروں پر ترجیح دی جائے۔ جو تقریریں پنتیکوست والے فضل کی مدد سے مسیح کے رسول رسولی زمانے میں سارا عرصہ کرتے رہے یعنی اپنی اپنی موت کے دم تک کرتے رہے وہ بہایت [illegible] پیدا [illegible] الٰہی [illegible] جبکہ اپنے آپ کو مسیح کے گواہ سمجھتے تھے تو زندہ تنظیم جو سچائی کا ستون اور بنیاد ہے بطور آواز کے کام کرتی تھی یعنی تقریر کے ذریعے سے کلام سُناتی تھی اور اس کے خدام تقریری کلام کے خادم تھے اور اس کلام سے وہ کلام مُراد ہے جو مُنہ سے بول کر کیا جاتا ہے۔

زندہ آواز مکاشفہ کے تحریری چشمے کے ساتھ ناموافق نہیں ہوتی۔ سچائی کے تحریری چشمے کے خاص فائدے ہیں اور وہ فوائد اسی سے

مخصوص ہیں یعنی وہ فوائد تحریری صورت ہی سے پہنچ سکتے ہیں۔ سچائی کا تحریری چشمہ اُس امانت کا غیر تغیر پذیر تعین ہے جو کلیسیا کے سپرد کیگئی پس کتاب مقدس کلیسیا کی میراث ہے اور یہ فی الحقیقت اُسکے نہایت بڑے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ زندہ کلام کی منادی کرتے وقت کلیسیا کو مُعیّنہ اور مقررہ متن کا سہارا حاصل ہوتا ہے پس کلیسیا کے پاس جو مکاشفہ یعنی کلام الٰہی موجود ہے وہ ترنت کی کونسل کے فرمودہ کے مطابق "لکھی ہوئی کتابوں اور نہ لکھی ہوئی روایتوں میں پایا جاتا ہے جو روایتیں خود مسیح ہی کے مُنہ اور رسولوں سے حاصل کی گئی تھیں اور جو رسولوں نے روح القدس کے حکم سے سکھائی تھیں اور وہ ہم تک دست بدست پہنچی ہیں"۔

ہمیں کتاب مقدس اور روایت کو دو مختلف ذخیرے نہیں سمجھنا چاہیئے جنہیں الٰہی سچائی کا پانی دو مختلف چشموں سے آتا ہو کشف شدہ یا مکشوف سچائی کا چشمہ ایک ہی ہے اور وہ روح القدس ہے مگر سالم سچائی دو صورتوں میں سالم سالم رکھی گئی ہے۔ خدا کا سارا کلام بائبل میں ہے اور سارا کلام روایت میں ہے۔ کسی نہ کسی طرح سے اور کسی نہ کسی صورت میں خدا کا سارا کلام بائبل میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ بائبل میں خدا کا کلام جزوی طور پر پایا جاتا ہے اور رسولی روایت میں بھی جزوی طور ہی میں پایا جاتا ہے۔ خدا کا سارا کلام جو بائبل میں ہے وہ اپنے معنے، مفہوم، تفسیر اور وضاحت کے ساتھ سارے کا سارا رسولی روایت ہے۔ پس رسولی روایت بائبل کی طرح مکمل کلام الٰہی ہے۔ ترنت کی کونسل نے یہ تعلیم ہرگز نہیں دی کہ بائبل اور روایت میں

کلام الٰہی جزوی صورتوں میں ہے۔ اُس نے تو یہ تعلیم دی تھی کہ خدا کا کلام دو صورتوں میں پایا جاتا ہے ایک صورت تو تحریری ہے اور دوسری غیر تحریری ہے۔

ترنت کی کونسل نے ۱۵۴۶ء میں ۸ فروری سے ۸ اپریل تک یعنی پورے دو ماہ تک بائبل اور روایت پر یعنی کلام الٰہی کے موضوع پر بحث کی۔ اُس میں بشپ صاحبان کے بڑے بحث و مباحثہ کے بعد کونسل اِس فیصلے پر پہنچی کہ بائبل اور رسولی روایت دونوں کی دونوں خدا کا کلام ہیں۔ چونکہ کونسل کے بعض علماء کی رائے یہ تھی کہ بائبل میں مکشوف کلام الٰہی کا ایک حصہ پایا جاتا ہے اور روایت میں بھی ایک حصہ پایا جاتا ہے۔ نہ بائبل خدا کا مکمل کلام ہے اور نہ روایت ہی مکمل کلام الٰہی ہے اور دیگر علماء یعنی اِس کونسل کے دیگر بشپ صاحبان یہ کہتے تھے کہ سالم کلام بائبل میں اور سالم ہی روایت میں ہے۔ پس کونسل اِس متنازعہ فیہ مسئلہ کو زیرِ فیصلہ نہ لائی یعنی اُس نے اِس بارے میں فیصلہ نہ کیا کہ آیا بائبل اور روایت میں سالم سالم کلام الٰہی ہے یا جزوی اور فیصلہ طلب امر یہ تھا بھی نہیں۔ فیصلہ طلب امر تو یہ تھا کہ آیا خدا کا کلام صرف ایک ہی صورت میں ہے یعنی تحریری صورت ہی میں ہے یا دو صورتوں میں ہے۔ پراٹسٹنٹ مسیحی روایت کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرتے تھے اور صرف بائبل ہی کو کلام الٰہی مانتے تھے پس فیصلہ طلب بات یہی تھی کہ آیا کلام الٰہی ایک ہی صورت میں ہے یا دو صورتوں میں ہے، یعنی تحریری اور تقریری صورتوں میں۔ پس کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ کلام الٰہی صرف تحریری صورت ہی میں نہیں بلکہ تحریری اور تقریری دو صورتوں میں ہے اور یہی مطلب

تھا اور یہ مسیحی مذہب کا بہت بڑا کمال ہے کہ کلام الٰہی صرف کتاب کے حروف ہی میں نہیں بلکہ کلیسیا کی زندہ آواز میں بھی ہے۔ خدا نے اپنی کتاب لکھوا کر یوں نہیں رہنے دیا کہ اِس کے معنے جسطرح کوئی چاہے اُلٹے سیدھے لگا سکے بلکہ تاکہ کلام الٰہی کا مقصد پورا ہو اور اُس کا صحیح مفہوم معلوم ہو خدا نے اپنا وہی کلام، مفہوم، تفسیر اور وضاحت کے ساتھ سارے کا سارا اپنی کلیسیا میں رکھا۔ اگر بائبل ہمارے ہاتھ میں ہو لیکن ہم اُسکی باتوں کا مطلب غلط سمجھیں تو وہ غلط مطلب کلام الٰہی نہیں ہوگا۔ کلام الٰہی تو صحیح مطلب ہے اور ہر بات کا صحیح مطلب کلیسیا کی زندہ آواز یا رسولی روایت میں پایا جاتا ہے مثلاً مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ کیا وہ حقیقی معنوں میں خدا کا بیٹا ہے یا مجازی معنوں میں؟ اگر وہ حقیقی معنوں میں خدا کا بیٹا ہے تو وہ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کیطرح محض مجازی معنوں میں خدا کا بیٹا ہے اُن کا یہ مطلب خدا کے کلام کو صحیح معنوں میں پیش نہیں کرتا بلکہ بالکل غلط معنی میں پیش کرتا ہے۔ پس اُن کا یہ مطلب کلام الٰہی پیش نہیں کرتا بلکہ اپنی تفسیر سے کلام شیطانی پیش کرتا ہے۔

کلیسیا میں رسولوں کے زمانے سے اِس کا یہ مفہوم چلا آتا ہے کہ مسیح مجازی معنی میں نہیں بلکہ حقیقی معنی میں خدا کا بیٹا ہے۔ جب کوئی شخص بائبل کی اِس بات کا مطلب یہ نکالتا ہے کہ مسیح صرف مجازی معنی میں خدا کا بیٹا ہے تو کلیسیا اپنی زندہ آواز سے رسولی روایت کے خزانے سے اِس کا مطلب یہ پیش کرتی ہے کہ وہ خدا کا حقیقی بیٹا ہے۔ پس اِس کی صحیح تفسیر رسولی روایت میں پائی جاتی ہے اِسی طرح تحریری کلام الٰہی میں باپ کو خدا۔ بیٹے کو خداوند اور روح القدس کو روح کہا گیا ہے اور خدا کو اِس

صُورت میں اور ایسی صُورت میں اِس لئے پیش کیا گیا ہے تاکہ تثلیث کے مکاشفے کے ابتدائی زمانے میں لوگوں کو مغالطہ نہ ہو اور وہ اِسے تین خدا نہ سمجھ لیں بلکہ تینوں کو ایک ہی خدا سمجھیں۔ توحید کی تعلیم کو قائم رکھنے اور غلط فہمی سے بچانے کیلئے اِن اقانیم الٰہی کو خدا، خداوند اور رُوح کہا لیکن خدا خداوند اور رُوح کہنے سے توحید کی تعلیم کو قائم رکھا اور تثلیث کی تعلیم کو کشف اور ظاہر کر دیا پس کلیسیا میں اِس کی وضاحت موجود ہے کہ خدا، خداوند اور رُوح ذاتِ الٰہی کے تین اقانیم ہیں محض باپ ہی خدا نہیں، خداوند اور رُوح بھی خدا ہیں۔ خداوند کا مطلب محض آقا یا کوئی بہت بڑا آدمی نہیں بلکہ اِس سے یہوواہ مراد ہے اور رُوح سے جبرائیل روح القدس مراد نہیں بلکہ خدا کا رُوح اور مسیح کا رُوح یعنی اُقنُومِ ثالث مراد ہے جو عین خدا اور کامل خدا ہے اور وہ محض کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ وہ فرشتہ ہے ہی نہیں وہ تو عین خدا ہے پس خداوند اور رُوح کی وضاحت تفسیر مفہوم اور مطلب رسُولی روایت میں پایا جاتا ہے جو کلیسیا اپنی زندہ آواز سے یعنی اپنی جیتی جاگتی آواز سے ظاہر فرماتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی صرف تحریری صورت ہی میں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ زندہ آواز کی صُورت میں بھی ہونا چاہیئے۔ سارا کلامِ الٰہی زندہ آواز کی صورت میں ہونا چاہیئے نہ کہ صرف چند باتیں ہی زندہ آواز کی صورت میں ہونا چاہئیں۔

بائیبل کی بعض باتیں مشکل ہیں بعض مُبہم ہیں اور بعض مختصر صورت میں پیش کی گئی ہیں۔ رسولی روایت مشکل کو آسان مُبہم کو صاف اور واضح اور مختصر کو مفصّل بنا دیتی ہے مثلاً بائیبل میں صاف اور واضح طور پر نہیں لکھا کہ مسیح میں دو مرضیاں ہیں الٰہی مرضی اور انسانی مرضی۔ لیکن گتسمنی باغ میں

جان کنی کے وقت جو مسیح نے فرمایا کہ میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پُوری ہو۔ یہاں دو مرضیوں کی تعلیم مُبہم نا صاف اور غیر واضح صورت میں دی گئی ہے۔ ایک تو اس کی اِلٰہی مرضی ہے جو اُس کی اور باپ کی ایک ہی ہے اور ایک ایسی مرضی ہے جس کو مسیح "**میری**" فرماتا ہے اور اُس کا "**تیری**" یا اِلٰہی مرضی سے اِمتیاز کرتا ہے پس اِس مقام میں صاف صاف تو نہیں لکھا کہ تیری اور میری اِلٰہی مرضی پوری ہو مگر میری انسانی مرضی پوری نہ ہو۔ یہی مُبہم کلام رسولی روایت اور کلیسیا کی زندہ آواز میں واضح صورت میں یُوں ہے کہ مسیح میں دو مرضیاں ہیں ایک اسکی اُلوہیت کی مرضی جسے اِلٰہی مرضی کہتے ہیں اور دُوسری اُس کی اِنسانیت کی مرضی جو اس کی اِنسانی مرضی کہلاتی ہے اور جب اُس نے "میری مرضی" کہا تھا تو یہ اُس نے اپنی اِنسانی مرضی کے بارے میں کہا تھا۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تعلیم بھی بائیبل میں واضح صورت میں نہیں ہے لیکن یہ تعلیم بائیبل میں ہے ضرور، مثلاً لکھا ہے کہ پہلے اپنی آنکھ سے شہتیر نکال اور پھر دوسرے کی آنکھ سے تنکا، جس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصور اور عیب ایسے بھی ہیں جو شہتیر کی مانند بڑے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو تنکے کی مانند چھوٹے ہیں لیکن مسیح نے یوُں نہیں فرمایا تھا کہ پہلے اپنے میں سے بڑے بڑے عیب یا کبیرہ گناہ دُور کر پھر دوسرے کے چھوٹے چھوٹے عیب یا صغیرہ گناہ دُور کرنے کی کوشش کر۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ تم مچھر چھانتے اور اونٹ نگل جاتے ہو یعنی قصور ایسے بھی ہیں جو مچھر کے حرام ہونے کی طرح چھوٹے ہیں یا مچھر کی طرح چھوٹے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو اُونٹ کی طرح بڑے ہیں۔ اِس فرمودہ میں قصوروں کے چھوٹے بڑے ہونے کی اِس لحاظ سے تعلیم دی گئی ہے کہ

یہودیوں میں اونٹ تو یقیناً حرام تھا لیکن مچھر کا حرام ہونا متنازعہ فیہ اور غیر یقینی تھا کیونکہ واضح طور پر نہیں لکھا کہ یہ حرام ہے یا حلال۔ بعض علماء اِسے حرام اور بعض حلال سمجھتے تھے پس مچھر جس کا حرام ہونا غیر یقینی تھا اُسے تو چھانتے تھے کہ کہیں یہ حرام چیز ہمارے اندر نہ چلی جائے لیکن اونٹ جو واضح طور پہ حرام تھا اس کو نِگل جاتے تھے۔ پس مچھر کا اپنے اندر لے جانا بہت چھوٹا قصور تھا کیونکہ اس کا حرام ہونا مشکوک تھا۔ توریت میں اِس کو نہ حرام لکھا ہے نہ حلال لیکن اونٹ کا نگل جانا بڑا قصور تھا کیونکہ اُس کا حرام ہونا واضح اور یقینی تھا۔ مچھر کا اپنے اندر لے جانا مچھر جتنا قصور تھا اور اونٹ کا نگل جانا اونٹ کے برابر قصور تھا۔ لہٰذا رسولی روایت میں اِس تعلیم کا پایا جانا بائبل ہی کی تعلیم کا واضح صورت میں پایا جانا ہے۔

بائبل میں صغیرہ گناہ کے پائے جانے سے صغیرہ سزا کے ہونے کے مقام کا نتیجہ نکلتا ہے۔ بائبل میں مختلف قصوروں کی سزا مختلف بیان کی گئی ہے لہٰذا سب قصور باہم برابر نہیں بلکہ جرم کے لحاظ سے مختلف اور چھوٹے بڑے ہیں تبھی تو سزا مختلف اور کم و بیش ہے پس آئندہ جہان [illegible] سزا اور معاف شدہ گناہوں کی باقی ماندہ تھوڑی سی سزا پانے کا مقام۔ ایسے مقام ہی کو اعراف کہتے ہیں "جس کا کام جل جائیگا وہ نقصان اُٹھائے گا لیکن خود بچ جائیگا مگر جلتے جلتے" ا۔کرنتھیوں $\frac{3}{15}$ یہ بھی اعراف کے مشابہ ہے اور اِس سے بھی اعراف کے ہونے پر کچھ روشنی پڑتی ہے کیونکہ اعراف میں بھی جلتے جلتے بچ جاتے ہیں۔

بعض باتیں تحریری کلامِ الٰہی میں مختصر سی صورت میں ہیں لیکن وہی

باتیں تقریری کلامِ الٰہی میں مفصل صورت میں ہیں مثلاً "میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیرے تخم اور عورت کے تخم کے درمیان عداوت ڈالوں گا وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اُس کی ایڑی پر کاٹے گا" پیدائش $\frac{3}{15}$ اِس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ سانپوں اور انسانوں میں دشمنی ہے۔ آدمی اُس کا سر کوٹتے ہیں اور وہ عموماً پاؤں کو ڈستا ہے۔ پرانے عہدنامے کے زمانے میں مغربی ایشیا کی اقوام میں مار پرستی یعنی سانپ کی پوجا پائی جاتی تھی۔ سانپ کو زرخیزی کا دیوتا مانا جاتا تھا۔ اِس کہانی کے ذریعے مارپرستی یعنی سانپ کی پوجا سے نفرت دلائی گئی ہے اور یہ سبق سکھایا گیا ہے کہ سانپ زرخیزی کا دیوتا نہیں یہ تو زرخیزی کے مقام سے یعنی باغِ عدن جیسی زرخیز جگہ سے نکلوانے والا ہے اور اِنسانوں کا زرخیزی بخشنے والا اور خیرخواہ نہیں بلکہ ڈسنے والا اور دشمن ہے۔ اِنسان کو اِس کا پوجنے والا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اِس کا سر کوٹنے والا ہونا چاہیئے اور اِنسان اِس کا سر کوٹے گا اِس سے اِنسان کی اِس پر فتح کا اظہار ہوتا ہے لیکن اِس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ خدا کی دوربین نظر میں عورت حضرۃ مریم ہے اور اُس کا تخم یا اس کی نسل یسوع مسیح ہے اور سانپ شیطان ہے، جسے اِس جہان کے لوگوں نے اپنا سردار بنا رکھا ہے اور بدی کے ذریعے سے فوائد حاصل کرتے ہیں اور بدی کے بھاگ لگانے سے دُنیا حاصل ہوتی ہے یعنی دُنیا کی زرخیزی حاصل ہوتی ہے۔

بُرے لوگوں کے لئے شیطان زرخیزی کا دیوتا ہے۔ وہ بُروں کا معبود ہے۔ بُری دُنیا نے اُسے اپنی بڑائی سے اور اس کی اِطاعت اور فرمانبرداری کرکے اِس جہان کا سردار بنا رکھا ہے مگر یسوع مسیح اُسکا

سر کچلتا ہے۔ تھوڑے سے عرصے کے لئے یسوع کی موت شیطان کا اُسے
ایڑی پر ڈسنا ہے۔ شیطان یسوع کا مقابلہ کرتا رہتا ہے اور اُسکے جلال کو
کچھ نہ کچھ نقصان پہنچاتا رہتا ہے۔ یہ اُس کا اُسے ایڑی پر ڈسنا ہے حضرت
مریم شیطان کی دشمن ہے کیونکہ اُسی سے اُس کا سر کچلنے والا پیدا ہوا اور
وہ نیک اور پاک رہی۔ اُس کا نیک اور پاک ہونا اور بے داغ ہونا ہی
شیطان سے دشمنی ہے۔

بائبل کے چند اور مقاموں میں صاف لکھا ہے کہ سانپ شیطان
ہے یعنی سانپ سے شیطان مراد ہے۔ سانپ پوجا یا مار پرستی شیطان پرستی
ہے۔ [illegible] جہاں کے لوگ مار پرستی یا شیطان پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔
جسطرح [illegible] مقام مختصر طور پر اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور دوسرے مقاموں
سے اس کی بابت زیادہ معلوم ہوتا ہے اسی طرح بعض باتیں جو بائبل میں
مختصر اور [illegible] صاف اور واضح [illegible]
مقدس میں لکھا ہے کہ قربانی کے برے کی کوئی ہڈی توڑی نہ جائے مقدس
یوحنا رسول اپنی انجیل میں فرماتا ہے کہ یہ مسیح کی تصلیب کے وقت اُس
کی ہڈی نہ توڑی جانے کی بھی علامت تھی۔ ایک تو یہ خداوندی یگانگت کی
علامت تھی اور دوسرے خدا کے برے کی تصلیب کے وقت ہڈی نہ
توڑی جانے کی علامت تھی اور جو شخص رات کے وقت حضرت یعقوب
سے کشتی لڑتا رہا تھا اُسے پیدائش کی کتاب میں تو خدا کہا گیا ہے لیکن ہوسیع
$\frac{۱۲}{۳-۴}$ میں لکھا ہے کہ "وہ اپنی توانائی کے ایام میں خدا سے کشتی لڑا۔
ہاں وہ فرشتہ سے کشتی لڑا اور غالب آیا"۔ کشتی لڑنا روحانی کشتی لڑنا
ہے یعنی وہ ساری رات خدا سے دعا مانگتا رہا اور اتنی سرگرمی سے

دُعا مانگی کہ وہ خدا سے برکت لینے میں کامیاب ہوا یہی اس کا غالب آنا ہے۔
راستبازوں کا راستبازی کرنا غالب ہونا ہے راستبازی کے کام میں کامیاب
ہونا ہی غالب آنا ہے ملاحظہ ہو:۔

"جو غالب آئے میں اُسے زندگی کے اُس درخت میں سے پھل
کھانے کو دُوں گا جو خدا کے فردوس میں ہے" مکاشفہ $\frac{۷}{۲}$۔ "جو غالب
آئے میں اُسے پوشیدہ من میں سے دُوں گا اور ایک سفید پتھر دُوں گا۔
اُس پتھر پر ایک نیا نام لکھا ہوا ہو گا جسے اُس کے پانے والے کے سوا
کوئی نہیں جانے گا" مکاشفہ $\frac{۲}{۱۷}$ "جو غالب آئے اور جو میرے کاموں
کے موافق آخر تک عمل کرے میں اُسے قوموں پر اختیار دُوں گا اور وہ لوہے
کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا جس طرح کہ کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے
ہیں چنانچہ میں نے بھی ایسا اختیار اپنے باپ سے پایا ہے اور میں اُسے
صبح کا ستارہ دُوں گا" مکاشفہ $\frac{۲}{۲۶-۲۸}$ "جو غالب آئے اُسے اسی طرح
سفید پوشاک پہنائی جائے گی اور میں اُس کا نام کتاب حیات سے ہرگز نہ مٹاؤں
گا بلکہ اپنے باپ اور اُس کے فرشتوں کے سامنے اُس کے نام کا
اقرار کروں گا" مکاشفہ $\frac{۳}{۵}$ "جو غالب آئے میں اُسے اپنے خدا کے
مقدس میں ایک ستون بناؤں گا وہ پھر کبھی باہر نہیں نکلے گا اور میں اپنے
خدا کا نام اور اپنے خدا کے شہر یعنی اُس نئے یروشلیم کا نام جو میرے خدا
کے پاس سے اُترنے والا ہے اور اپنا نام اُس پر لکھوں گا" مکاشفہ $\frac{۳}{۱۲}$
"جو غالب آئے میں اُسے اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھاؤں گا جس طرح میں
غالب آکر اپنے باپ کے ساتھ اُس کے تخت پر بیٹھ گیا" مکاشفہ $\frac{۳}{۲۱}$
پس غالب آنا فتح پانا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونا اور مسیح کے کاموں

کے موافق آخر تک عمل کرتا ہے پس وہ خدا سے کشتی لڑا ہاں فرشتے سے کشتی
لڑا اور غالب آیا اُس نے رو رو کر مناجات کی"۔ ہوسیع ۱۲: ۴ پس کشتی
لڑنا رو رو کر مناجات یا دُعا کرنا ہے ۔ فرشتہ خداوند کا فرشتہ یا خود خداوند
تھا ۔ پیدائش کی کتاب میں جہاں اِس کشتی کا بیان ہے وہاں اُسے پہلے آدمی
اور پھر خدا کہا گیا ہے پس ہوسیع کی کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کشتی
لڑنا رو رو کر دُعا کرنا یعنی بڑی سرگرمی اور بڑی منت وزاری سے دُعا
کرنا تھا ۔ یہاں خدا کا تحریری کلام خدا کے تحریری کلام کی وضاحت کرتا
ہے اور سانپ کو شیطان بتانے میں بھی تحریری کلام تحریری کلام کی وضاحت
کرتا ہے ۔ اِسی طرح خدا کا تقریری کلام بھی خدا کے تحریری کلام کی وضاحت
کرتا ہے ۔

عورت اور سانپ میں دشمنی کا ہونا حضرۃ مریم اور شیطان میں
دشمنی کا ہونا ہے اِس سے حضرۃ مریم کا معصوم ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جبرائیل
فرشتہ حضرۃ مریم کا لقب پُر فضل بیان کرتا ہے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ
ہمیشہ پُر فضل تھی یعنی وہ وجود میں آنے کے وقت ہی سے پُر فضل تھی اِس
سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بیداغ حمل میں لی گئی اور موروثی گناہ سے پاک
صاف پیدا ہوئی اور الزبتھ نے اُسے اپنے خداوند کی ماں کہا اِس سے
بھی اُس کا پاک ہونا یا اُس کی پاکیزگی اخذ ہوتی ہے ۔ بائیبل میں یہ بات
دھندلی سی ہے لیکن کلیسیا کی زندہ آواز میں یہ صاف اور واضح ہے اِسی
طرح " وہ اپنے قدوس کو سڑنے نہیں دیگا " غیر واضح اور دھندلا ہے
اُس مقام سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قدوس کون کون ہے جو سڑنے نہیں
پائے گا اور سڑنے نہیں پائے گا جب کہ وہ زندہ ہو جائے اور ہمیشہ

زندہ رہے ۔ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اور حضرۃ مریم معصوم ہیں لہذا
وہی قدوس ہیں اور وہ سڑنے نہیں پائیں گے بلکہ زندہ ہو کر ہمیشہ زندہ
رہیں گے ۔ یہاں لفظ قدوس اُسی طرح جمع کے معنی دیتا ہے جسطرح یہ فقرہ
جمع کے معنی دیتا ہے کہ جو طالب علم محنت کرے گا وہ پاس ہوگا یعنی جو طلباء
محنت کریں گے وہ پاس ہونگے اِسی طرح اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ جو خدا کے
قدوس ہوں گے وہ گلنے سڑنے نہیں پائیں گے ۔ یسوع مسیح اور حضرۃ مریم خدا
کے قدوس ہوئے ہیں پس وہ گلنے سڑنے کو نہیں تھے لہذا وہ زندہ ہو جانے
اور جی اُٹھ کر زندہ رہنے کو تھے اور زندہ ہو کر ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اُن کا
آسمان پر جانا بھی پایا جاتا ہے ۔ پس جو بات اِس مقام میں دھندلی ہے
وہ انجیل مقدس میں مسیح کے بارے میں صاف اور واضح ہے اور حضرۃ مریم
کے بارے میں کلیسیا کی زندہ آواز میں صاف اور واضح ہے اور یوں ساری تعلیم
بائیبل میں ہے اور ساری تعلیم کلیسیا کی زندہ آواز میں بھی ہے یعنی بائیبل خدا
کا مکمل کلام ہے اور رسولی روایت بھی خدا کا مکمل کلام ہے ۔

الٰہی روایت کشف شدہ الٰہی سچائی کا وہ مجموعہ ہے جو زمانوں کے
دوران رسولوں سے دست بدست اور سینہ بسینہ ہم تک پہنچا ہے اور
مسیحی کلیسیا کی تعلیم و تدریس اور عمل میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ الٰہی مکاشفہ
مسیح سے پہلے اور اس کے بعد ضبط تحریر میں بھی آیا اِس لئے کلیسیا کے
پاس اِس مکاشفہ کے دو خزانے ہیں یعنی زبانی روایت کا خزانہ اور کتاب
مقدس کا خزانہ ۔ کتاب مقدس الٰہی مکاشفہ کی تحریر ہے ۔ یہ خدا کا تحریری
الہامی کلام ہے اِس کی خاص خاصیت اور اہمیت یہ ہے کہ " یہ ایک چٹھی
ہے جو ہمارے آسمانی باپ نے لکھی یعنی جو ہمارے آسمانی باپ کی طرف

سے ہے اور پاک مصنفین نے لکھ کر انسانی نسل کو پہنچائی جو یہاں مسافر ہے اور اپنے آسمانی وطن سے بہت دور ہے"۔ یہ اقتباس مقدس یوحنا کریزاسٹم یا جان خرُدسوستمس کا فرمودہ ہے۔ خرُدسوستمس کا معنی سونے کے منہ والا یا زرّیں دہن ہے۔

کلیسیا میں بائیبل کا ایک مقام یہ ہے کہ یہ خدا کا مکمل کلام ہے۔ سولہویں صدی میں جب پراٹسٹنٹ مسیحی وجود پذیر ہوئے اور انہوں نے اپنا یہ نظریہ پیش کرنا شروع کیا کہ بائیبل اور صرف بائیبل ہی کافی ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ بائیبل کے ہمارے ہاتھوں میں ہوتے ہوئے کلیسیا اور رسولی روایت کی ضرورت نہیں تو کیتھولک مناظرین نے اُن کے اس نظریے کو رد کرتے اور کلیسیا اور روایت کی ضرورت ثابت کرنے کیلئے یہ نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا کہ بائیبل نامکمل کلام ہے اور اس کی اس کمی کو روایت پورا کرتی ہے۔ اُن مناظرین میں سے اکثروں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ بائیبل اور روایت فرداً فرداً دونوں نامکمل ہیں اور دونوں کے مل کر ایک ہونے سے خدا کا مکمل کلام بنتا ہے یعنی خدا کے کلام کا ایک جزو بائیبل میں ہے اور دوسرا جزو روایت میں۔ یہ نظریہ پراٹسٹنٹ مسیحیت کے وجود پذیر ہونے سے کچھ عرصہ پہلے بھی خال خال پایا جاتا تھا لیکن جن دنوں پراٹسٹنٹ مسیحیوں کے ساتھ بحث زوروں پر تھی ان دنوں میں بھی ایسے کیتھولک الٰہیات دان موجود تھے جو بائیبل کو خدا کا مکمل کلام سمجھتے تھے اور ترنت کی کونسل کے کچھ شرکاء کی رائے یہی تھی کہ بائیبل خدا کا مکمل کلام ہے اور اس نظریے کے حامی اُس کونسل کے بشپ آرچ بشپ اور کارڈینل تھے۔ اس کونسل میں شریک ہونیوالے قریباً سب کے سب بشپ تھے اور شاذ و نادر ہی کوئی ایسا

الٰہیات دان ہوگا جو بشپ نہ ہو بلکہ اس سے ادنےٰ درجے کا کلیسیائی عہدیدار ہو۔ بائیبل کے مکمل کلام الٰہی ہونے کا نظریہ ترنت کی کونسل میں اور اُس سے پہلے کے پراٹسٹنٹ مسیحیت کے زمانے میں اور پراٹسٹنٹ مسیحیت کے وجود پذیر ہونے سے پہلے کے ہر زمانے میں پایا جاتا رہا ہے۔ ہر زمانے میں ایسے الٰہیات دان ہوتے آئے ہیں جو بائیبل کو مکمل کلام الٰہی سمجھتے اور مانتے تھے۔

ترنت کی کونسل کے بعد بائیبل کے نامکمل کلام الٰہی ہونے کا نظریہ پھیلنے لگا اور اس کے حامی اسے ترنت کی کونسل سے منسوب کرتے رہے حالانکہ ترنت کی کونسل نے یہ فیصلہ ہرگز نہیں کیا تھا کہ بائیبل خدا کا نامکمل کلام ہے۔ اس نے تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ بائیبل اور رسولی روایت دونوں خدا کا کلام ہیں۔ اسمیں نہ نامکمل کا لفظ آتا ہے اور نہ مکمل کا مگر نامکمل ہونے کے نظریے کے حامی اس کا یہ مطلب نکالتے تھے لیکن یہ مطلب غلط تھا۔

ویٹیکن کی دوسری کونسل کے بعد بائیبل کے مکمل کلام الٰہی ہونے کا نظریہ پھر مقبول ہونا اور پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اس سچے نظریے کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہو جائے گی جیسی بائیبل کے مکمل کلام الٰہی ہونے کا قدیم کیتھولک نظریہ پھر بحال ہو جائے گا۔ بائیبل کے نامکمل کلام الٰہی ہونے کے نظریے نے چار سو سال کی عمر پائی ہے۔ مسیحیت کے بے شمار کمالات میں سے ایک نہایت بڑا کمال یہ ہے کہ اسکی مقدس کتاب ہی کلام الٰہی نہیں بلکہ اس کی مقدس کتاب کی تفسیر وضاحت اور اشاعت کرنے والی زندہ آواز کی تعلیم یا روایت بھی کلام الٰہی ہے۔ مسیحی مذہب کا یہ کمال بے مثل ہے کیونکہ ایسا اور کہیں نہیں ہے۔

ربانی روایت اور کتابِ مقدس کی دونوں ندیاں آپس میں مل جاتی ہیں کیونکہ کلیسیا کی زندہ معلمی اور اُستادی اور بائبل کے پانی ہمیشہ کی زندگی کیلئے اکٹھے بہتے ہیں۔ کلیسیا جس کے ہاتھوں میں روایت ہے وہی کتابِ مقدس کے الفاظ میں جان ڈالتی ہے۔ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ کلیسیا ہی کی زندگی میں جو کہ مسیح کی دُلہن ہے۔ خدا کا الہامی کلام بائبل مقدس "زندہ اور مؤثر اور دو دھاری تلوار سے بھی زیادہ تیز" ہو جاتا ہے۔ عبرانیوں ۴/۱۲۔

چونکہ بائبل ہی وہ واحد چشمہ اور خزانہ نہیں جہاں سے مکاشفہ کی سچائیاں حاصل کرنا چاہئیں اِس لئے ٹرنٹ کی مجلس کے بزرگانِ دین نے ان لوگوں کے دعویٰ کو کھلم کھلا رد کر دیا جو صرف بائبل ہی کو کلامِ الٰہی تسلیم کرتے تھے اور صرف اِسے ہی تعلیمِ الٰہی کا واحد چشمہ قبول کرتے تھے اور روایت کو رد کرتے تھے اور کلیسیائی تفسیر کی بجائے شخصی تفسیر کو جگہ دیتے تھے۔ بائبل میں سے جن باتوں کو سمجھانے کا کلیسیا کو اختیار دیا گیا ہے وہ ایمان اور اخلاق کے مسائل ہیں۔ ایمان اور اخلاق ہی مذہب ہے اور یہی مسیحی تعلیم کی ساخت اور تعمیر کے لئے موزوں اور مناسب ہیں۔ اِن سچائیوں کے بارے میں بائبل اور روایت کا اختیار یکساں ہے اِن دونوں میں سے اِس امر کیلئے سند ہوتی ہے کہ کوئی مسئلہ الٰہی رسولی روایت میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا کہ کلیسیا بائبل کی تعلیم کو اُس کے صحیح معنوں اور صحیح صورت میں پیش کرنے کیلئے مسیح کی زندہ آواز ہے اور اِس لئے یہ اکیلی اور تنہا ہی الہامی کلام کی لاخطا مفسّر ہوتی ہے جبکہ کسی بات کے بارے میں بااختیار تفسیر مطلوب ہوتی ہے۔

علاوہ اِس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ بائبل سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ ساری بائبل کس قدر ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ بائبل کی حدود بائبل میں مذکور نہیں ہیں یعنی بائبل میں اِس کے مشتملات یا اِس کی کتابوں کی الہام سے دی ہوئی فہرست نہیں پائی جاتی کہ یہ کتاب کس قدر ہے کوئی بھی الہامی مانی جانے والی کتاب نہیں بتاتی یعنی اِس بارے میں جو حال بائبل کا ہے یہی حال وید، ژند اوستا، تری پٹاکا، گرنتھ صاحب اور قرآن مجید کا ہے۔ کسی مذہب کی کتابِ مقدس اپنی حدود یا اپنے مشتملات بیان نہیں کرتی مثلاً بائبل میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ کلامِ الٰہی کی آخری بات یہ ہے اور اسی لئے سب باتوں کے آخر میں مندرج ہے کہ خداوند خدا فرماتا ہے کہ کتبِ الہامی کے مجموعے میں یہ کتابیں شامل ہیں :- پیدائش، خروج، احبار وغیرہ۔ اِسی طرح قرآن مجید میں بھی یہ کہیں نہیں لکھا کہ تو کہہ کہ قرآن کی سورتیں ۱۱۴ ہیں اور وہ یہ ہیں :- سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ، سورۃ آلِ عمران وغیرہ۔ پھر اِن کی ہر قرأت یعنی ہر ایک فقرے اور ایک ایک لفظ اور اُس کے ہجے کی بھی تصدیق ہونا چاہئیے۔ اِس کام کو سرانجام دینے کے لئے کئی انبیاء کو مبعوث اور برپا کرنا ہوگا جن کا کام کتاب کتاب، فقرے فقرے، لفظ لفظ اور ہر لفظ کے ہجے اور کتاب میں جو ترتیب پائی جاتی ہے اُس کی تصدیق کرنا ہوگی کہ یہ یہ کتاب اور اُس کے یہ یہ فقرے اور یہ یہ الفاظ اور یہ یہ ہجے خدا کی طرف سے ہیں اور اِن کتابوں کی ترتیب یہ ہے اور اِس تصدیق کرنے والے الہامی کلام کی بھی تصدیق ہونا چاہئیے اور پھر اُس کی بھی الہامی تصدیق ہونا چاہئیے اور یوں ایک لامتناہی سلسلہ ہونا چاہئیے اور لامتناہی سلسلہ ہوگا اِسی طرح قرآن مجید میں بھی یُوں

نہیں آیا کہ تُو کہہ کہ قرآن مجید کی سورتیں ۱۱۴ ہیں۔ اُن کے نام یہ یہ ہیں اُن کی
کتابی ترتیب یہ ہے۔ ان کے فقرات اور الفاظ کے ہجے یہ ہیں۔
ایسا نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہُوا ہے۔ اِتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ بائبل کلام
الٰہی ہے اور قرآن وحی سے مِلا ہے اِس لئے کہ اِتنا کہہ دینے کے علاوہ
پھر بھی یہ معلوم کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ بائبل کیا ہے اور قرآن کیا ہے یا یہ
کہ بائبل اور قرآن کی حدود کی تعیین کیجائے کہ یہ یہ کتاب بائبل ہے اور
یہ یہ سُورۃ قرآن ہے۔ یہ کام مقدس کتابیں خود نہیں کرتیں اور نہ سُورتیں
ہی کرتی ہیں بلکہ آدمی کرتے ہیں۔ بائبل کی حدود کو جاننے ماننے اور اُن کی
تعیین کرنے کیلئے خدا نے اپنی کلیسیا مقرر کی ہے اُس کی تعلیم خدا کی تعلیم ہے
اور اُس کے تعلیمی فیصلے بھی خدا کی تعلیم ہے۔ بائبل کی حدود کا معین کرنا یعنی
یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں فلاں کتاب الہامی ہے یہ فیصلہ خدا کی تعلیم ہے جس طرح جو
تعلیم انبیاء اور پیغمبر اور رسول دیتے تھے وہ تعلیم خدا کی تعلیم ہے کیونکہ کلیسیا
مسیح کی زندہ آواز ہے پس اِس بات کا پتہ کلیسیا ہی سے لگ سکتا ہے کہ کونسی
کتابیں الہامی ہیں۔

بائبل سے تحریری کلام کے بارے میں دُھندلا سا اور کچھ کچھ پتہ چلتا
ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے بعض آدمیوں کو لکھنے کا حکم دیا
اور بعض خاص حصے لکھنے کا حکم دیا لیکن وضاحت کے ساتھ سارے تحریری
کلامِ الٰہی کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ پتہ کلیسیا ہی سے یعنی مسیح کی زندہ آواز ہی سے
چلتا ہے۔ پس بائبل کی الہامی کتابوں کی یقینی فہرست کلیسیا ہی مقرر کر سکتی
ہے۔ کلیسیا ہی ہے جس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ الہامی کتابیں کون کون سی
ہیں۔ یاد رہے کہ جو کتاب واقعی الہامی ہو کلیسیا اُسی کے الہامی ہونے کا

اعلان کرتی ہے۔ خدا کی کلیسیا کسی غیر الہامی کتاب کو الہامی قرار نہیں دیتی اور
نہ کوئی غیر الہامی کتاب الہامی بن سکتی ہے۔ کلیسیا الہامی کتاب ہی کو الہامی قرار
دیتی ہے اور کسی غیر الہامی کتاب کو ہرگز الہامی قرار نہیں دیتی۔ نہ کلیسیا کسی
غیر الہامی کتاب کو الہامی کہتی ہے اور نہ وہ کلیسیا کے کہنے سے الہامی بن
سکتی ہے اور نہ کلیسیا ایسا کہہ سکتی ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس کتاب
کو رُوح القدس نے نہ لکھوایا ہو اُسکے بارے میں کلیسیا کہدے کہ یہ کتاب رُوح القدس کی ہے اور
پھر رُوح القدس پچھتائے کہ اچھا میری ہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کلیسیا اُسی کتاب کو رُوح القدس
کی کتاب کہتی ہے جو فی الواقع روح القدس نے لکھوائی ہو۔ کلیسیا سچائی
اور حق کا ستون ہے۔ کلیسیا کا کام سچائی کی تعلیم دینا ہے اور کسی غیر الہامی
کتاب کو الہامی قرار دینا سچائی کی تعلیم نہیں بلکہ جھوٹ کی تعلیم ہے۔ الہامی کتابیں
روح القدس کے الہام سے لکھی جانے کے باعث الہامی ہیں نہ کہ کلیسیا
کے انہیں الہامی قرار دینے کے باعث الہامی ہیں۔

خدا نے جن کتابوں کو الہام سے لکھوایا اُس نے اُن کے بارے میں
کلیسیا پر ظاہر اور روشن کر دیا کہ فلاں فلاں کتاب الہامی ہے اگر خدا یہ ظاہر نہ کرے
کہ کون کونسی کتاب الہامی ہے تو اُن کے بارے میں یقینی علم نہیں ہو سکتا اور
بعض اصلی کتابیں الہامی مجموعے سے باہر رہ سکتی ہیں اور جعلی اس میں شامل
ہو سکتی ہیں جس طرح خدا نے اپنے کلام کے قیام کے لئے اس کا لکھا جانا
ضروری سمجھا اُسی طرح اہلِ خدا پر اُن الہامی کتابوں کا الہامی ہونا ظاہر کرنا بھی
ضروری سمجھا۔ الہامی کتابوں کے وجود کی حقیقت سے یہ حقیقت خود بخود ظاہر
ہو جاتی ہے کہ یہ بھی ازبس لازمی اور ضروری ہے کہ اہلِ خدا پر ظاہر کر دیا جائے
کہ کون کون سی کتاب الہامی ہے۔ اِن کا الہامی ہونا ظاہر نہ کرنا بذاتِ خود نامعقول

اور احمقانہ بات ہے جو خدا کے ذِمّے نہیں لگائی جا سکتی۔ الہامی کتابوں کو لکھانا اور اُن کا الہامی ہونا ظاہر نہ کرنا فضول عبث اور نا معقول ہے پس الہامی کتابیں لکھوا کر اِن خدا پر اُن کا الہامی ہونا ظاہر کرنا قطعاً لازمی ہے لہٰذا کلیسیا نے خدا کے طریقۂ کار کی مطابقت میں جانچ پڑتال کر کے اور پوری پوری چھان بین کر کے خدا کی امداد اور روشنی سے ٹھیک ٹھیک معلوم کر لیا کہ کون کون سی کتاب الہامی ہے پس کلیسیا اُسی کتاب کو الہامی قرار دیتی ہے جو خدا نے فی الواقع الہام سے لکھوائی ہو۔ مسیحی مذہب کا یہ بھی ایک بے مثال کمال ہے کہ اِس کی مقدس کتاب کی کتابوں کے الہامی ہونے کا فیصلہ کرنے والی وہ کلیسیا ہے جو سچائی اور حق کا ستون ہے اور جس کی زندہ آواز بمنزلہ خدا کی آواز کے ہے اور اس کا فیصلہ خدا کیطرف سے ہوتا ہے۔

دُوسری طرف یہ بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ بائیبل میں جس جس بات کا بیان ہوا ہے کلیسیا کو اُن سب کے سکھانے کا براہِ راست اور بلاواسطہ اختیار نہیں مثلاً یہ کہ ابراہیم حبرون میں رہتا تھا۔ کسی بزرگ کا حبرون میں رہنا بذاتِ خود مسیحی تعلیم کی ساخت میں شامل نہیں ہے کیونکہ مسیحی تعلیم تو اِنسان کی ایمان اور نیک کاموں کے ذریعے سے بہشت کی خوشی حاصل کرنے کیلئے رہنمائی کرتی ہے۔ کلیسیا کی لاخطائی صرف ایمان اور اخلاق کی ان سب ضروری باتوں سے متعلق ہے جو اِنسان کو بہشت کی طرف لیجاتی ہیں لیکن بائیبل کی لاخطائی اُن سب باتوں کے بارے میں ہے جنہیں بائیبل سچائی کے طور پر پیش کرتی ہے تاہم یہ خیال کرنا بھی غلطی ہوگی کہ کلیسیا کا ابراہیم کے حبرون میں رہنے کی حقیقت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں اور کسی قسم کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ بات بائیبل میں بیان کی گئی ہے اور اِس لئے لاخطا طور پر

صحیح ہے چونکہ کلیسیا بائیبل کی لاخطائی کی معتقد اور حامی ہے اِس لئے اُسے یہ حق حاصل ہے کہ بائیبل کی کسی مستند بات کے انکار کو رَدّ کرے یعنی جس بات کو بائیبل بطور سچائی کے پیش کرتی ہے اگر کوئی شخص اُس بات کا انکار کرے تو کلیسیا اُس کے خلاف فتویٰ دینے کا حق رکھتی ہے کہ یہ شخص اِس بات کا انکار کرنے کے بارے میں حق بجانب نہیں ہے بلکہ غلطی پر ہے۔ دوسری طرف یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ کوئی ثانوی حقیقت یعنی دوسرے درجے کی سچائی جیسے مذکورہ بالا مثال میں آبائی تاریخ کی رُو سے کسی بزرگ کا مقامِ رہائش براہِ راست مثبت لاخطا تعریف کا معاملہ نہیں ہو سکتا یعنی ایسی معمولی اور غیر ضروری باتوں کے بارے میں کلیسیا لاخطا فیصلہ نہیں کرتی لیکن اگر کبھی ایسی بات کو ایسی صورت دیدی جائے کہ وہ اہم معاملہ بن جائے اور اہم صورت اختیار کر لے تو اُس صورت میں کلیسیا کی رہنمائی لاخطا رہنمائی ہوگی مثلاً کلیسیا کا یہ کام نہیں کہ وہ اِس بارے میں لاخطا فیصلہ کرے کہ اِنسان براہِ راست پیدا کیا گیا تھا یا ارتقا کی منازل طے کرتے ہوئے کسی حیوان سے پیدا ہوا لیکن اگر مسئلۂ ارتقا کی بناء پر یہ سکھایا جائے کہ اِنسان بھی محض حیوان ہی ہے اور دوسرے حیوانوں کیطرح اِس میں بھی صرف جان ہی ہے اور غیر فانی روح نہیں ہے اور اِس وجہ سے اِنسان بھی دوسرے حیوانوں کیطرح بہشت کیلئے پیدا نہیں کیا گیا ہے تو یہاں کلیسیا دخل دے گی۔ اِنسان کا براہِ راست پیدا ہونا یا ارتقا کے مطابق پیدا ہونا غیر مذہبی غیر اہم، اور غیر ضروری بات ہے لیکن ارتقا کی بناء پر اِنسان میں غیر فانی روح کا نہ ہونا اور اِنسان کا بہشت کیلئے پیدا نہ ہونا ماننا اہم بات بن جاتی ہے اِس صورت میں کلیسیا کیلئے لاخطا رہنمائی کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اِنسان کو تو خدا ہی نے پیدا کیا ہے یہ سچائی کا اوّل درجہ ہے لیکن آیا اُس نے اِسے براہِ راست پیدا

کیا ہے یا ارتقا کبصورت میں پیدا کیا ہے یہ ثانوی یا دوسرے درجے کی سچائی
ہے اور اس کا جاننا اور ماننا لازمی نہیں ہے لیکن خدا کا خالق ہونا درجۂ اوّل
کی مذہبی سچائی ہے اور اِسے جاننا اور ماننا لازمی اور لابدی ہے۔ خدا
کے خالق ہونے کا معاملہ یہ چاہتا ہے کہ کلیسیا اِس کے بارے میں براہِ راست
مثبت تعلیم دے اور یہ تعلیم ضرور دے پس اِس کے بارے میں تعلیم دینے اور فیصلہ کرنے
کا معاملہ براہِ راست مثبت تعریف کرنے کا معاملہ ہے کیونکہ مذہبی سچائیاں
سکھانا اور ان کی وضاحت کرنا کلیسیا کا وہ کام ہے جو اُسے براہِ راست کرنا
ہے۔ اِس لئے خدا کے خالق ہونے اور انسانی رُوح کے غیر فانی ہونے کا
معاملہ براہِ راست تعلیم دینے یا براہِ راست مثبت تعریف کرنے کا معاملہ ہے۔
ایمان اور اخلاق کے بارے میں کلیسیا کا کام اس کا براہِ راست کام
یا ضروری کام ہے پس ایمانی اور اخلاقی سچائیوں یعنی مذہبی سچائیوں کے بارے
میں کلیسیا کا صاف صاف اور واضح اور لازمی طور پر تعلیم دینا براہِ راست تعلیم
دینے یا براہِ راست مثبت تعریف کرنے کا معاملہ ہے لیکن اِنسان کا براہِ راست
پیدا ہونا یا ارتقا کی صورت میں پیدا ہونا براہِ راست مثبت تعریف کا معاملہ
نہیں کیونکہ یہ براہِ راست مثبت تعلیم دینے کا معاملہ نہیں یعنی کلیسیا کا یہ کام
نہیں کہ وہ یہ تعلیم دے کہ انسان ضرور براہِ راست پیدا کیا گیا ہے اور نہ اِس
کا کام یہ ہے کہ یہ یہ تعلیم دے کہ اِنسان ضرور بصورتِ ارتقا پیدا کیا گیا ہے
بلکہ اِس کا کام یہ ہے کہ یہ براہِ راست یہ مثبت تعلیم دے کہ خدا ہی انسان
اور ہر چیز کا خالق ہے اور انسان میں غیر فانی روح ہے۔ کلیسیا کو جو کام کرنا
براہِ راست تفویض یا سپرد کیا گیا ہے وہی کام براہِ راست کرنے کا کام ہے
یہ ہے براہِ راست مثبت تعریف کا معاملہ ہونے یا نہ ہونے کا مطلب۔

ب۔ مُطالعۂ بائبل

چونکہ بائبل مقدس بے حد پیار کرنے والے پروردگار کی چٹھی ہے جو بنی
نوعِ انسان کے کمالیت حاصل کرنے کیلئے اس کی رہنمائی کرتی ہے اِس سے
ظاہر ہے کہ اِس کے مطالعہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ کتابِ مقدس کا مطالعہ کرنے
والے کو روحانی فائدہ حاصل ہو یعنی ہمیں اِس میں اس کے رُوحانی پیغام کی
جستجو کرنا چاہیئے اور پھر اُسے اپنے کام میں لانا چاہیئے کہ وہ ہم پر اثرانداز
ہو یعنی وہ پیغام ہماری زندگی بن جائے۔ اگر پیغامِ الٰہی ہماری زندگی کا جزو
نہ بنے تو اُس کے مطالعہ کا کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے پیغام کے ہر سبق کو ایمانی
اخلاقی اور عبادتی صورت میں پڑھنا چاہیئے اور یوں بائبل کے پیغام کو اپنی
سیرت بنا لینا چاہیئے اور ہر مسیحی کو بولتی چالتی چلتی پھرتی اور عمل کرتی بائبل
بن جانا چاہیئے۔ اُسے ایمان کو ماننے والا ہونا چاہیئے اور ایمان سے معمور
ہونا چاہیئے۔ اُخلاقی اعمال یعنی نیکیوں سے ملبوس ہونا چاہیئے اور عبادتِ
الٰہی میں سرشار رہنا چاہیئے۔ بائبل کا اِسطرح کا مطالعہ نہایت اعلےٰ درجے
کا مطالعہ ہوتا ہے۔ اِس قسم کا مطالعہ اپنی کامیابی کیلئے ہمیشہ خدا کے
فضل کا محتاج ہوتا ہے یعنی بائبل کا ایسا مطالعہ خدا کے فضل ہی سے ہو سکتا
ہے۔ یہ کم و بیش بائبل کے اس مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے جسے بائبل
کا ماہرانہ اور محققانہ مطالعہ کہتے ہیں۔ اس محققانہ اور ماہرانہ مطالعہ کی
غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ بائبل کے متن کے معنی کو دنیاوی علوم
مثلاً لسانیات یعنی علم الالسنہ یا زبانوں کے علم اور علمِ آثارِ قدیمہ کی
مدد سے اور دینی علم مثلاً کلیسیائی روایت کی مدد سے واضح کیا جائے۔

محض محققانہ اور ماہرانہ مطالعۂ بائیبل، بائیبلی معاملات میں بڑی منزلت اور قدر و قیمت والا ہے لیکن اِس بات کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ اِس نثر کے مطالعہ کا درجہ اس مطالعہ سے کم تر ہے جو رُوح کے فائدے کی خاطر کیا جاتا ہے۔ محققانہ ماہرانہ اور علمی مطالعہ یعنی سائنٹیفک مطالعہ صرف تبھی مفید ہو سکتا ہے جبکہ یہ بائیبل کی روحانی باتوں کو زیادہ واضح کرے اور اِس مطالعے سے بائیبل کی روحانی باتوں کا حصول زیادہ آسان ہوجائے۔ کسی عبارت کی لسانیاتی توضیح یا ادبی تجزیہ اُس مقام یا عبارت کو روحانی سطح تک بلند کر سکتا ہے بشرطیکہ توضیح کرنے والا اُسے اُس کے روحانی درجے تک بلند کرنا چاہے لیکن یہ محققانہ طریقۂ مطالعہ بذاتِ خود کوئی روحانی قدر و قیمت نہیں رکھتا، مثلاً اناجیل متفقہ یعنی پہلی تین اناجیل کی مطابقت موافقت یا اتفاق اور ساخت کا مسئلہ یعنی یہ کہ یہ تینوں انجیلیں باہم کس قدر مطابق موافق یا متفق ہیں اور کس طرح تصنیف کی گئیں اور توریتِ مقدس کن کن ماخذوں سے تالیف کی گئی ایسی تحقیق میں کیا روحانیت رکھی ہے۔ اِس تحقیق میں ویسے ہی کوئی روحانیت نہیں پائی جاتی جیسے اِس تحقیق میں کوئی روحانیت نہیں ہے کہ آیا شیکسپیئر کے ڈراموں کا مصنف ولیم شیکسپیئر ہی ہے یا نہیں ہے لیکن بائیبل کے مضامین اپنے کلمات کے ماخذ کے لحاظ سے بعید اعلیٰ و ارفع ہیں کیونکہ اِن کا خاص ماخذ اور مصنف خدا ہے۔

ج - مقامِ بائیبل کے موضوع کے عنوانات

اب ہم اِس موضوع کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کریں گے:-

ا- بائیبل روحانی کمال اور پاکیزگی کی کتاب ہے۔
ب- بائیبل کے لئے کلیسیا کی محبت۔
(۱) کلیسیا کا استعمال بائیبل۔
۱- مسیح کے زمانے میں۔
۲- رسولی زمانے میں۔
۳- ابتدائی صدیوں میں
۴- تاریک زمانوں میں۔
۵- وسطی زمانوں میں۔
۶- موجودہ زمانے میں۔
(۲) بائیبل کے شخصی مطالعہ کی تاریخ۔
(۳) تفسیر کی مختصر تاریخ۔
(۴) زمانۂ حاضرہ کے بائیبل کے کیتھولک مطالعہ کا رُخ۔
۱- بیانِ عامہ
۲- بائیبل کے بارے میں زمانۂ حاضرہ میں کیتھولک میدانِ عمل اور سرگرمیاں۔
۳- غیر کیتھولک علمیت کا کارِ نمایاں یا کارنامہ۔
ج- بائیبل کلیسیا ہی کی خاص اور بلا شرکتِ غیرے ملکیت ہے۔
د- اِشاعتِ بائیبل کے بارے میں ضمیمہ۔



۱۔ بائبل رُوحانی کمال اور پاکیزگی کی کتاب ہے

سب مسیحیوں کو بائبل سے بخوبی واقفیت ہونا چاہیئے اِس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اِس سے اُن کی شخصی پاکیزگی ترقی پاتی ہے کیونکہ بائبل سے ناواقف ہونا مسیح سے ناواقف ہونا ہے اور ذاتی تقدس مسیح سے حاصل ہوتا ہے۔

"ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے تعلیم اور تنبیہ اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کیلئے فائدہ مند ہے تاکہ مردِ خدا کامل بنے اور ہر نیک کام کے لئے بالکل تیار ہو جائے" ۲۔تیمتھیس ۳: ۱۶-۱۷۔ مقدس پولوس رسول کے اِن کلمات سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا نے مقدس کتاب مسیحی کلیسیا کو اِس لئے دی ہے تاکہ مردِ خدا یعنی مسیحی شخص کامل بن جائے اور ہم ایسے کامل ہوں جیسا ہمارا آسمانی باپ کامل ہے۔ ہمیں یسوع مسیح کا مطالعہ کرنا چاہیئے جیسے مقدس یوحنا رسول کمال عمدگی سے یوحنا ۱: ۱۸ میں باپ کی تفسیر کرتا ہے یعنی یہ کہ وہ باپ کو ظاہر کرنے والا یا مظہر اللہ ہے۔ اِس آیت میں لکھا ہے کہ: "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ [illegible] اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا ہے"۔ یسوع مسیح کے مطالعہ سے اُس کو پڑھنے سے اُس کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے سے اور اُس کی حقیقت معلوم کرنے سے ہمیں جو ہدایت حاصل ہو اُس خاص ہدایت کی روشنی میں جو دعائیں اور نیک کام کئے جائیں وہ بارآور اور مفید ہوں گے اور ایسی سعی اور کوشش کارآمد ہوگی لیکن مسیح کو پڑھے بغیر جو کوشش کی جائے گی وہ اندھیرے میں تیر چھوڑنے کے مترادف ہوگی اور وہ بے پھل اور بے فائدہ ہوگی۔ ہماری رُوحانی کوشش کی یہ خاص ہدایت تبھی پیدا ہو سکتی ہے جبکہ ہمارے دل

کتاب مقدس کی تعلیم اور غذا سے ہمیشہ خوراک حاصل کرتے رہیں اور اُس کی تعلیم اور فضا کو ہمیشہ جذب کرتے رہیں کیونکہ جو کوئی خدا کے ساتھ متحد ہونے سے حقیقی کمال کا جویاں ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ میری رُوح و جان اُلوہیت کے ساتھ کامل طور پر مل جائے اُسے اِس مقصد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہنا چاہیئے کہ میں اپنے آقا یسوع مسیح کے نمونے پر چل کر اُس جیسا بنوں، یعنی اُس کی اُن نیکیوں کی پیروی کروں جو اناجیل خطوط اور عہدِ جدید کی دوسری کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

ہمیں عہدِ عتیق کے مطالعہ سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اُس میں مسیح اگرچہ اپنی شخصیت میں نظر نہیں آتا لیکن اپنے بھیدوں میں نظر آتا ہے جو اُس میں مختلف قسموں کی علامتوں، پیش نمونوں اور پیشینگوئیوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ یسوع کے پاک روح ہی نے یعنی روح القدس ہی نے عہدِ عتیق کی کتابیں لکھوائیں مثلاً اُسی نے مزامیر حکمت کی کتابوں اور یشوع بن سیراخ کے مصنفوں کو الہام بخشا۔ ہدایت حاصل کرنے کیلئے جوان آدمی کے لئے مزمور ۱۱۸ کے مطالعہ اور دعا سے بڑھ کر کیا مفید ہو سکتا ہے ملاحظہ ہو "اے خداوند مجھے اپنے آئین کی راہ بتا اور میں آخر تک اُس پر چلوں گا۔ مجھے فہم عطا کر تو میں تیری شریعت پر چلوں گا بلکہ میں پورے دل سے اُس کو مانوں گا۔ مجھے اپنے فرمان کی راہ پر چلا کیونکہ اِسی میں میری خوشی ہے۔ میرے دل کو اپنی شہادتوں کی طرف رجوع دلا نہ کہ لالچ کی طرف۔ میری آنکھوں کو بطلان پر نظر کرنے سے باز رکھ اور مجھے اپنی راہوں میں زندہ کر۔ اپنے بندے کیلئے اپنا وہ قول پورا کر جس سے تیرا خوف پیدا ہوتا ہے۔ میری ملامت کو جس سے میں ڈرتا ہوں دور کر دے کیونکہ تیرے احکام بھلے ہیں۔ دیکھ! میں تیرے قوانین

کا مشتاق رہا ہوں ۔ مجھے اپنی صداقت سے زندہ کر" اور بوڑھے کیلئے تو ہدایت مزمور ۷۱ : ۵ و ۹ - ۱۲ و ۱۷ - ۱۹ میں پایا جاتا ہے ملاحظہ ہو :-

"اے خداوند خدا ! تو ہی میری امید ہے لڑکپن سے میرا توکل تجھی پر ہے ۔ بڑھاپے کے وقت مجھے ترک نہ کر میری ضعیفی میں مجھے چھوڑ نہ دے کیونکہ میرے دشمن میرے بارے میں باتیں کرتے ہیں اور جو میری جان کی گھات میں ہیں وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے اُسے چھوڑ دیا ہے ۔ اُس کا پیچھا کرو اور پکڑ لو کیونکہ چھڑانے والا کوئی نہیں ہے ۔ اے خداوند مجھ سے دُور نہ رہ ۔ اے میرے خدا ! میری مدد کیلئے جلدی کر ۔ اے خدا ! تو مجھے بچپن سے سکھاتا آیا ہے اور میں اب تک تیرے عجائب کا بیان کرتا رہا ہوں ۔ اے خدا ! جب میں بڈھا اور سر سفید ہو جاؤں تو مجھے ترک نہ کرنا جب تک کہ میں تیری قدرت آئندہ پشت پر اور تیرا زور ہر آنے والے پر ظاہر نہ کر دوں ۔ اے خدا ! تیری صداقت بھی بہت بلند ہے ۔ اے خدا ! تیری مانند کون ہے جس نے بڑے بڑے کام کئے ہیں"۔

حکمت کی کتاب کے چھٹے باب سے آٹھویں باب تک کی باتوں پر جتنا بھی غور و فکر کیا جائے تھوڑا ہے ۔ ان میں حکمت کی دلکشی بیان کی گئی ہے کہ حکمت کس قدر دلکش ہے اور وہ کون ہے جس کو یشوع بن سیراخ کے انتیسویں باب پر غور و فکر کرنے سے فائدہ نہیں پہنچے گا ۔ اس میں دولت سے جو خطرات پیدا ہوتے ہیں اُن سے آگاہ کیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ راستباز آدمی اُسے حقیر جانتا ہے ۔ مقدس جیروم فرماتا ہے کہ کتاب مقدس کے چھلکے اور خول میں بھی ہر چیز چمکتی دمکتی جھلکتی اور جھلملاتی ہے لیکن اس کا مغز اور گودا تو بہت ہی شیریں ہے ۔ اگر آپ مغز حاصل کرنا چاہتے ہیں تو چھلکے کو

توڑیں اِس بات سے وہ ہماری ہمت بندھاتا ہے کہ ہم اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لئے مستقل مزاجی سے کتاب مقدس پر غور و فکر کرتے رہا کریں ۔

پوپ پائس دہم فرماتے ہیں کہ مطالعۂ بائبل کا پھل اور انعام سہ گانہ ہے یعنی اِس سے رُوحانی خوشی مسیح کی محبت اور اُس کے مقصد کو سرانجام دینے کے لئے سرگرمی حاصل ہوتی ہے ۔ مقدس جیروم مطالعۂ بائبل سے جو رُوح کا باطنی اطمینان حاصل ہوتا ہے اس کے بارے میں اپنی شاگرد پاؤلا کو لکھتا ہے کہ :-

"مجھے بتاؤ کہ کیا تم کوئی چیز جانتی ہو جو اِس مقدس بھید سے بھی بڑھ کر مقدس ہو یا جو خوشی اِس میں پائی جاتی ہے کیا کوئی اور چیز اِس سے بھی بڑھ کر دل خوش کن ہے ؟ خدا کی پروردگاری کے بارے میں سیکھنے اس کی زیارت گاہ اور مقدس جگہ میں داخل ہو کر خالق کے دِل کو دیکھنے اور خداوند کی باتوں کو سُننے سے کونسی خوراک لذیذ تر اور کونسا شہد شیریں تر ہے جن پر اِس دُنیا کے دانا ہنستے ہیں مگر جو حقیقت میں روحانی تعلیم سے معمور ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ اور دل کے پاس دولت ہو ، وہ ہیرے جواہرات کے بنے ہوئے پیالوں میں پیتے ہوں ۔ ریشمی لباس پہنتے ہوں ، دیگر اہل کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہوں اور اپنی دولت ہر طرح کی عیاشی میں صرف کرنے کے باوجود بھی اُسے ختم نہ کر سکتے ہوں مگر ہماری خوشی تو خدا وندکی شریعت پر دن رات غور و فکر کرنے اور جب اُس کا دروازہ بند ہوتا ہے کھٹکھٹانے اور تثلیث کی نسبت سے اپنی خوراک حاصل کرنے اور خداوند کی رہنمائی سے اِس دُنیا کے بڑھتے رہنے والے ہنگاموں فسادوں اور شورشوں کو پاؤں تلے روندنے میں ہے"۔

مسیح کو جاننا اُسے محبت کرنا ہے اور ہمارے دل اُس کی زمینی زندگی کے علم سے کیونکر معمور ہو سکتے ہیں سوائے اُن پاک کتابوں کے پڑھنے کے

جن میں اُس کی مذہبی زندگی کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔

کتاب مقدس کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہیئے اگرچہ بائیبل روحانی کمال کی کتاب ہے لیکن اِس کے مطالعہ سے کوئی روحانی فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک اِس کا مطالعہ دعائیہ رُوح، دینداری اور فروتنی سے اور عقل کو ایمان کے قاعدے کے ماتحت رکھکر نہ کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں بائیبل کا مطالعہ روزانہ کرنے کیلئے تیار ہونا چاہیئے۔ چونکہ بائیبل کی کتابیں رُوح القدس کے الہام سے لکھی گئی ہیں تو ہم کو انہیں اُسی طرح پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے جس طرح رُوح القدس طلب کرتا ہے۔ پس بائیبل کے مطالعہ سے حقیقی معنوں میں فائدہ پانے اور حظ اٹھانے کیلئے ہمیں فضل کی حالت میں رہنا چاہیئے۔ فضل کی حالت سے پاکیزگی اور تقدس کی حالت مُراد ہے۔ مقدس جیروم کی طرح اُن سب باتوں کو دُور کرنے کیلئے تیار ہونا چاہیئے جو ہمارے لئے رکاوٹ ثابت ہونے والی ہوں یعنی اپنے آپ کو اِس دنیا کی خوشیوں کی چاہت سے الگ رکھنا چاہیئے اُن سے محبت نہیں کرنا چاہیئے اُن سے اپنے آپ کو الگ کر دینا چاہیئے یعنی جسم اور دولت اور خوشیوں کے غلام نہیں بننا چاہیئے اور اُن سے دل بستگی نہیں ہونا چاہیئے اور اپنے اندر مسیح کی عقل بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے اور ہم میں مسیح والی عقل اور مسیح والا دل تب ہوگا جبکہ ہم مسیح کی کلیسیا کے سکھانے کے اختیار کی متابعت کریں۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یسوع کے رُوح القدس سے بائیبل میں کوئی ایسی بات لکھائی ہوئی نہیں ہو سکتی جو اس کی کلیسیا کی تعلیم کے خلاف ہو کیونکہ کلیسیا بھی اُسی رُوح القدس سے اچوک اور لاخطا رہنمائی پاتی ہے جس نے بائیبل لکھوائی ہوئی ہے۔ اِس لئے ہم اپنے ہر طرح کے مطالعہ میں

ایمان کے قاعدے اور مطابقت کی پیروی کرتے ہیں یعنی ایمان کے قاعدے کی پیروی کرتے ہیں اور ایمان کے مطابق رہتے ہیں۔ بالآخر بائیبل کے مطالعہ سے بہت بڑا فائدہ حاصل کرنے کیلئے ایسا محنتی ہونا چاہیئے جیسی پاؤلا کی بیٹی یُستوکیم محنتی تھی وہ مقدس جیروم کی شاگرد تھی۔ مقدس جیروم نے اُسے لکھا کہ "سخت محنت سے مطالعہ کرو اور اُتنا سیکھو جتنا سیکھ سکتی ہو۔ نیند آجانے تک بائیبل پڑھتی رہو اور جب اُونگھنے سے تمہارا سر جھک جائے تو وہ مقدس صفحے پر ٹکا ہوا ہو"۔

ب۔ کلیسیا کی بائیبل سے دِلبستگی

کلیسیا اپنی ہستی کے دَوران میں بائیبل کا ہمیشہ بہت استعمال کرتی رہی ہے اور اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلیسیا بائیبل پر ایمان رکھتی ہے اس سے محبت کرتی ہے اس کی تعظیم کرتی ہے اور اس کی حمایت اور حفاظت کرتی ہے۔

تعلیم دینے کے لئے بائیبل کا استعمال کلیسیا نے خداوند یسوع مسیح سے حاصل کیا ہے۔ وہ اپنی قسم کا واحد استاد ہے اور وہ مرشد کامل اور ہادی صادق خود بھی کتاب مقدس کو استعمال کیا کرتا تھا۔ اُس سے یہ طریق اُس کے رسولوں کو حاصل ہوا۔ اُس کے رسولوں سے یہ طریق رسولی کلیسیا نے یعنی رسولی زمانے کی کلیسیا نے حاصل کیا اور رسولی زمانے کی کلیسیا سے یہ طریق ہر زمانے کی کلیسیا کو پہنچا ہے۔ ایسا تو ہوتا رہا ہے کہ بعض اوقات کلیسیا کے فرزندوں میں سے بعض بچے بائیبل سے بہت بے پروا ہوئے ہیں اور وہ اِس کے ساتھ بہت غفلت برتتے رہے ہیں لیکن کلیسیا بحیثیت مجموعی بائیبل سے کبھی بے پروا اور غافل نہیں ہوئی اور اُس نے الہامی کتابوں کو کبھی بند اور سربمہر

نہیں رکھا۔

۱۔ مسیح کے زمانے میں:-

بائبل کے استعمال کے بارے میں خداوند یسوع مسیح کا نمونہ بہت ہی
مؤثر ہے وہ خود صاحبِ اختیار تھا اور حکمت اور علم کا سرچشمہ تھا۔ اُس کی طرح
کبھی کسی انسان نے کلام نہیں کیا اور تاکہ اُس کا یقین کیا جائے اس نے قدرت
والے محرک پیش کئے یعنی معجزات کئے جن سے اکمل طور پر ثابت ہو گیا کہ وہ سچا
ہے اور اس قابل ہے کہ اُس کا یقین کیا جائے اور اُس پر ایمان لایا جائے۔
جھوٹے اور فریبی رہنماؤں کے معجزات بھی جھوٹے اور فریب آمیز ہوتے ہیں
وہ حقیقی معجزے نہیں ہوتے بلکہ محض ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔ خداوند یسوع مسیح
حقیقی معجزات کرنے کے باوجود عبرانی لوگوں کی الہامی کتابوں کو استعمال میں لاتا
اور اُن سے تعلیم اور ثبوت پیش کرتا تھا وہ اُن سے تعلیم بھی پیش کرتا تھا اور اُن
کو ثبوت کے طور پر بھی استعمال کرتا تھا۔ وہ اُن کتابوں کے بارے میں یہ مانتا
تھا کہ اُن میں میری خبر پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو:- "تم کتابِ مقدس میں ڈھونڈتے
ہو کیونکہ سمجھتے ہو کہ اُس میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے اور یہ وہ ہے جو میری
گواہی دیتی ہے"۔ یوحنا ۵/۳۹ وہ کتابِ مقدس کو ناممکن الرد مانتا تھا یعنی یہ
کہ اسے رد کرنا ممکن نہیں اور یہ لاجواب ہے ملاحظہ ہو "کتابِ مقدس کا
باطل ہونا ممکن نہیں ہے" یوحنا ۱۰/۳۵ بائبل کی کتابیں ایسی کتابیں ہیں جن کی باتوں
کا ایک نقطہ یا ایک شوشہ بھی نہیں ٹلے گا۔ ملاحظہ ہو "میں تم سے سچ کہتا ہوں
کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے
ہرگز نہیں ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے" متی ۵/۱۸ وہ کتابِ مقدس
پڑھ کر سناتا تھا اور اس کی شرح اور تفسیر کرتا تھا دیکھئے "وہ ناصرت میں

آیا جہاں اُس نے پرورش پائی تھی اور اپنے دستور کے موافق سبت کے دن عبادت
خانے میں گیا اور پڑھنے کو کھڑا ہوا اور یسعیاہ نبی کی کتاب اُس کو دی گئی تو کتاب
کھول کر اُس نے وہ مقام نکالا جہاں یہ لکھا ہے کہ خداوند کا روح مجھ پر ہے
اس لئے کہ اُس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کیلئے مسح کیا اُس نے مجھے بھیجا
ہے کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔ کچلے ہوؤں
کو آزاد کروں اور خداوند کے سالِ مقبول کی منادی کروں۔ پھر وہ کتاب بند کر کے
اور خادم کو واپس دے کر بیٹھ گیا اور جتنے عبادت خانے میں تھے سب کی آنکھیں
اس پر لگی تھیں۔ وہ اُن سے کہنے لگا کہ آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہوا
ہے اور سب نے اُس پر گواہی دی اور اُن پُرفضل باتوں پر جو اُس کے منہ
سے نکلتی تھیں تعجب کیا" لوقا ۴/۱۶-۲۲۔ اُس نے یہ واضح طور پر فرمایا کہ میری
زندگی موت اور قیامت نوشتوں کا پورا ہونا ہے اُس نے فرمایا کہ وہ میری
رسالت اور میری اُلوہیت پر گواہی دیتے ہیں ملاحظہ ہو:-

"جب فریسی جمع ہوئے تو یسوع نے اُن سے یہ پوچھا کہ تم مسیح کے حق
میں کیا سمجھتے ہو؟ وہ کس کا بیٹا ہے؟ انہوں نے اُس سے کہا۔ داؤد کا۔ اُس نے
اُن سے کہا تو پھر داؤد روح کے الہام سے کیونکر اُسے خداوند کہتا ہے کہ
خداوند نے میرے خداوند سے کہا میری دہنی طرف بیٹھ جب تک میں تیرے
دشمنوں کو تیرے پاؤں کے نیچے نہ کر دوں؟ پس جب داؤد اس کو خداوند
کہتا ہے تو وہ اُس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا؟" متی ۲۲/۴۱-۴۵ "سردار کاہن نے اُس
سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تُو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم
سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا کہ تُو نے خود ہی کہہ دیا ہے بلکہ میں تم سے
کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابنِ انسان کو قادرِ مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور

آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔" متی ۲۶ : ۶۳-۶۴۔ جب بیابان میں شیطان نے اُس کی آزمائش کی تو اُس نے استثنا کی کتاب سے تین حوالے پیش کرکے اُس کی آزمائش کو رد کیا ملاحظہ ہو۔ "اُس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہیں رہیگا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے۔" متی ۴ : ۴۔ "یسوع نے اُس سے کہا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش مت کر" متی ۴ : ۷۔ "یسوع نے اُس سے کہا اے شیطان دُور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر" متی ۴ : ۱۰۔ جب وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا تھا تو وہ کتاب مقدس کا استعمال کرکے انہیں تعلیم دیتا تھا۔ دیکھئے "شاگردوں نے پاس آکر اُس سے کہا تو اُن سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے؟ اُس نے جواب میں اُن سے کہا اس لئے کہ تم کو آسمان کی بادشاہی کے بھیدوں کی سمجھ دی گئی ہے مگر ان کو نہیں دی گئی کیونکہ جس کے پاس ہے اُسے دیا جائیگا اور اُس کے پاس زیادہ ہو جائیگا مگر جس کے پاس نہیں ہے اُس سے وہ بھی لے لیا جائیگا جو اُس کے پاس ہے۔ میں ان سے تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔ اور اُن کے حق میں یسعیاہ کی وہ پیشینگوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہیں سمجھو گے اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز معلوم نہیں کرو گے کیونکہ اس اُمت کے دل پر چربی چھا گئی ہے اور وہ کانوں سے اُونچا سنتے ہیں اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ آنکھوں سے معلوم کریں اور کانوں سے سنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں ان کو شفا بخشوں" متی ۱۳ : ۱۰-۱۵۔ اور اُس نے لوگوں کے سامنے انبیاء کے صحیفوں کی تعلیم پیش کی ملاحظہ ہو۔ "یسوع

نے جواب میں اُن سے کہا کہ .... نبیوں کے صحیفوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ سب خدا سے تعلیم یافتہ ہوں گے۔" یوحنا ۶ : ۴۳-۴۵۔ یسوع نے ایک کوڑھی کو شفا بخشی اور اُس سے فرمایا کہ "جا کر اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور جو نذر موسیٰ نے مقرر کی ہے اُسے گذران" متی ۸ : ۴۔ اُس نے فقیہوں، فریسیوں اور صدوقیوں کو ملامت کرنے اور اُن کی تردید کرنے کیلئے کتاب مقدس کا استعمال کیا۔ ملاحظہ ہو "تم نے اپنی روایت سے خدا کا کلام باطل کر دیا ہے۔ اے ریاکارو! یسعیاہ نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت کی ہے کہ یہ اُمت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دُور ہے اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں" متی ۱۵ : ۶-۹۔ خداوند مسیح نے صدوقیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا تم نے وہ نہیں پڑھا ہے کہ میں ابراہیم کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں وہ تو مُردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا ہے۔" متی ۲۲ : ۳۱-۳۲۔ خداوند مسیح نے موسیٰ، داؤد، یسعیاہ اور دانی ایل کے ناموں کے حوالے دیئے۔ ملاحظہ ہو موسیٰ کا متی ۸ : ۴ میں۔ داؤد کا متی ۲۲ : ۴۳ میں۔ یسعیاہ کا متی ۱۵ : ۷ میں اور دانی ایل کا متی ۲۴ : ۱۵ میں۔

وہ عہد عتیق کی تاریخی ہستیوں کا حسب ضرورت سرسری ذکر کرتا ہے مثلاً سلیمان کا متی ۶ : ۲۹ اور ۱۲ : ۴۲ میں۔ ملکہ سبا یا دکھن کی ملکہ کا متی ۱۲ : ۴۲ میں۔ عربی کتابوں میں ملکہ سبا کا نام بلقیس آتا ہے۔ الیاس یا ایلیاہ کا متی ۱۱ : ۱۴ اور لوقا ۴ : ۲۵-۲۶ میں۔ صارپت کی بیوہ کا لوقا ۴ : ۲۶ میں۔ الیشع کا لوقا ۴ : ۲۷ میں۔ نعمان سوریانی کا لوقا ۴ : ۲۷ میں۔ یونس یا یوناہ کا متی ۱۶ : ۴ اور لوقا ۱۱ : ۲۹، ۳۲ اور متی ۱۲ : ۳۹-۴۱ میں اور اہل نینوہ کا متی ۱۲ : ۴۱ اور لوقا ۱۱ : ۳۲ میں۔ لوط کا لوقا

۱۷/۲۸، ۲۹ ہیں۔ لُوط کی بیوی کا لوقا ۱۷/۳۲ میں اور نوح کا لوقا ۱۷/۲۶، ۲۷ ہیں۔

جس وقت خداوند یسوع صلیب پر تھا اُس وقت اُس نے سات باتیں کی تھیں اِن میں سے دو تو عین زبور کے الفاظ میں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے۔ زبور ۲۲/۱ اور میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔ زبور ۳۱/۵ اور تیسری بات زبور کی ایک بات کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ یسوع نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں پیاسا ہوں وہ زبور ۶۹/۲۱ کی اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میری پیاس بجھانے کو انہوں نے مجھے سِرکہ پلایا۔ پہلی بات یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے یہ متی ۲۷/۴۶ اور مرقس ۱۵/۳۴ میں ہے۔ دُوسری لُوقا ۲۳/۴۶ میں ہے اور تیسری یُوحنا ۱۹/۲۸ میں ہے۔ آخر یسوع نے اپنے جی اُٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں سے کتابِ مقدس یعنی توریت، انبیاء اور مزامیر کی غرض و غایت یا تفسیر بیان کی لُوقا ۲۴/۴۴ اور اُن کے ذہنوں کو کھولا کہ کتابِ مقدس کو سمجھیں۔ خداوند مسیح نے نوحہ میں داؤد کے اخی ملک کے پاس جانے کے واقعہ کا ذکر کیا متی ۱۲/۳، ۴۔ یوناہ کے مچھلی کے پیٹ میں تین دن رہنے کا ذکر کیا [illegible] ۱۲/۴۰۔ [illegible] سبا کا سلیمان کے پاس آنا متی ۱۲/۴۲۔ ہابل اور زکریاہ کا قتل کیا جانا متی ۲۳/۳۵ اور لوقا ۱۱/۵۱۔ نوح کے زمانے میں طوفان کا آنا لوقا ۱۷/۲۶ سدوم کی بربادی لوقا ۱۷/۲۹ لُوط کی بیوی کا حشر لوقا ۱۷/۳۲ موسیٰ کی جلتی جھاڑی کا ذکر لوقا ۲۰/۳۷ موسیٰ کا کانسی کے سانپ کو کھڑا کرنا یُوحنا ۳/۱۴۔ بیابان میں مَن یُوحنا ۶/۳۱ موسیٰ کا ختنہ کا حکم دینا یُوحنا ۷/۲۲ موسیٰ کا زناکار کے بارے میں پتھراؤ کا حکم یُوحنا ۸/۵۔ یہودیوں نے اس کے آگے پتھراؤ کرنے کی شریعت پیش کی تو اُس نے اُس کے شریعتِ الٰہی ہونے کا انکار نہ کیا مگر یہ حکیمانہ اور رحیمانہ

کلمہ فرمایا کہ "جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اُس کے پتھر مارے"، یُوحنا ۸/۷۔ اِن سب حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اپنے کلام میں کتابِ مقدس کا کثرت سے استعمال کرتا تھا۔ وہ عہدِ عتیق کو خدا کا کلام مانتا تھا وہ اُسے منسوخ قرار نہیں دیتا تھا بلکہ اُسے قائم دائم مانتا تھا۔ اُس میں سے لوگوں کے آگے ہدایتِ الٰہی پیش کرتا تھا اور اپنے دعاوی اور حقائق کے بارے میں اُس میں سے ثبوت پیش کرتا تھا۔

۲۔ رسولی زمانے میں:-

یہ بالکل تعجب کی بات نہیں کہ مسیح کے اِس الٰہی نمونے کو اختیار کرکے رسولی زمانے کے مبلغین نے اپنی منادی کو کتابِ مقدس سے معمور کر دیا۔ وہ تبلیغ کرتے وقت کتابِ مقدس کے بہت حوالے پیش کیا کرتے تھے پس وہ مسیحی تبلیغ جو کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں کی گئی اُس میں کتابِ مقدس کا بہت استعمال کیا جاتا تھا۔ مقدس پطرس نے جو وعظ یروشلیم میں کئے اُن میں کتابِ مقدس کے کثیر حوالے پائے جاتے ہیں اِسی طرح جو تقریر مقدس یعقوب نے یروشلیم کی کونسل میں کی تھی اور مقدس پولوس رسول نے پسدیہ [illegible] کی اُن میں [illegible] ہی سے حوالے پائے جاتے ہیں۔ عہدِ جدید کی سب کتابوں میں یعنی اناجیل، اعمال، خطوط اور مکاشفہ میں ایسے کثیر دلائل مندرج ہیں جو کتابِ مقدس سے ماخوذ ہیں اور اِن کی زبان بائبل کی زبان کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ اور اِن میں بہت سی ایسی باتیں درج ہیں جنہیں عہدِ عتیق کی باتوں کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔

مقدس پولُس رسول اعلیٰ درجے کا بائبل دان تھا اور اِس کی بائبل دانی اِسی بات میں نہیں کہ اُس نے کثیر تعداد میں حوالے پیش کئے ہیں اور

کلامِ الٰہی سے بہت سی دلیلیں دی ہیں بلکہ اُس کی بائبل دانی خاص کر اِس بات میں ہے کہ اُس نے کلامِ الٰہی کے مفہوم کو اُس کی گہرائیوں تک سمجھا۔ اُس نے توریت اور انبیاء میں مسیحی پھلداری۔ زرخیزی اور پیداوار کو خوب معلوم کیا یعنی جس قدر مسیحیت عہدِ عتیق میں پائی جاتی ہے اُس کا خوب کھوج لگایا اور اُسے معلوم کیا اور اِس لئے ہم رسولِ اقوام کو بجا طور پر عہدِ عتیق کا مُفسّرِ اعظم کہہ سکتے ہیں اور جو علم اُس نے رُوح القدس کی روشنی کی معموری حاصل ہونے سے پہلے گمیلی ایل کے قدموں میں بیٹھ کر حاصل کیا تھا وہ بھی کوئی ادنےٰ علم نہیں تھا بلکہ بہت اعلےٰ درجے کا علم تھا۔ اُس کا بائبل کی قوّت اور رُوحانیت اور فیض کی بابت وہی نظریہ تھا جو عبرانیوں ۴/۱۲ میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ "خدا کا کلام زندہ اور مؤثر اور ہر ایک دو دھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جان اور رُوح اور بند بند اور گُودے گُودے کو جُدا کر کے گذر جاتا ہے اور دل کے خیالوں اور اِرادوں کو جانچتا ہے"۔ اِسی رسول نے مقدّس تیموتاؤس کو یہ یاد دلایا کہ جن مقدس نوشتوں کی تو نے بچپن سے تعلیم پائی ہوئی ہے یسوع مسیح پر ایمان ہونے کے سبب سے وہ تعلیم نجات بخش ہدایت [illegible]

"تو بچپن سے اُن پاک نوشتوں سے واقف ہے جو تجھے مسیح یسوع پر ایمان لانے سے نجات حاصل کرنے کیلئے دانائی بخش سکتے ہیں۔ ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے تعلیم اور تنبیہ اور اِصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند ہے تاکہ مردِ خدا کامل بنے اور ہر ایک نیک کام کیلئے بالکل تیار ہو جائے"۔ ۲۔ تیموتاؤس ۳/۱۵۔۱۷ اور اسی لئے وہ تیموتاؤس کو یہ تاکید کرتا ہے کہ "پڑھنے اور نصیحت کرنے اور تعلیم دینے کی طرف متوجہ رہ"۔

۱۔ تیموتاؤس ۴/۱۳ اور بائبل کے استعمال کی تاکید صرف اِسی لئے نہیں کرتا کہ گویا وہ اُن مسیحیوں کی میراث ہے جو یہودیوں میں سے مسیحی ہوئے ہیں بلکہ جب وہ رومی مسیحیوں کو خط لکھتا ہے جن کی اکثریت غیر اقوام کے مسیحیوں کی تھی تو صبر اور برداشت کے بارے میں نصیحت کا حوالہ پیش کرنے کے بعد وہ کہتا ہے کہ "جتنی باتیں پہلے لکھی گئیں وہ ہماری تعلیم کے لئے لکھی گئیں تاکہ صبر سے اور کتابِ مقدس کی تسلی سے اُمید رکھیں"۔ رومیوں ۱۵/۴ اور حوالہ جو اُس نے پیش کیا ہے وہ زبور ۴۹/۵ ہے اور اِس سے پانچ آیتیں نیچے وہ زبور۔ تثنیہ۔ شرع اور اشعیا میں سے چار حوالے پیش کرتا ہے کہ "غیر قومیں بھی رحم کے سبب سے خدا کی حمد کریں"۔ رومیوں ۱۵/۹ اور وہ چار حوالے یہ ہیں کہ :۔

"میں غیر قوموں میں تیرا اقرار کروں گا اور تیرے نام کے گیت گاؤں گا اور پھر وہ فرماتا ہے کہ اے غیر قومو! اُس کی اُمت کے ساتھ خوشی کرو پھر یہ کہ اے سب غیر قومو! خداوند کی حمد کرو اور سب اُمتیں اُس کی ستائش کریں، اور اشعیا بھی کہتا ہے کہ یسی کی جڑ ظاہر ہوگی یعنی وہ شخص جو غیر قوموں پر حکومت کرنے کو اُٹھے گا اُسی سے غیر قومیں اُمید رکھیں گی"۔ یہ مقام زبور ۱۸/۴۹، استثنا ۳۲/۴۳ زبور ۱۱۷/۱ اشعیا ۱۱/۱۰ اور اشعیا ۴۲/۴ میں پائے جاتے ہیں۔

۳۔ اِبتدائی صدیوں میں :۔

کلیسیا میں جو اشخاص تعلیم دینے کا کام کرتے تھے انہوں نے مسیح اور رسولوں کے نمونے کی قوّت کو معلوم کیا اور اُن کے نمونے پر چلنے کو اُنہوں نے اپنی زندگی کا قانون بنا لیا۔ مسیح اور رسول کلامِ الٰہی کو کثرت سے استعمال میں لاتے تھے اور کلیسیا میں جو مسیحی تعلیم کے مُعلّم تھے وہ بھی بائبل

کو بہت استعمال کرتے تھے۔ یہاں صرف دو کلیسیائی مصنفوں کے اقتباس پیش کئے جاتے ہیں جن میں مطالعۂ بائبل کے قانون کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ مقدس جیروم نے کاہنوں کے فرض کے خوبصورت قانون کے بارے میں نیپوشیان کو یہ عمدہ کلمات لکھے کہ "تمہیں مقدس کتابیں بار بار پڑھتے رہنا چاہئیے حق تو یہ ہے کہ پاک مطالعہ تمہارے ہاتھوں سے کبھی بھی باہر نہیں ہونا چاہئیے۔ جو کچھ تمہیں لوگوں کو سکھانا ہے اُسے پہلے پڑھو۔ بات کی اُس صحیح صورت کو پکڑے رکھو جو سچی تعلیم سے مطابقت رکھتی ہے۔" ماخوذ از مکتوب بنام نیپوشیان۔ مقدس گریگوری کی ایک پُرحکمت کتاب ہے گلا پاستورالیس نامی ہے اِس کے معنی قانونِ چوپانان ہیں یعنی چوپانوں یا کاہنوں اور معلمینِ دین کیلئے قواعد و ضوابط۔ انگلستان کے بادشاہ الفریڈ نے اِس کتاب کا ترجمہ اینگلو سیکسن زبان میں کیا تھا اِس میں لکھا ہے کہ "جو وعظ و تلقین کا کام کرتے ہیں اُن کے لئے یہ ضروری اور لازمی ہے کہ وہ پاک کتاب کے سخت مطالعہ سے غافل نہ ہوں۔" ماخوذ از قاعدۂ چوپانان۔

عمل حکم سے منفرق نہیں ہوتا۔ ہادیانِ دین بائبل پڑھنے کے حکم پر عمل کرتے تھے [illegible] پڑھا کرتے تھے۔ کلیسیا کے [illegible] پیشوا یقیناً اِس پر کرتے تھے کہ یہ متبرک کتاب ہے اور کاہنوں کے لئے اِس کا استعمال ناگزیر ہے۔ یہ لازمی لابدی اور ضروری ہے کہ کلیسیا کے کاہن اسے استعمال کریں۔ اِس کے استعمال کے بغیر چارہ نہیں۔ وہ ہادیانِ دین جو رسولی زمانے میں یا اُس کے فوراً بعد ہوئے ہیں اور رسولوں کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے، انہیں آبائے رسولی یا بزرگانِ رسولی کہتے ہیں یعنی رسولوں کے اور اُس کے فوراً بعد کے زمانے کے بزرگانِ دین۔ اُن کی تصانیف ہمارے پاس محفوظ ہیں

اور اُن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر بائبل مقدس کا استعمال کیا کرتے تھے۔ ہمارے پاس رسولی بزرگوں کی تصانیف کا جو ذخیرہ موجود ہے اس میں سے کچھ کتابوں کے نام اور اُن کے مصنفوں کے نام اور ان میں جو اقتباسات پائے جاتے ہیں درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

ایک رومی کلیمنٹ کا خط ہے یہ کلیمنٹ روم کا چوتھا اُسقف تھا۔ پہلا پطرس۔ دُوسرا لینس۔ تیسرا کلیتس یا اناکلیتس اور چوتھا کلیمنٹ۔ یہ مقدس پطرس رسول کا شاگرد تھا۔ یہ خط اُس نے پہلی صدی مسیحی کے آخر میں یعنی ۹۸ء میں کرنتھ کی کلیسیا کو لکھا تھا۔ کرنتھیوں کے نام کا دُوسرا خط کسی نامعلوم مصنف کا ہے وہ مقدس کلیمنٹ کا نہیں ہے یہ خط پہلی صدی مسیحی کے آخر میں تصنیف ہُوا تھا۔ یہ دومشیان والی ایذارسانی کے عین بعد تراجان کے عہدِ حکومت کے شروع میں لکھا گیا تھا یعنی ۹۸ء یا ۹۹ء میں ضبطِ تحریر میں آیا تھا۔ مقدس اگناشیئس شہید ۱۰۷ء یا ۱۱۶ء میں شہید ہُوا۔ اِس نے متعدد کلیسیاؤں کو سات خط لکھے جو اُس نے اُس سفر کے دوران میں لکھے جب وہ روما کو شہید کیا جانے کے لئے لے جایا جا رہا تھا اُس کی شہادت کے سنین مختلف ہیں ۱۰۷ء یا ۱۰۸ء اور یا ۱۱۶ء۔ پس یہ خط اُس نے اپنی شہادت سے پہلے لکھے اور ان کا سنِ تصنیف مندرجۂ بالا سنین میں سے کوئی ایک ہے بہرحال یہ خطوط ۱۰۷ء سے پہلے اور ۱۱۶ء سے بعد کے نہیں ہیں۔ پولیکارپ سمرنا کی کلیسیا کا اُسقف تھا یہ وہی فرشتہ ہے جس کی بابت مقدس یُوحنا رسول مکاشفہ کی کتاب میں لکھتا ہے کہ سمرنا کی کلیسیا یا ازمیر کی کلیسیا کے فرشتے کو یہ لکھ۔ مقدس پولیکارپ نے قریباً ۱۱۰ء میں فلپی کی کلیسیا کو ایک خط لکھا تھا جو آبائے رسولی کی تصانیف میں موجود ہے۔ آبائے

رسولی کے زمانے کی ایک کتاب کا نام رسولوں کی تعلیم یا بارہ رسولوں کی تعلیم ہے۔
اس کتاب کا مصنف نامعلوم ہے یہ یا تو ۱۰۰ء میں لکھی گئی اور یا ۹۵ء اور
۱۳۰ء کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت لکھی گئی۔ ایک کتاب برنباس کا خط کہلاتی
ہے۔ یہ غالباً اسکندریہ میں ۱۳۰ء کے قریب کسی یہودی مسیحی نے لکھی تھی۔
ایک کتاب ہرمس کا چوپان یا شبانِ ہرمس ہے یہ کتاب یا تو پوپ کلیمنٹ کے
عہد میں ۹۲ء میں لکھی گئی تھی اور یا اسے پوپ پائس اول کے بھائی ہرمس
نے ۱۵۰ء کے قریب لکھا تھا۔ ایک خط دیاگنیتس کو لکھا گیا تھا بعض اس کو
یوستینس شہید یعنی مقدس جسٹن شہید کی تصنیف سمجھتے ہیں مگر غالباً یہ اس
کی تصنیف نہیں ہے۔ علماء کی رائے ہے کہ یہ خط پہلی صدی مسیحی کے آخر یا
دوسری صدی مسیحی کے شروع کا ہے بہرحال اس کا زمانۂ تصنیف ۱۵۰ء
تک ہے یہ خط ۱۵۰ء سے پہلے لکھا گیا تھا مگر جرمن نقاد ایڈلف ہرنیک
اس کا زمانۂ تصنیف ۱۷۰ء اور ۳۰۰ء کا درمیانی عرصہ بتاتا ہے مگر دیگر علماء
اس کے بارے میں اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں اور وہ اس کا وقتِ
تصنیف ۱۵۰ء سے پیشتر بتاتے ہیں۔

ہمارے پاس پاپیاس کی تصانیف کے اجزاء اور پارے بھی
موجود ہیں۔ یوسیبیئس کی تاریخ الزمانہ اور اس کی تاریخ کلیسیا فلپس سائیڈیٹیس
کی تاریخ المسیح۔ گیورگیاس ہامرتولس کی تاریخ الزمانہ۔ مقدس جیردم کی کتاب
المشاہیر۔ مقدس ارینیئس کی تصانیف مکسیمس اقراری کی تصنیف۔ نزنیئس کی
ببلیوتھیکا۔ یونانی بزرگان کا تذکرہ۔ اندریاس باشندۂ قیصریہ کی کتاب اور
اناستاسیئس باشندۂ سینا کی کتاب۔ جیردم کا خط لوقینوس کو۔ جیردم کا خط
تھیودورس کو۔ نویں صدی کا ایک قلمی نسخہ جو ویٹیکن میں ہے اور دیگر متفرق

ماخذات ہیں جنہیں پاپیاس کی تصانیف کے اجزاء یا پارے پائے جاتے ہیں۔
پولیکارپ کی شہادت کے بارے میں بھی ایک خط موجود ہے جو فلپی کی کلیسیا
نے فیلو میلس کی کلیسیا کو لکھا تھا۔ یہ خط مقدس پولیکارپ کی شہادت کے بعد
ہی ضبطِ تحریر میں آگیا تھا۔ مقدس پولیکارپ ۱۵۵ء یا ۱۵۶ء میں شہید کیا گیا
تھا۔ پس یہ خط جو پولیکارپ کا شہادت نامہ ہے ۱۵۵ء یا ۱۵۶ء کے عین بعد
لکھا گیا تھا۔ مقدس پولیکارپ سمرنا کی کلیسیا کا اسقف تھا۔

آبائے رسولی کی ان متذکرہ بالا تصانیف میں عہدِ عتیق اور عہدِ جدید
کی مندرجۂ ذیل کتب کے اقتباسات پائے جاتے ہیں:-

عہدِ عتیق:-

پیدائش۔ خروج۔ احبار۔ گنتی۔ استثنا۔ یشوع۔ ۱۔سموئیل۔۲۔سموئیل
۱۔سلاطین، ۲۔سلاطین۔ ۲۔تواریخ۔ نحمیاہ۔ ایوب۔ زبور۔ امثال۔ واعظ
یسعیاہ۔ یرمیاہ۔ حزقی ایل۔ دانی ایل۔ صفنیاہ۔ زکریاہ۔ ملاکی۔ یشوع
بن سیراخ۔ حکمت۔ طوبیاہ اور یہودیت۔

عہدِ جدید:-

متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا۔ اعمال۔ رومیوں۔ ۱۔کرنتھیوں۔ ۲۔کرنتھیوں
گلتیوں۔ افسیوں۔ فلپیوں۔ ۲۔تھسلنیکیوں۔ ۱۔تیمتھیس۔ ۲۔تیمتھیس
عبرانیوں۔ یعقوب۔ ۱۔پطرس۔ ۲۔پطرس۔ ۱۔یوحنا۔ یہوداہ اور
مکاشفہ۔

آبائے رسولی کی تصانیف میں دو سو اکیس حوالے عہدِ عتیق میں سے
دیئے گئے ہیں جو دو سو بتیس جگہوں میں پیش کئے گئے ہیں اور زیادہ جگہوں میں
استعمال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چند ایک دو دو تین تین جگہ استعمال ہوئے ہیں

مثلاً زبور ۳۴/۸ و ۱۵/۱۹ دو دو جگہ استعمال ہوا ہے اور پیدائش ۵/۱۵ تین جگہ اور عہدِ جدید کے حوالوں میں سے متی ۴۴-۴۳/۵ دو جگہوں میں لیکن متی ۲۰۱/۷ و ۱۳/۹ لوقا ۳۶-۳۵/۶ - ۱-کرنتھیوں ۹/۲ و ۱۱-۹/۶ تین تین جگہوں میں استعمال ہوئے ہیں - عہدِ جدید کے ایک سو ستتر حوالے ایک سو تیس دفعہ پیش کئے گئے ہیں اور ساری بائبل کے تین سو اکانوے حوالے چار سو ستائیس دفعہ پیش کئے گئے ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آبائے رسولی نے کس کثرت سے کتابِ مقدس کا استعمال کیا ہے ۔

ابتدائی زمانے کے حامیانِ دین یعنی مناظرین و مباحثین کو بائبل مقدس کے حوالے پیش کرنے کا بہت کم موقع ہوتا تھا کیونکہ مذاہب کفر کے مناظرین اور بُت پرست اور دیوتا پرست لوگ کتابِ مقدس کی شہادت کو قبول نہیں کرتے تھے مگر پھر بھی بائبل کی تعلیم کی برتری فوقیت اور معقولیت ثابت کرنے کیلئے وہ بائبل کے حوالے بھی پیش کرتے تھے اور مذاہب کفر کی گندگی اور غلاظت کے مقابلے میں بائبل کے مذہب اور اُس کی تعالیم کی صداقت اور پاکیزگی پیش کرتے تھے ۔ وہ اس کا تقدس اور اُسکی قدامت پیش کرتے تھے ۔ مقدس جسٹن شہید کے ملفوظ میں بائبل کے متن سے کثرت سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ۔ اُس کا مکالمہ ایک یہودی عالم کے ساتھ مناظرہ کی کتاب ہے اُس عالم کا نام ترِیفو تھا اور مقدس جسٹن شہید کی اس کتاب کا پورا نام مکالمہ بترِیفو یا ترِیفو کے ساتھ مکالمہ ہے ۔ اِس کتاب میں مقدس جسٹن عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کا کثرت سے استعمال کرتا ہے اور یہ اِس بات کی آئینہ دار ہے کہ اُس زمانے کے مسیحی علماء بائبل کو بہت ہی زیادہ استعمال کرتے تھے ۔ اور وہ اِس سے بہت واقف

ہوتے تھے ۔ اگر مقدس ایرینیئس کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو اُن سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ وہ بائبل مبارک کو کس قدر استعمال کرتا ہے اور اسے کس قدر جانتا ہے ۔ جب اسکندریہ کا مسیحی تعلیم دینے والا مدرسہ قائم ہوا تو بائبل کا مرکز حقیقی معنوں میں اُسوقت وجود میں آیا ۔ یہ بائبل مرکز تعلیم و تدریسِ بائبل کا مدرسہ تھا ۔ اِس کے معلمین فیلو یہودی کیطرح یونانی فلاسفی اور سائنس کو استعمال میں لاتے تھے اور اُن کی خاص مصروفیت اور اہم اور لازمی کام خدا کے مرقوم کلام کو پڑھنا اس کی تفسیر کرنا اور اُسکی حمایت کرنا تھا ۔ یونانی فلسفہ اور سائنس کو تو وہ بنیادی بنیادی کے طور پر استعمال کرتے تھے مگر اُن کا خاص کام علم البائبل پڑھنے اور پڑھانے کا تھا وہ اِس کی تنقید کرتے اس کی توضیح تصریح تشریح اور تفسیر کرتے اور اِس کے مضامین کو ترتیب دیتے تھے ۔ اِس مدرسے کا ایک مشہورِ زمانہ مصنف آریجن ہوا ہے جس نے وسیع پیمانے پر تنقید تفسیر اور ترتیب کا کام کیا ۔ یہ اِس کثرت اور افراط سے لکھنے والا تھا کہ اِسے دیو تحریر کہتے ہیں یعنی لکھائی کا دیو یا لکھائی کرنے کے بارے میں دیو ۔ لکھائی کے اس دیو نے بے شمار تصنیف ہیں جن میں سے ایک ہکسا پلا تھی جس کے بارے میں ناظرین پڑھ چکے ہیں ۔ اِس نے ۲۵۴ء میں وفات پائی ۔ یہ چوٹی کے مسیحی علماء میں سے ایک عالم تھا ۔

اِس مدرسے نے چند صدیوں تک اپنا کام جاری رکھا اور ویدیمُس نابینا کی وفات کے بعد تک جاری رہا ۔ ویدیمُس نابینا نے ۳۹۸ء میں وفات پائی اور پھر یہ مدرسہ آہستہ آہستہ آریجینی مباحثوں کی لہروں میں پھنس کر غرق ہو گیا یعنی یہ مدرسہ اپنے مرتبہ سے گر گیا اور آخر بند ہو گیا ۔ آریجینی مباحثوں

سے وہ مباحثے مراد ہیں جو آریجن کی ذاتی آراء تھیں وہ اُس کی قیاسی تعلیمیں تھیں
وہ کلیسیا کی مسلمہ اور مستند تعلیموں سے علیحدہ تھیں مثلاً اُس کی ایک تعلیم سب چیزوں
کی بحالی کے بارے میں یہ تھی کہ آخر سب بحال ہو جائیں گے حتیٰ کہ دوزخی
بھی بحال ہو جائیں گے کبھی نہ کبھی ایسا وقت بھی آجائیگا جب وہ بھی نیک
ہو جائیں گے اور نیک بنکر بہشت میں چلے جائیں گے ۔ ابلیس یا لوسیفر یعنی
شیطان اور اس کے ساتھ کے شیاطین یہ سب بڑے فرشتے نیک فرشتے بن جائیں گے۔
نہ کوئی فرشتہ دوزخ میں رہیگا اور نہ انسان ۔ اِس پر کلیسیا میں بہت
بحث ہوتی رہی اور اسیطرح کی اور تعلیمیں بھی تھیں جن پر بحث و تمحیص ہوتی
رہتی تھی ۔ چونکہ آریجن اسکندریہ کی مکتب کا معلّم تھا اِس لئے اِس مدرسے
کے علماء اِس کی تعالیم کے حامی بن گئے اور اپنے مدرسے کی بلند شان کو سر کے
بل گرا دیا اور ہوتے ہوتے یہ مدرسہ بمصداق ہر کمالے را زوالے آخر تباہ
ہو گیا ۔ یہ مدرسہ تو یُوں اپنی قدر و منزلت اور ہستی کھو بیٹھا مگر کلیسیا میں
علم البائبل بدستور جاری رہا ۔ ہمیں نہ تو اِس مدرسے کے چند علماء کے
آریجن کا حامی بن جانے سے کوئی غرض ہے اور نہ اِس مدرسے کی حد
سے بڑھی ہوئی مجازی تفسیر سے کوئی واسطہ اور سروکار ہے ۔ ہمیں صرف یہ
بتانا مقصود ہے کہ اِس مدرسے نے بائبل کی بڑی خدمت کی ۔ اِس کا
مشرق میں بڑا اثر و رسوخ ہُوا اور وہ گریگوری تھاماٹرگس کے ذریعے
سے ہُوا ۔ اِس نے ۲۷۰ء میں وفات پائی تھی ۔ علاوہ اِس کے جن کے
ذریعے سے مشرق میں اِس کا بڑا اثر ہُوا وہ قیصریہ کا یوسیبیئس اور کیپدوکیہ
کے آبا تھے ۔ یوسیبیئس نے ۳۳۹ء میں وفات پائی ۔ مقدس امبروز کے
ذریعے سے مغرب میں بھی اِس مدرسے کا اثر ہُوا ۔ مقدس امبروز نے ۳۹۷ء

میں وفات پائی تھی ۔ اسکندریہ کے مدرسے کا آخری بڑا مفسّر سیرل تھا یہ
مشرقی کلیسیا کا سب سے بڑا الہیات دان تھا ۔ اِس نے ۴۴۴ء میں
وفات پائی تھی ۔

انطاکیہ میں اسکندریہ کے مدرسے کا ہمسر اور مقابلے کا مدرسہ تھا ۔
اِس کی بنیاد لوشئین نے ڈالی تھی ۔ اُس نے ۳۱۲ء میں وفات پائی تھی ۔
ترسس کے ڈیوڈورس نے گویا اِس کی پھر بنیاد ڈالی ۔ اِس مسلک نے بائبل
کے علم کی ایسی تحریک جاری کی جس جیسی تحریکیں کلیسیا کی تاریخ میں صرف معدودے
چند ہی ہوئی ہیں ۔ مقدس خرِسوستم ڈیوڈورس کا شاگرد تھا ۔ وہ واعظین اور
مقررین کا صرف سرتاج ہی نہیں بلکہ یونانی کلیسیا کا نمایاں کیتھولک مفسر بھی ہے ۔
انطاکیہ کا طریقہ جو اُس نے پیش کیا بائبل کی تفسیر کا خاص کیتھولک طریقہ وہی
ہے اِس نے ۴۰۷ء میں وفات پائی ۔ شام میں اِسی طرح کا صاحب عقل و
دانش مقدس افرائیم تھا ۔ اِس نے ۳۷۳ء میں وفات پائی ۔ اسکندریہ
فلسطین انطاکیہ کیپدوکیہ اور شام کے صرف چند علماء کا ذکر کیا گیا ہے لیکن
اِتنے ہی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس زرین عہد میں کیتھولک کلیسیا
[illegible] ترقی [illegible]

لاطینی آبا محنت و سرگرمی میں کسی سے پیچھے نہیں تھے ۔ لاطینی مسلک
کے علماء میں سے چند ایک یہ ہیں ۔ سپریئن اِس نے ۲۵۸ء میں وفات
پائی ۔ ہلاری اِس نے ۳۶۸ء میں وفات پائی ۔ امبروز ۔ لیو اور گریگوری ۔
اور مقدس جیروم اِس نے ۴۲۰ء میں وفات پائی ۔ یہ بائبل مقدس کا
علامہ دہر ہُوا ہے ۔ یہ علم البائبل کو کلیسیا کا خاص اور بڑا قلعہ اور گڑھ
سمجھتا تھا ۔ مقدس اگستین نے بائبل پر بحث اِس کی تفسیر اور اِس کی

پند و نصائح اُور مواعظ کے بارے میں کثیر تصانیف چھوڑی ہیں وہ بہت تیز عقل والا تھا اُس نے دیگر آبائے کلیسیا کی نسبت علم الٰہی کی اُس دولت کی طرف زیادہ راہ کھول جو کتاب مقدس میں پائی جاتی ہے اس نے ۴۳۰ء میں وفات پائی۔

۴۔ تاریک زمانوں میں :-

سُنہرے زمانے ہمیشہ نہیں رہا کرتے۔ بحیرۂ رُوم کی تباہ شدہ دُنیا میں اُور ایک ایسے یورپ میں جس کی تعمیر نَو ہونا تھی اور جسے مسیحی تہذیب کے لئے بہت بڑی حد تک فتح کرنا باقی تھا یعنی جس کے بہت بڑے حصے کو مسیحی بنانا تھا تاکہ وہاں مسیحی تہذیب پھیلے اور نشوونما پائے اُسقفی تعلیمی مراکز اور ادارے اُور بائبل کا علم پڑھانے کے سکول آسانی سے قائم نہیں کیئے جا سکتے تھے اُور نہ وہ آسانی سے نشوونما پا سکتے تھے تاہم ایسے بشپ بھی تھے جنہوں نے اِس بات کیلئے سخت کوشش کی کہ ہمارے ممالک زیورِ علم سے آراستہ اُور تعلیم و تربیت سے مزیّن ہوں۔ اُن میں سے ایک سیویل کا ایبٹ بیڈ تھا جس نے ۶۳۶ء میں وفات پائی۔

[illegible]

کو زندہ رکھنے کیلئے شجاعانہ کردار ادا کیا۔ یہ تو سچ ہے کہ وہ قلمی نسخوں کی نقلوں اُور تفسیروں کی تالیف کا زمانہ تھا تاہم بیڈ۔ آلکوئن۔ والافرڈ۔ سترابو۔ لاادن کا اینسیلم۔ پیٹر ڈیمیئن اور لان فرانک ایسے نام ہیں جو ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ بائبل اُن برائے نام تاریک زمانوں میں بھی نور تھی وہ تاریکی ایسی تاریکی تھی جس میں سے ٹیوٹانک اُور سلاوانک اقوام کیلئے فجر نکلی۔ اُن صدیوں میں لاطینی ترجمے ولگیٹ کے شاندار قلمی نسخے تیار کیئے گئے۔

مقدس پالی نیس نے ایک دلپذیر چٹھی لکھی کہ میرے لئے چھ انبیاء کی ایک بہت اچھی نقل تیار کی جائے تاکہ اس کتاب کا مطالعہ میرے بڑھاپے میں میرے لئے تسلی بخش ہو۔ جو اُس زمانے کے وعظ ہیں اُن میں کتاب مقدس کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے اُور آبائی تفسیروں کے مجموعے تیار کیئے گئے اِس افراط اُور کثرت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے کی واحد قابلِ قدر کتاب بائبل مقدس ہی تھی۔ علاوہ اِس کے کلیسیا کے سب پاک خُدّامِ دین کیلئے اور کثیر التعداد تارکانِ دُنیا مسیحیوں کے لئے یہ مقرر تھا جیسے کہ اب بھی مقرر ہے کہ وہ ہر روز اپنی نماز اُور دُعاؤں کیوقت کلامِ الٰہی کو پڑھیں یا گائیں۔ اِس سے اُنہیں صرف زبور کی کتاب ہی سے لگاتار واقفیت حاصل نہیں ہوتی تھی بلکہ بائبل کے بہت بڑے حصے کا مطالعہ ہوتا تھا اور ساری بائبل سال میں ایک دفعہ پڑھا ہوتی تھی اُور علاوہ اِس کے آبائی اسباق بھی پڑھے جاتے تھے جو بہت بڑی حد تک بائبل کے متن کے مقاموں کی تفاسیر ہوا کرتی تھیں۔

۵۔ وسطی زمانوں میں :-

[illegible] بائبل ہی تھی اور اگلی صدی میں یعنی تیرھویں صدی مسیحی میں جو مسیحی فلاسفروں اور الٰہیات دانوں کی عظیم صدی تھی اِس صدی میں عظیم مسیحی فلاسفر اُور الٰہیات دان پیدا ہوئے۔ اُن کے نزدیک اور ان کیلئے بائبل ہی الٰہیات کی جان تھی اور ایسے ہی ہونا بھی چاہئیے تھا اور ہونا چاہئیے اور نتیجتہً مسیحی تعلیم کی زندگی بائبل ہی ہے۔ وسطی زمانوں کا سب سے بڑا الٰہیات دان مقدس ٹامس آکوئینس ہوا ہے اُور وہ سب سے بڑا الٰہیات دان ہونے کے علاوہ وسطی

زمانوں کے مفسّروں کا بھی سرتاج ہے۔

دی ایئنے کی کونسل سنہ ۱۳۱۱ء میں منعقد ہوئی اِس نے فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ یونیورسٹیوں میں عبرانی اور دیگر مشرقی زبانیں پڑھائی جایا کریں۔ پس اِن زبانوں کا پڑھایا جانا یونیورسٹیوں میں شروع کر دیا گیا۔ اِس کونسل سے لے کر ترنت کی کونسل تک جو سنہ ۱۵۴۵ء میں منعقد ہونا شروع ہوئی۔ بائیبل کے مطالعہ کو پہلے عبرانی اور پھر یونان کے قدیم حالات کے نئے علم سے فائدہ پہنچا اور ترنت کی کونسل کے بعد کے زمانے میں جو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں اُن کا باعث عبرانی اور قدیم یونان کے بارے میں نیا علم ہی تھا۔ سنہ ۱۵۴۶ء میں ترنت کی کونسل نے یہ منظور کیا کہ اسقفی گرجوں راہب خانوں اور دیگر تارک الدنیا لوگوں کی رہائش گاہوں میں جہاں کہ مطالعہ آسانی سے جاری رکھا جا سکتا ہے اور نمایاں ترقی کر سکتا ہے وہاں بائیبل کی پڑھائی کو عزت کا موزوں مقام حاصل ہونا چاہیئے اور یہ کام قابل شخصوں کے سپرد ہونا چاہیئے یعنی بائیبل پڑھانے والے قابل اشخاص ہونے چاہئیں۔ اِسی کونسل نے سختی اور زور سے یہ بھی مقرر کیا کہ خدا کے کلام کی منادی چوپانوں کا سب سے بڑا فرض ہونا چاہیئے تاکہ اتوار اور بڑی عیدوں کو لوگ خدا کے کلام کی خوراک سے کبھی بھی محروم نہ رہیں۔

فن اور ناٹک میں بائیبل :- کلیسیا بائیبل کے متن کی نقلیں کراتی رہی اور بائیبل کی زبانی تعلیم دیتی رہی جو خدا کا کلام لوگوں میں قائم رکھنے کا بڑا قومی اور پُر زور طریقہ ہے لیکن جن وسائل سے کلیسیا نجات کا پیغام لوگوں کے پاس لاتی رہی وہ وسائل یہیں ختم نہیں ہو جاتے یعنی وہ وسائل صرف یہی نہیں ہیں۔ چودھویں سے سولھویں صدی تک علوم و فنون کی پیدائش نو

اور چھاپے کی ایجاد نے بہت طرح سے بڑے بڑے فوائد پہنچائے۔ چودھویں سے سولھویں صدی تک کے زمانے کو رینیسینس یا علوم و فنون کی بحالی اور اِن کے پھر نئے سرے سے پیدا ہونے کا زمانہ کہتے ہیں۔ چھاپے کی ایجاد اور دریافت پندرھویں صدی مسیحی میں ہوئی تھی لیکن بجائے علوم اور چھاپے نے اُس علم کو بہت بڑی حد تک برباد کر دیا جو محض دیکھنے سے حاصل ہوتا تھا، پڑھنے سے نہیں مثلاً دینی تصویروں کو دیکھنے سے مذہبی باتوں کا بہت علم حاصل ہوتا تھا اور مذہبی ناٹک یا ڈرامے دیکھنے سے دینی معلومات میں بہت اضافہ ہوتا تھا اور دیکھکر مذہبی علم حاصل کرنے کا طریقہ بڑا مؤثر اور زور و قوت والا تھا۔ یہ طریقہ رُوم کے کیٹاکومز یا تہ خانوں کے زمانے سے لیکر گاتھی گرجوں کی تعمیر تک کا زمانہ ہے۔

بائیبل رنگ میں یُوں پائی جاتی ہے کہ تہ خانوں میں اور یونانی اور رُومی گرجوں میں رنگین مذہبی تصاویر پائی جاتی ہیں۔ تہ خانوں اور گرجوں میں رنگدار تصویریں بنائی ہوئی ہیں اور اُن تصاویر اور نقوش میں بائیبل آنکھوں کے سامنے رکھی گئی ہے۔ سنگ تراشوں، کندہ کاروں اور نقاشوں نے پتھر تراش کر، لکڑی گھڑ کر، دھات ڈھال کر اور مٹی ڈول کر مذہبی تصاویر بنائیں اور بائیبل لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رکھی۔ یہ کام گاتھ قوم کے نقاش، کندہ کار اور تصویر ساز کیا کرتے تھے۔ معماروں اور نقاشوں نے اِس صورت میں بائیبل لوگوں کو دی تھی اور جن ممالک میں گاتھی فن مروّج تھا وہاں شیشوں پر رنگدار تصاویر بنا کر بائیبل پیش کیجاتی تھی۔ گرجوں میں کھڑکیوں وغیرہ پر جو شیشے لگے ہوتے تھے اُن شیشوں پر رنگین تصاویر بنائی ہوئی ہوتی تھیں۔ یہ چیزیں مسیح تک پہنچانے کیلئے خدمتگار تھیں۔ پُرانے زمانے

ہیں جو لڑکا سکول جاتا تھا اُس کا خدمت گار اُسے سکول میں اُستاد کے پاس چھوڑنے جاتا تھا اور پھر گھر واپس لاتا تھا اِسی طرح شریعت ہم کو مسیح تک پہنچانے کیلئے خدمتگار تھی۔ گلتیوں ۳/۲۴۔ صرف اَب ہم اِس کی قدر پہچان سکتے ہیں کہ وہ چیزیں واقعی مسیح کے پاس پہنچانے کیلئے خدمت گار تھیں بشرطیکہ ہم اُس وقت کے حقیقی تاریخی حالات کو مدِنظر رکھیں۔ اُس زمانے میں بہت تھوڑے لوگ پڑھے لکھے تھے اور بائیبلیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں جو تعداد میں تھوڑی ہوتی تھیں۔ سب لوگوں کو بائیبل کتابی صُورت میں نہیں دِی جا سکتی تھی۔ سب کو بائیبل تصویری صورت ہی میں دی جا سکتی تھی پس اُسوقت کی تصویریں کھُلی کتابیں یا سب کیلئے کھُلی بائیبلیں تھیں اور یُوں یہ تصویریں اُس وقت کے لوگوں کو مسیح کے پاس پہنچانے کے لئے خدمتگار تھیں۔

عہدِعتیق اَور عہدِجدید کے واقعات اور نظارے گرجوں کی دیواروں پر متوازی سِلسلوں میں بنے ہُوئے ہوتے تھے اَور یُوں پیش نمونے اور اصل ساتھ ساتھ دکھائے ہوئے ہوتے تھے۔ پرانے عہدنامے کی باتیں وہ نمونے تھے جو نئے عہدنامے میں ہونے والی باتیں تھیں یعنی نئے عہدنامے کی باتیں اصل تھیں جن کے نمونے پُرانے عہدنامے میں دکھائے گئے تھے اور یہ دونوں طرح کی باتیں گرجوں کی دِیواروں پر تصویروں کی صورت میں ظاہر کی ہُوئی ہوتی تھیں اَور یہ تصویریں عوام کے دِل کو مسیح کی سچائی سے معمور کر دیتی تھیں جو بچانے والا اَور منصف ہے۔ اور جو دنیا کے زمانوں کا حقیقی بادشاہ اور مرکز ہے۔ غریبوں کی بائیبلیں بھی ہوتی تھیں جن میں تصویریں ہوتی تھیں۔

اَور اُن تصویروں کیساتھ اُن کا بیان بھی ہوتا تھا۔ وسطی زمانوں میں مذہبی ڈرامے بھی بائیبل کا علم پھیلانے کے بارے میں زبردست ذریعہ تھے خاص کر اُن پڑھوں میں اِنہیں کے ذریعے سے بائیبل کا علم پھیلایا جاتا تھا۔

۶۔ موجودہ زمانے میں :-

ترِنتے کی مجلس کے بعد کا زمانہ جو ۱۵۶۰ء سے ۱۷۰۰ء تک ہے۔ یہ ایسا زمانہ تھا گویا کہ آبائی زمانہ واپس آگیا تھا۔ یہ بجا طور پر بائیبل کی تفسیر کا دوسرا سنہری زمانہ کہلاتا ہے۔ اِس زمانے کے علماء کی ساری فوج میں سے دو کے نام دیئے جاتے ہیں ایک تو مالدوناتس تھا اَور دُوسرا کارنیلیئس آلا پیدے۔ اِس زمانے میں دونوں عہدناموں کی ہر کتاب کی ایک سے زیادہ تفسیریں لکھی گئیں جو قابل مصنفوں کی لکھی ہُوئی تھیں بائیبل کی ہر کتاب کی دو دو تین تین تفسیر کی کتابوں کا ہونا اِس زمانے کا بڑا کارنامہ ہے۔ اور اِس زمانے کے ہر اہم سوال کا حل کئی کئی علماء نے کیا انہوں نے اپنی عقلیں لڑائیں اَور اُس وقت کی مشکلات کو حل کیا! اٹھارہویں صدی اِس سے بہت کم روشن ہُوئی ہے یعنی عصرِ زرّین ثانی سے بہت گھٹیا ہوئی ہے۔ اِس صدی کا سب سے بڑا مفسّر شاید کالمت ہُوا ہے بائیبلی ریشنیلزم کا باپ سیملر ہُوا ہے جو اٹھارہویں صدی کے وسط میں یہ کام سرانجام دیتا تھا۔ بائیبلی ریشنیلزم نے کیتھولک فکر و تصور کو نہ پایا جب اٹھارہویں صدی شروع ہونے کو تھی اسوقت رچرڈ سائمن نے بائیبل کے مطالعہ کی تاریخی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ اگر اسکی تصنیفات میں بہت سی غلطیاں پائی جاتی تھیں مگر پھر بھی وہ کیتھولک تاریخی تنقید کا

بانی ہُوا ہے۔ تنقید جانچنے اور پرکھنے کے فن کو کہتے ہیں اور نقاد جانچنے اور پرکھنے والے کو کہتے ہیں۔ پس جانچنے اور پرکھنے کی مہارت اور قابلیت تنقید ہے اور جانچنے اور پرکھنے کے بارے میں قابل اور ماہر شخص نقاد ہوتا ہے۔ تاریخی تنقید سے تنقید دربارۂ تاریخ مراد ہے۔ تاریخی تنقید کو تنقید اعلےٰ بھی کہتے ہیں۔ تاریخی تنقید بائیبل مقدس کی کتابوں کی تاریخی اور ادبی لحاظ سے جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ یہ کتابوں کی تصنیف کے بارے میں تحقیق و تدقیق ہوتی ہے کہ کتاب کس نے لکھی اور کب لکھی اور مضمون کی کیا حقیقت ہے کیا وہ تاریخ ہے یا افسانہ ہے یا تمثیل ہے یا ڈرامہ ہے یا سبق آموز کہانی ہے یا تعلیم و ہدایت ہے اور نظم ہے یا نثر۔ کوئی کلام جس کے ذمہ لگایا گیا ہے کیا وہ اُسی کا ہے یا کسی اور کا کلام اُس کے ماتھے مڑھ دیا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتوں کے بارے میں تنقید تاریخی یا تاریخانہ تنقید کہلاتی ہے، اور تنقید متنی یا تنقید لفظی کو تنقید ادنےٰ بھی کہتے ہیں [illegible] نے کیتھولک تنقید تاریخانہ یا تنقید اعلےٰ کی بنیاد ڈالی تاہم یہ امر ملحوظ خاطر ہے کہ نئی اور پرانی مشکلات کو حل کرنے کے نئے طریقے ایک ہی دن میں جوان اور بالغ اور کامل نہیں ہو جایا کرتے سائمن اپنے زمانے سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا جو بیج اُس نے بویا اُس کو پھل لگنے کیلئے ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ لگا یعنی یہ اسوقت ہوا جبکہ کیتھولک علمیت ناراست الاعتقادی کی آزمائش کی بہت سی ہولناک کا مقابلہ کر چکی تھی۔ یہاں دربار پوپ نہایت مفید اور فیض بخش مینارِ نور ثابت ہوا۔

اٹھارہویں صدی کے آخری حصے اور اُنیسویں صدی کے ابتدائی

حصے میں بائیبل کے علمی کام میں کچھ زوال آگیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ کلیسیا کے دشمن اِس کے بارے میں کہتے تھے کہ اَب یہ بستر مرگ پر پڑی ہے۔ ایسا کہنے والے خُود کب کے مر چکے ہوئے ہیں لیکن کلیسیا تو بہار کی حالت میں ہے اور ڈگ یا لمبے لمبے قدم بھر کر ترقی کر رہی ہے۔ اُس وقت بھی انگلینڈ جیسے پراٹسٹنٹ ملک میں بائیبل کے کئی کیتھولک ایڈیشن شائع ہُوئے۔

پچھلے سو سال میں یعنی ۱۸۵۸ء سے لیکر مہذب دُنیا کے ہر ملک میں کیتھولک مسیحیوں نے بائیبل مقدس کے بارے میں عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں۔

۲- بائیبل کے شخصی مطالعہ کی تاریخ

[illegible]
آ گیا تھی اس میں پہلے یونانی زبان بولی جاتی تھی اور پھر لاطینی زبان بولی جانے لگی۔ خدا کی پروردگاری سے عوامی یونانی زبان کا مروج ہونا اِس امر کا باعث ہوگیا کہ کلیسیا عموماً اور خاص کر ایک ہی بائیبل کو استعمال میں لائے۔ اُس کیلئے ایک ہی بائیبل کا استعمال میں لانا کارآمد اور مفید ہو اور وہ ایک ہی بائیبل یونانی بائیبل تھی۔ اور عبادت کی زبان بھی ایک ہی ہو اور وہ یونانی زبان تھی۔ قریباً دو صدیوں تک ایسا ہی ہوتا رہا کہ کلیسیا اپنی تعلیم [illegible] میں یونانی بائیبل استعمال کرتی تھی اور عبادت کے وقت یونانی زبان [illegible] عبادت کی جاتی تھی۔ رُوم میں بھی یونانی ہی میں نماز پڑھی جاتی اور

دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ تیسری صدی کے پہلے نصف سے لاطینی زبان نے مغرب کے سارے وسیع خطے میں مسیحی زبان ہونا شروع کر دیا۔ مشرق میں یونانی ہی کو غلبہ حاصل رہا مگر اس طرف بھی کہیں کہیں جگہ شامی اور قبطی نے اس کی جگہ لے لی اور بعد میں زبانِ حبشہ اور ارمنی اور ثارثری زبانوں نے اس کی وسعت کو اور بھی محدود کر دیا۔ سنہ ۴۱۰ء اہم اور فیصلہ کن سال ہے۔ اس میں رومن حکومت پر جرمن حملے کامیاب ہو گئے۔ اس سال تک جو شخص بائبل پڑھتا تھا وہ یا تو یونانی میں اور یا لاطینی میں پڑھتا تھا۔ کتاب مقدس کا شخصی مطالعہ عام طور پر انہیں زبانوں میں مروّج تھا۔

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ صرف معدودے چند ہی نہیں تھے اور بعض کتابیں حیرت انگیز طور پر سستی تھیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ ساری بائبل صرف تھوڑے سے لوگوں کے پاس ہو سکتی تھی اور کمائے ہوئے چمڑے پر لکھی ہوئی بائبلوں کا خریدنا عام لوگوں کی طاقت سے باہر تھا۔ ان کے بڑے اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ایسی بائبلوں کو خریدنے کا خیال کریں۔ لیکن قدیم مصنفوں اور پاپیرس پر لکھی ہوئی کتابوں یعنی طوماروں اور قلمی نسخوں کی اس زمانے میں کثرت سے اشاعت ہوئی تھی۔ تلاش و جستجو اور کھدائی کرنے سے جو لکھا ہوا سامان اور مواد حاصل ہوا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کتابت کا کام بہت ہوتا تھا اور اس زمانے کے لکھے ہوئے طومار قلمی نسخے یا مخطوطات، دستاویزات، مکتوبات یا خطوط اور دیگر قسم کی تحاریر، پوری کتابیں اور جزوی کتابیں اور دیگر لکھی ہوئی اشیاء پوری یا جزوی اور لکھے ہوئے پرزے دستیاب ہوئے ہیں اور مسیحی علماء نے

وہ سب محفوظ کر لئے ہیں۔ ایک پرزہ ملا جس پر مقدس یوحنا کی انجیل کی ایک آیت لکھی ہوئی تھی مسیحی علماء نے اسے بھی حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔

اُس زمانے کے طوماروں کے لئے جب لفظ کتاب استعمال ہوتا ہے تو اُس سے طومار ہی مراد ہوتے ہیں لیکن کتاب کہنے سے یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے کہ پڑھنے والے اُسے ایسی شکل و صورت کی کتاب سمجھ لیتے ہیں جیسی آجکل ہوتی ہے۔ لیکن اُس زمانے میں کتابیں اِس شکل و صورت کی نہیں ہوتی تھیں بلکہ طوماروں کی صورت میں ہوتی تھیں۔ طومار اسٹام، دستاویز اور رہی کیطرح لمبے لمبے ہوتے تھے اور تیس تیس بتیس بتیس فٹ لمبے ہوتے تھے اور جسطرح اسٹام لپیٹ کر رکھتے ہیں، اُنہیں بھی لپیٹ کر رکھتے تھے اور جب پڑھنا ہوتا تھا تو جوں جوں پڑھتے جاتے تھے توں توں اُسے کھولتے جاتے تھے اور پڑھنے کے بعد اُس پھیلے ہوئے طومار کو پھر لپیٹ کر رکھ دیتے تھے چونکہ طومار لپیٹ کر رکھے جاتے تھے اِسی لئے آسمان کے جاتے رہنے کو طومار کے لپیٹ لینے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بائبل مقدس میں لکھا ہے کہ آسمان طومار کیطرح لپیٹ لیا جائیگا۔ اشعیا ۳۴/۴ آسمان جو پھیلا ہوا ہے وہ طومار کی طرح لپیٹ لیا جائیگا یعنی وہ نہیں رہے گا۔

قلمی نسخے کے لئے لاطینی لفظ کوڈیکس (CODEX) اور کوڈیکس (CAUDEX) ہے اِس کے معنی ہیں درخت کا تنہ۔ تختی۔ لوح۔ کتاب اس زمانے میں کتاب کے لئے وہی لفظ استعمال کیا جاتا تھا جو درخت کے تنے کیلئے تھا کیونکہ کتابیں اور سامانِ کتابت درخت کے تنے کے اندرونی چھلکے سے بنایا جاتا تھا۔ کاغذ ایک خاص درخت کے تنے

کے اندرونی چھلکے کا بنایا جاتا تھا جس سے طومار اور قلمی نسخے بنائے جاتے تھے۔ پس یہ طوامیر اور مخطوطات یا نسخہ جات بکثرت دستیاب ہوئے ہیں۔ اس زمانے کے بائبل کے بیشمار طومار اور نسخے ملے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اُس زمانے میں جتنے پڑھے ہوئے تھے اتنی کتابیں بھی مل جاتی تھیں۔ چوتھی صدی کے آخر میں مقدس جان خرد سوستم کہتا ہے کہ قسطنطنیہ میں ہر گھرانے سے خواہ وہ امیر ہو خواہ غریب یہ بخوبی امید کی جا سکتی تھی کہ وہ عہدِ جدید کی ایک جلد رکھے یا عہدِ جدید کا بہت بڑا حصّہ رکھے اور وہ دکھاوے کے لئے نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ لگاتار استعمال کرنے کے لئے رکھا ہوا ہوتا تھا۔

اُس زمانے کی کوئی شہادت موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اُن صدیوں میں کلیسیا مطالعۂ بائبل کی دشمن تھی اور اگر ہم ملکی اور دیسی زبانوں کے ترجموں کا ذکر کریں تو یہ حقیقت بیان کرنا ہوگی کہ مصر میں تیسری صدی کے دوسرے نصف اور چھٹی صدی کے آخر کے درمیان کتابِ مقدس قبطی زبان کی چار یا پانچ بولیوں میں پڑھی جاتی تھی یعنی صعیدی، بحیری، فیومی، اخمیمی اور صغیر اخمیمی میں۔ صغیر اخمیمی بعض اوقات اسیوطی بھی کہلاتی ہے۔ عظیم آبائی زمانہ زیادہ سے زیادہ ۵۰۰ء تک رہا۔ اِس زمانے کے ختم ہونے سے پہلے ہی مشرق میں کئی تراجم مستقل حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ اگر کوئی ایتھوپیا یعنی حبشہ سے جارجیا یعنی ژارژیا تک سفر کرتا تو یونانی چھوڑ کر اُس کا کتابِ مقدس کے ساتھ کوئی دس زبانوں یا بولیوں میں واسطہ پڑتا۔ دُوسرے لفظوں میں یوں کہیں گے کہ حبشہ سے جارجیا تک کے خطّے میں بائبل مقدس قریباً

دس زبانوں میں پڑھی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ کی بطریقیہ کے یورپی ممالک میں ہم کو صرف دو قدیم ترجموں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو گاتھی ترجمہ ہے جسے اُلفیلاس یا وُلفیلاس نے چوتھی صدی میں کیا اور ایک سلاوونی یا سلاوی ترجمہ جسے مقدس سِرل اور مقدس میتھوڈیئس نے نویں صدی میں کیا۔

مغرب کی بطریقیہ میں لاطینی ہی واحد ادبی زبان تھی اور چونکہ لاطینی ادب میں مذہب اور تہذیب پائے جاتے ہیں اِس لئے اِس ادب کے ذریعے سے ٹیوٹانک یا تیوتونی اقوام مسیحی اور مہذب بنائی گئیں۔ ٹیوٹانک اقوام جرمنی اور سکنڈی نیویائی اقوام تھیں اور اینگلو سیکسن قوم بھی ٹیوٹانک ہی تھی۔ ٹیوٹانک اقوام کو مسیحی اور مہذب بنانے سے جرمنی، سویڈن، ناروے، ڈنمارک، انگلینڈ، آئس لینڈ اور اِن کے گرد و نواح کے جزائر کے لوگوں کو مسیحی اور مہذب بنانا مُراد ہے۔ مغربی یورپ میں جو کوئی بھی پڑھنا لکھنا سیکھتا تھا وہ لاطینی ہی سیکھتا تھا۔ پس یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ جب تک مابعد زمانے کی لاطینی اور ٹیوٹانک زبانوں نے کچھ ادبی صورت اختیار نہ کر لی تب تک لاطینی بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ نہ ہُوا۔ ترجمے کے میدان میں پہلے اینگلو سیکسن مترجمین آئے۔ اِس کو کیڈمن کے زمانے سے شمار کیا جاتا ہے جس نے ۶۷۰ء کے قریب بائبل کے متعدد اجزاء کا مفصل ترجمہ کیا یا شرح کی۔ اُس پیرافریز کے وقت سے لے کر مُعزز بیڈ کے مقدس یُوحنّا کی انجیل کے ترجمے تک جو اُس نے ۷۳۵ء کو عیدِ صعود سے ایک دن پہلے اپنے بسترِ مرگ پر ختم کیا۔ وہ اپنی اُس بیماری میں بھی ترجمہ کرتا رہا جس بیماری نے اُس کی جان لے لی تھی۔ پس مرتے

ہُوئے مقدس نے انجیل چہارم کے ترجمے کو ختم کر کے چھوڑا اور پھر ایل فرک کے عہدِ عتیق کے جزوی ترجمے تک جو اُس نے ٩٩٠ء کے قریب کیا۔ یہ اینگلو سیکسن مترجمین کے میدانِ ترجمہ میں آنے کا زمانہ ہے۔ نارمن حملے نے اینگلو سیکسن بائیبل کی اِس ترقی اور نشوونما کو روک دیا۔ اِس اثناء میں ١٠٦٦ء کے قابلِ یادداشت سال سے پہلے ترجمے کے بارے میں یورپ کے باقی ممالک میں بہت کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اینگلو سیکسن قوم انگلینڈ یا برطانیہ میں آباد تھی لیکن کیڈمن، بیڈ اور ایل فرک انگلینڈ یا برطانیہ کے تھے۔ انگلینڈ برطانیہ کا حصّہ ہے۔ نارمن نارمنڈی کے تھے جو فرانس کا ایک شمالی علاقہ ہے۔ نارمن لوگوں نے ١٠٦٦ء میں انگلینڈ پر حملہ کر کے اِسے فتح کر لیا تھا۔

١١٠٠ء کے قریب فرانس میں زبور کے دو نارمن فرانسیسی ترجمے استعمال میں آنے لگے اِس سے پہلے کسی فرانسیسی ترجمے کا پتہ نہیں چلتا۔ جن ملکوں یا خطوں میں جرمن زبان بولی جاتی تھی وہاں بائیبل کے بارے میں زیادہ کام کیا گیا۔ ماندسی کا بینیڈکٹی راہب خانہ ترجموں کی داغ بیل ڈالنے والا یا بعد میں ہونے والے ترجموں کا پیشرو تھا۔ اِس نے ٧٤٨ء میں مقدس متی کی اِنجیل کا ترجمہ کیا۔ سینٹ گال اور ایمبرز برگ کے راہب خانوں میں دسویں اور گیارھویں صدیوں میں ناتکر لابیو اور ایبٹ ولیرم جیسے علماء نے ترجمے کئے۔ اِس وقت تک بائیبل کا ترجمہ مُلکی یا دیسی زبان میں مُلک جرمنی میں مُروّج ہو چکا ہُوا تھا۔ ڈبلیو والتھر کہتا ہے کہ چھاپے کے ایجاد ہونے سے پہلے مکمل اور جزوی جرمن بائیبلوں کے تقریباً تین ہزار چھ سو قلمی نسخے اِستعمال میں آتے تھے۔ ضروریات کے مطابق ترجمہ بلا روک ٹوک کیا جاتا تھا اور ترجموں کے قلمی نسخوں کی اشاعت کسی روک تھام اور

مزاحمت کے بغیر ہوتی رہتی تھی۔

فرانس میں کاردینجی بجائے علوم وفنون نے لاطینی کے استعمال کیطرف مائل کیا لیکن اِس نے فرانسیسی ادب پیدا کرنے کی طرف فوری قدم نہ اُٹھایا۔ یہ صرف صلیبی نبرد آزماؤں اور جنگجوؤں کے زمانے میں ہُوا اور اِس کا پہلا مرکز نارمنڈی میں تھا۔ تیرھویں صدی کے دَوران پیرس کی یونیورسٹی نے آدمیوں میں یہی تحریک پیدا کی کہ وہ ولگیٹ کی نظرِ ثانی کریں بلکہ اِس بات کے لئے بھی آمادہ کیا کہ وہ ساری بائیبل کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کریں جو پہلی مکمل فرانسیسی بائیبل ہو۔ انگلینڈ میں بھی یہی وقوع میں آتا یعنی ساری بائیبل کا انگلستانی زبان میں ترجمہ ہو جاتا لیکن انگریزی زبان کو قومی زبان ہو جانے کے لئے نارمن فرانسیسی پر فتح کا اِنتظار کرنا تھا یعنی انگریزی زبان اُس وقت قومی زبان بن سکتی تھی جبکہ اُسے نارمن فرانسیسی پر فتح حاصل ہو جائے۔ اِنگلستان میں نارمن فرانسیسی بھی بولی جاتی تھی اور جب ہوتے ہوتے اِنگلستان کی خاص زبان کو عروج حاصل ہو گیا اور وہ اکثریت کی زبان بن گئی تو یہ اُسکی نارمن فرانسیسی پر فتح تھی اور تب اُس کو قومی زبان ہونے کا درجہ حاصل ہُوا۔ اینگلو سیکسن اور نارمن فرانسیسی زبانوں کی ملاوٹ سے جو زبان بنی اُسمیں بہت زیادہ ملاوٹ اینگلو سیکسن زبان کی تھی اور تھوڑی سی ملاوٹ نارمن فرانسیسی کی تھی چونکہ اِس ملی جُلی زبان کا بہت بڑا حصّہ اینگلو سیکسن زبان کا تھا جو اینگل قوم کی بھی زبان تھی، اِس لئے اِس زبان کا نام اِنگلش یا انگریزی ہُوا اور ملک کا نام اِنگلینڈ یا اِنگلستان ہُوا۔ اینگلو سیکسن زبان کو تیرھویں صدی کے نِصف سے پہلے یہ غلبہ حاصل نہیں ہُوا تھا۔ کہا گیا ہے کہ زبور ہی بائیبل کا وہ واحد جُزو تھا جس کا ترجمہ ١٢٥٠ء اور ممات سیاہ کے درمیان انگریزی

زبان میں مروج ہوا یعنی ۱۲۵۰ء اور ۱۳۵۰ء کے درمیانی عرصہ میں صرف زبور کا ترجمہ انگریزی زبان میں پایا جاتا تھا۔ موتِ سیاہ یا کالی موت ایک ہولناک وبا تھی جو ممالک یورپ میں ۱۳۴۷ء سے ۱۳۴۹ء تک رہی اور اِس سے کروڑوں اشخاص ہلاک ہو گئے۔ ۱۳۴۹ء کے اختتام کے قریب انگلینڈ میں پہنچی اور کم از کم اِس کی نصف آبادی کا صفایا کر دیا۔ انگلینڈ میں اِس بیماری نے یورپ کے سب ممالک سے زیادہ نقصان کیا پس کالی موت تک سے مراد ہے ۱۳۵۰ء سے عین پہلے سالوں تک جو ۱۳۴۷ء سے ۱۳۴۹ء تک تھے پس اِس سے ایک سو سال کا وہ زمانہ مراد ہے جو ۱۲۵۰ء سے ۱۳۵۰ء تک تھا۔ اِس کے تیس سال سے کچھ زیادہ عرصے کے بعد یعنی ۱۳۸۲ء میں وِکلف کی بائیبل تیار ہوئی۔ یہ پہلی وِکلفی بائیبل تھی۔ ۱۳۸۸ء کے قریب وِکلفی جان پروے کے ہاتھ کا نظرِ ثانی کیا ہوا ایڈیشن تیار کیا گیا۔ یہ ایڈیشن وِکلف کی وفات کے کوئی چار سال بعد تیار کیا گیا تھا۔

یہ بھی حقیقت تعجب انگیز معلوم ہو سکتی ہے کہ پہلی مکمل انگریزی بائیبل کو اُن اشخاص نے تیار کیا جو کیتھولک نہیں رہے تھے لیکن اِس حقیقت کو حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے پہلے تو اِس بات کو مدِ نظر رکھنا چاہئے کہ اُسوقت آبادی کا بہت بڑا حصہ اَن پڑھ تھا اِس لئے بہت بڑی حد تک بائیبل کے انگریزی ترجمے کی ضرورت نہیں تھی اور دوسرے جو پڑھے لکھے تھے اُن میں سے اکثریت فرانسیسی بولنے والی تھی اور سب پڑھے لکھے لاطینی سمجھتے تھے اور اُن کے لئے بائیبل لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں موجود تھی۔ وِکلف اور اُس کے پیروؤں کو ترجمے کی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے ناراست عقائد کی اشاعت کر سکیں۔ سب نئی راہیں نکالنے والے ہمیشہ اِسی طرح کرتے

آئے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ اُس نے اپنے غلط عقائد کی تشہیر کے لئے غلط ترجمہ کر لیا۔ وِکلف کا ترجمہ تو ناراسخ نہیں تھا لیکن جب ترجمہ موجود ہو تو غلط تفسیر کرنے کا موقع خوب ہاتھ آتا ہے اور یوں بائیبل کے نام پر غلط تفسیر کے ذریعے سے ناراسخ ناراست اور نادرست عقائد پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دعویٰ بالکل بجا ہے کہ اگر وِکلف انگریزی میں ترجمہ نہ کرتا تو چودھویں صدی میں کیتھولک خود بھی انگریزی میں ترجمہ کر دیتے کیونکہ اُسوقت تک ملک میں انگریزی بخوبی قائم اور مستقل ہو چکی ہوئی تھی۔

اُن دِنوں میں وِکلف کی بائیبل ہی عام طور پر استعمال کی جاتی تھی اور اِسے اِستعمال کرنے والے صرف عوام ہی نہیں تھے بلکہ شرفاء اور کلیسیائی عہدیداران بھی تھے۔ اُس ترجمے کی جو جلدیں موجود ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وِکلف کا ترجمہ صحیح تھا بحیثیت ترجمہ وہ بے ضرر تھا اور نقصان دہ نہیں تھا۔ اِس ترجمے کی جو جلدیں موجود ہیں ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو پروے کے نظرِ ثانی کردہ ترجمہ کی ہیں۔ اِس ترجمہ کے شروع میں ایک دیباچہ ہوتا تھا جس میں اُنہوں نے اپنی غلط تعالیم کا اندراج کیا ہوا تھا اور اُس کے دیباچے کو دُور کر دینے سے اُس بائیبل کو راسخ الاعتقاد کیتھولک مسیحی بھی استعمال کر سکتے تھے۔ جو جلدیں موجود ہیں وہ بادشاہوں، شریفوں یا امراؤں اور راہب خانوں کی ملکیت تھیں اور اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمے کو استعمال کرنے کے لئے اُس کا دیباچہ دُور کر دیا ہوا ہے۔ اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ بائیبل جو اُن اشخاص نے تیار کی جن کے عقائد ناراسخ تھے وہ شک کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور اُس کی مخالفت بھی کی گئی لیکن کچھ عرصے کے بعد اِس پر شک کرنا اور اِس کی مخالفت کرنا بند ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا

کہ اِس میں کوئی تعلیمی غلطی نہیں پائی جاتی لہٰذا اِس کی اشاعت بے روک ٹوک ہوتی رہی۔

اَب اِس بہتان اَور جھوٹے اِلزام کا کافی جواب دیا جاچکا ہے کہ کلیسیا لوگوں سے بائیبل کے بارے میں فاقہ کشی کرایا کرتی تھی وہ لوگوں کو بائیبل کی رُوحانی خوراک مہیا نہیں کرتی تھی اَور یُوں لوگ فاقہ کش رہتے تھے مگر کلیسیا لوگوں کو فاقہ کشی نہیں کرا سکتی وہ لوگوں کو خدا کے کلام سے سیر کرنے کیلئے مقرر کی گئی ہے۔ خداوند یسوع مسیح نے فرمایا ہے کہ اے شمعون تُو چٹان ہے اَور مَیں اِسی چٹان پر اپنی کلیسیا بناؤں گا اَور عالمِ اَرواح کے دَروازے اُس پر فتح نہیں پائیں گے۔ عالمِ اَرواح یا پاتال کے دروازے یعنی موت کی قوتیں کلیسیا پر غالب نہیں آئیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحی کلیسیا پر موت نہیں آئے گی بلکہ جب تک دُنیا رہیگی تب تک کلیسیا بھی زمین پر موجود رہے گی۔ کلیسیا کی آبادی نیست و نابود ہونے سے ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ یہ آبادی کی موت سے حفاظت ہے۔ دوسرے کلیسیا ہمیشہ سچائی اور حق کا ستون رہے گی نہ خود گمراہ ہوگی اور نہ لوگوں کو کبھی گمراہ کرے گی۔ کلیسیا میں سچائی کی موت کبھی نہیں آئے گی۔ بدی کی قوتیں کلیسیا میں سچائی کی موت نہیں لا سکتیں۔ خداوند یسوع مسیح نے کلیسیا اِس لئے مقرر کی ہے اَور اِسے دُنیا میں اِس لئے رکھا ہے تاکہ یہ دُنیا میں اہلِ دنیا کو نجات کے وسائل مہیا کرے۔ لوگوں کو خدا کا کلام سُنائے انہیں خدا کا کلام بہم پہنچائے۔ انہیں وعظ و تلقین کرے اُنہیں عبادت کرائے اور سیکرامنٹ دے اور انہیں دینداری اور نیکی سے آراستہ کرے۔ یہ کلیسیا کا خاص کام ہے اَور اوّل درجے کا کام ہے اَور اِس سے مسیحی تہذیب اَور گرجوں سکولوں اور ہسپتالوں کے بنانے کا کام خود بخود پیدا ہوتا ہے مگر یہ ثانوی کام

ہے لوگوں میں سماجی بیداری پیدا کرنا بھی ثانوی کام ہے لیکن جو کلیسیا کا خاص کام اور اوّل درجے کا کام ہے یعنی لوگوں کو نجات کے وسائل مہیا کرنے کا کام اِس پر بدی کی قوتیں موت وارد نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ اِس کام پر موت لا سکیں تو کلیسیا کے قیام اَور اس کی موجودگی کا مقصد فوت ہوجاتا ہے وہ مقصد پُورا نہیں ہوتا پھر کلیسیا کی موجودگی کا کیا فائدہ ہوگا لہٰذا کلیسیا ہمیشہ فرض شناس رہتی ہے اَور وہ نجات کے وسائل مہیا کرتی رہتی ہے۔ وہ نجات کے وسائل بہم پہنچا کر لوگوں کو سیر رکھتی ہے اُن سے فاقہ کشی نہیں کراتی اَور بائیبل مقدس کے بارے میں بھی فاقہ کشی کبھی نہیں کرائی بلکہ اِسکی تعلیم سُنا سُنا کر لوگوں کو سیر رکھتی ہے چونکہ کلیسیا پر نجات کے وسائل کے بارے میں موت نہیں آسکتی یعنی کلیسیا میں نجات کے وسائل بہم پہنچانے پر موت نہیں آسکتی اِس لئے کلیسیا لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچانے اور بائیبل بہم پہنچانے کے بارے میں غفلت نہیں کر سکتی اَور لوگوں سے فاقہ کشی نہیں کرا سکتی۔

وہ جو کلیسیا پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اِس نے لوگوں کو بائیبل سے محروم رکھا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حالت خاص کر زمانۂ اصلاح سے پہلے تھی۔ انگلینڈ اُن معنوں میں سُست رفتار ہوسکتا ہے جن معنوں میں کہ بیان کیا جاچکا ہے۔ تاریخی لحاظ سے انگلینڈ اپنے خیالات میں یورپ کے باقی ممالک سے ایک پشت پیچھے تھا۔ یورپ کے باقی ممالک میں اِس سے بہت پہلے قلمی نسخوں کی وسیع اشاعت ہوچکی ہوئی تھی اور لُوتھر کی بائیبل کے شائع ہونے سے پہلے دیسی زبانوں کے ترجمے چھاپے خانوں سے اچھی خاصی تعداد میں چھپ کر شائع ہوچکے تھے۔ پہلی پراٹسٹنٹ بائیبل سے پہلے ملکی زبانوں میں مکمل بائیبل کے ایک سو چار ایڈیشن چھپ کر شائع ہوچکے تھے۔ بیس

ایڈیشن اطالوی میں، چھبیس فرانسیسی میں، انیس فلیمش یعنی بلجیئم کی زبان میں۔ دو ہسپانوی میں یعنی سپین کی زبان میں۔ چھ بوہیمی میں یعنی بوہیمیا کی زبان میں تیس جرمن میں اور ایک کسی اور زبان میں۔ ایک سو چار ایڈیشن شمار کئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا زبانوں کے علاوہ ایک ایڈیشن کسی اور زبان کا ہو یا جتنے جتنے ایڈیشنوں کی تعداد درج کی گئی ہے اِن میں سے کسی زبان کا ایک ایڈیشن زیادہ ہو۔ بہرحال ایک سو تین ایڈیشن تو یقیناً بنتے ہیں اور ایک سو چار تک شمار کئے گئے ہیں یا تو اُن کی تعداد یقیناً ایک سو چار ہے اور یا قریباً ایک سو چار ہے جو یقیناً ایک سو تین ہے۔ اِس کے علاوہ ملکی زبانوں میں کتاب مقدس کے حصص شائع ہوتے تھے خاص کر عہدِ جدید کی جلدیں اور زبور کی جلدیں۔ ہم مزید یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلی جرمن بائیبل سٹراس برگ کے مقام پر ۱۴۶۶ء ہی میں چھپ چکی تھی۔

اِس زمانے میں کتابیں کثرت سے شائع ہوتی ہیں مگر اُنکی رُوح دُنیاوی ہے۔ کلیسیا نے بڑے زور اور بڑی تاکید سے اپنے بچوں سے فرمایا ہے کہ وہ بائیبل کا دیندارانہ اِستعمال کریں۔ اِس بارے میں پوپ پائس ششم کی چِٹھی قابلِ یادگار ہے جو اُنہوں نے کلیسیائی عہدہ دار انتونیو مارتینی کو ۱۶ر اپریل ۱۷۷۸ء کو لکھی تھی اور پوپ بینیڈکٹ پانزدہم کا گشتی خط تسلی دینے والا روح نامی جو ۵ر ستمبر ۱۹۲۰ء کو جاری ہُوا وہ بھی اِسی کے بارے میں ہے۔ مقدس جیروم کی دیندار سوسائٹی کا اٹلی میں ۱۹۰۲ء میں آغاز ہُوا۔ اِس کا مقصد اناجیل اور اعمال کی وسیع پیمانے پر اشاعت کرنا ہے۔ دربارِ پوپ نے اِس کا ساتھ دیا اِسکی دستگیری اور پشتی کی اور پوپ لیو سیزدہم نے یہ اعلان

کیا کہ جو اشخاص کتاب مقدس کا رُوحانی مطالعہ کریں گے اُنہیں غُفرانوں کی صُورت میں برکاتِ الٰہی حاصل ہوں گی۔ یہ اعلان ۱۳ر دسمبر ۱۸۹۸ء میں کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے :-

جو مومنین کتاب مقدس کا کم از کم پندرہ منٹ ایسے احترام سے مطالعہ کریں گے جو خدا کے کلام کے شایان ہے اور اِسے رُوحانی طریقے کے مطابق پڑھیں گے اُنہیں تین سو دِن تک کا غفران حاصل ہو سکتا ہے اور وہ اشخاص جو اِس مطالعہ کو ہر روز جاری رکھیں وہ ہر مہینے کامل غفران حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ تفسیر کی مختصر تاریخ

خُداوند یسوعؔ مسیح کے زمانے میں فلسطین میں ربیوں کے تفسیر کرنے کا ایک طریقہ رائج تھا لیکن بائیبل کی تفسیر کرنے کا جو مسیحی طریقہ یونانی دنیا کی فضا میں جاری ہُوا اُس طریقے سے جو تفسیر کی جاتی تھی وہ زیادہ صحیح اور تحقیق کی ہوئی ہوتی تھی۔ اِس کا آغاز اِسکندریہ کے یہودیوں میں ہو چکا ہُوا تھا۔ ہوتے ہوتے کئی ایک علماء کے ذریعے اور خاص کر فیلو کے ذریعے محنتِ شاقہ سے مجازی اور تمثیلی تفسیر کا طریقہ جاری ہُوا۔ فیلو نے جو یہودی فلاسفر تھا ۴۲ء میں وفات پائی۔ اِس طرح کی تفسیر ازرُوئے نفسیات، اخلاقیات اور مابعدُ الطبیعیات کی جاتی تھی اور یہ تفسیر غیر مسیحانہ ہوتی تھی یعنی اُس میں مسیحا کے بارے میں کوئی مذکور نہیں ہوتا تھا۔ فیلو کا مجازی تفسیر کرنے کا طریقہ اِسکندری

مسلک کے مسیحی علماء نے اپنا لیا۔ فرق یہ تھا کہ اِسکندری طریقِ تفسیر کے مسیحی
علماء پرانے عہدنامے کی اُن باتوں کو جو مسیحا کے پیش نمونے تھیں پرانے
عہدنامے کی مسیحی تفسیر میں مناسب درجہ دیتے تھے کیونکہ یہ پیش نمونے
علمِ الٰہی کا مرکز ہیں۔ یہ کہ خدا نے پرانے عہدنامے میں مسیحا کے بارے میں
تعلیم دی ہے اِس تعلیم کو علمِ الٰہی میں اہم مقام حاصل ہے اور اسکندریہ
کے مسیحی علماء پرانے عہدنامے کی تفسیر کرتے وقت اِس امر کا وضاحت
سے بیان کرتے ہیں۔ مسیحی مجازی تفسیر اِس سچے اصول پر مبنی تھی کہ جو
کچھ محض لفظ ظاہر کر سکتا ہے بائبل کے اس سے بہت عمیق اور گہرے
معنی ہوتے ہیں اگرچہ مجازی تفسیر کرنے میں آریجن اور اِس مسلک کے
کئی ایک علماء حد سے بڑھ گئے مگر اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا
کہ مجازی تفسیر کرنے کا طریق سچے اصول پر مبنی تھا۔

تاریخی سچائی جو عہدِ عتیق سے حاصل ہوتی ہے فیلو نے گو اُس سے
انکار تو نہ کیا مگر اس کے ساتھ بہت غفلت اور بے پروائی برتی لیکن
مسیحی اگرچہ عہدِ عتیق میں پیش نمونوں کے پائے جانے کے اصول کو قبول
کرتے تھے مگر باوجود اِس اصول کے تسلیم کرنے کے وہ تاریخی بنیادی
سچائی سے بہت دُور نہیں جاتے تھے۔ وہ تاریخی سچائی سے اُتنی دُور
نہیں چلے جاتے تھے جتنی دُور فیلو چلا جاتا تھا اور اِس طرح اِسکندری مسلک
بنیادی اور حقیقی طور پر محققانہ ہی تھا یعنی حقیقت نویس اور اصلیت گو
ہی تھا۔ حقیقت لکھنے والا اور اصلیت کہنے والا تھا علاوہ اِس کے
اِس مسلک کے علماء کو زبانوں کے جاننے میں بڑی مہارت اور علمیت
حاصل تھی۔ آریجن نے منظم مرتب اور مسلسل الٰہیات کی داغ بیل ڈالی۔

اس نے علمِ الٰہی کو سلسلہ وار اور ترتیب وار بیان کرنے کے کام میں رہنمائی
کی۔ خاص کر تنقیدِ متن کے بارے میں اس نے بہت کام کیا پس اُن کے
سکھانے کے کام کو ابتدائی سا اور ادنےٰ نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ واقعی اعلیٰ
اور اعلےٰ درجہ کا تھا۔ آبائے اسکندریہ میں سے ایک نے کیا ہی عمدہ بات
کہی ہے جو زمانۂ حاضرہ کے محققوں کی بات جیسی بات ہے وہ لکھتا ہے
کہ وہ یہاں (یعنی عبرانیوں ۱/۲ کے بارے میں) یہ ضروری ہے کہ اُس
وقت کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے جب رسول نے یہ لکھا اور جس کے بارے
میں لکھا اور وہ بات بھی جو زیرِ غور تھی (اور اسی طرح ساری کتابِ مقدس
کے بارے میں بھی یہی طریق راست اور لازمی ہے) تاکہ ایسا نہ ہو کہ پڑھنے
والا ناواقفی کی وجہ سے اِن میں سے کسی سے محروم رہ جائے یا کسی خاص
بات کو حاصل اور معلوم نہ کر سکے اور یوں حقیقی معنے سے دُور جا پڑے"
اقتباس از اتھاناسیئس خلافِ آریس۔ مقدس اتھاناسیئس نے آریس
کے خلاف لکھتے ہوئے یہ تحریر کیا ہوا ہے۔ نیز وہ یہ کہتا ہے کہ ملکہ کندا کے
کا مختار واقعی تحقیق کرنے والا تھا کیونکہ اُس نے فلپس سے یہ دریافت کیا
تھا کہ آیا یشعیا ۵۳ میں مصنف اپنے بارے میں کہتا ہے یعنی کیا یشعیا
۵۳ کا مصنف اپنے بارے میں کہتا ہے یا کسی اور شخص کے بارے میں
بیان کرتا ہے اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ بائبل کی اقوام اور بائبل
کے جغرافیے کے بیان کی بنیاد یوسیبیئس نے ڈالی تھی جو اِسکندری
مسلک کا عالم تھا۔

اِسکندری مسلک کے علماء کے نام یہ ہیں:۔
پینٹینس، کلیمنٹ اسکندری، آریجن، ہپولیٹس۔

ڈینس اِسکندرِدی ، پمفیلس ، یوسیبیئس قیصروی ، مقدس انخاناسیئس ، مقدس باسِل ، مقدس گریگوری نزیانزم ، نیسہ کا مقدس گریگوری ، دِدِیمس نابینا ، مقدس امبروِس اور مقدس سیرِل اسکندرِدی -

پینٹینس اِسکندریہ کے سکول کا پرنسپل تھا اُس وقت ہندوستان میں جو مسیحی مبلغین تبلیغ کلامِ الٰہی کرتے تھے برہمن اور پنڈت اُن کے ساتھ بہت بحث و مباحثہ کرتے تھے پس انہوں نے پینٹینس کو اِسکندریہ سے ہندوستان آنے کو کہا وہ یہاں آیا اور یہاں ایک سال قیام کیا ۔ ایک سال کے عرصے میں وہ اُن سب پنڈتوں اور برہمنوں کو جو اُس کے ساتھ بحث کرنے آتے تھے کامل شکست دیکر واپس اسکندریہ چلا گیا اور وہاں جاکر وہاں کے مدرسے کا پھر پرنسپل ہو گیا ۔

مسلکِ انطاکیہ کا حقیقی محققانہ خاصہ اُس کے نظریہ اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے ۔ انطاکوی علماء اپنے جولانیِ خیالات و تفکرات کو اُس آوارگی سے بڑی احتیاط سے بچاتے تھے جس سے خواہ مخواہ مجازی معنے نکالے جاتے تھے جہاں مجازی معنی نہیں بلکہ لغوی اور لفظی معنی مراد ہوتے تھے اس کے بھی مجازی معنی نکالے جاتے تھے مگر انطاکوی علماء یہ نہیں کرتے تھے وہ الفاظ ہی سے چپٹے رہتے تھے اگرچہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ بائیبل ہمارے دل و دماغ کو چھوٹی چھوٹی حقیقتوں سے بڑی بڑی حقیقتوں کی طرف لے جاتی ہے اور یہ بات خاص کر اسرائیل کے مسیحی کلیسیا کا نمونہ ہونے میں پائی جاتی ہے مثلاً ہوشیع نبی کی کتاب کے پہلے باب کی نویں آیت میں اسرائیلی قوم کو لوعمی یعنی میرے لوگ نہیں کہا گیا ہے اور دوسرے باب کی پہلی آیت میں عمی یعنی میرے لوگ کہا گیا

ہے یہ اس بات کا نمونہ تھا کہ مسیحا کے وقت میں خدا کی بادشاہی کا تاکستان اسرائیلی اُمت سے لیا جائیگا وہ ہمیشہ کے لئے لوعمی یعنی میری اُمت نہیں بن جائے گی اور دوسری قوم کو وہ تاکستان دیا جائیگا جو خدا کی بادشاہی کے لائق پھل لائے ۔ یہ مسیحی اُمت ہے کیونکہ مسیحی کلیسیا غیر قوم لوگوں سے بنی ہُوئی ہے یہ کامل طور پر اور اَبد تک عمی یعنی میری اُمت ہوگی ۔

انطاکوی مسلک کے علماء ایسے مقاموں کے ایسے معنے کرنا بالکل جائز اور دُرست قرار دیتے تھے اور ایسے ہی معنے کرتے تھے ۔ اسرائیلی اُمت کا مسیحی کلیسیا کا نمونہ ہونا رومیوں ۹ / ۲۵-۲۶ میں ملاحظہ کریں ۔ خدا نے اپنے لوگ ہونے کے لئے غیر قوموں کے لوگوں کو بھی بُلایا ہے " ہوشیع کی کتاب میں خدا یُوں فرماتا ہے کہ وہ جو میری اُمت نہیں تھی اُسے اپنی اُمت کہوں گا اور جو پیاری نہیں تھی اُسے پیاری کہوں گا اور ایسا ہوگا کہ جس جگہ اُن سے یہ کہا گیا تھا کہ تم میری اُمت نہیں ہو اُسی جگہ وہ زندہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے " اعلےٰ چیزوں کو ادنےٰ کے ذریعے سے دیکھنے کیلئے اُنہوں نے ایک خاص اصطلاح بنائی ہوئی تھی جسے وہ تھیوریا کہتے تھے اس کے معنی خیالِ نظریاتی ہیں پس وہ ادنےٰ چیز میں اعلےٰ کے خیال کو اور ادنےٰ خیال میں اعلےٰ خیال دیکھنے کو تھیوریا کہتے تھے پس تھیوریا اُن کے نزدیک علمِ نظریاتی یا علمِ قیاسی تھا اور وہ اس کی حدود بڑی تحقیق سے قائم کرتے تھے اور وہ حدود کلامِ الٰہی کے الفاظ ہی تھے مثلاً اے شمعون تُو چٹان ہے اور میں اِسی چٹان پر اپنی کلیسیا بناؤں گا ۔ یہاں چٹان کے معنی لفظی اور لغوی نہیں بلکہ مجازی ہیں اگر لفظی معنے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ پطرس پتھر کا بنا ہُوا تھا لیکن اگر مجازی معنے لئے جائیں اور اِسے ایک اِستعارہ سمجھیں

تو اس کے معنی مضبوط بنیاد ہوں گے یعنی شمعون پطرس کلیسیا کی مضبوط بنیاد ہے۔ لغوی، لفظی اور تاریخی معنی کبھی ترک نہیں کئے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ کبھی غفلت اور بے پروائی نہیں برتی جاتی تھی۔ یہ دو مسالک یعنی اسکندرومی اور انطاکوی دو مختلف قسم کی تفسیروں کے مسلک تھے اسکندرودی مسلک مجازی اور روحانی تفسیر کا مسلک تھا اور انطاکوی مسلک لفظی اور تاریخی تفسیر کا مسلک تھا۔

مقدس یوحنا خرد سوستم انطاکوی مسلک کا مشہور اور ممتاز نمائندہ تھا۔ وہ کسی کتاب کی غرض و غایت، مقصد، مراد اور فحوائے کلام اور اُس کی تاریخی بنیاد اور اس کا تاریخی ماحول قائم کرنے کے بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ وہ الفاظ کے حقیقی معنوں کی چھان بین کرتا تھا وہ سیاق و سباق کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ الٰہی کتابیں چونکہ الٰہی انتظام کا آئینہ ہیں اِس لئے وہ تجسّد سے مشابہت رکھتی ہیں۔ اتحادِ الٰہی چار قسموں یا چار درجوں کا ہے۔ خدا کا اوّل درجے کا اتحاد یسوع مسیح کی انسانیت کے ساتھ ہے اور یہ ایسا اعلےٰ درجے کا اتحاد ہے کہ اِس سے خدا اور مسیح کی انسانیت ہم وجُود ہو گئے۔ دوسرے درجے کا اتحاد الہامی کتاب لکھنے والے مُلہم کے ساتھ ہوتا ہے۔ خدا اُس کے ساتھ ایسا متحد ہوتا ہے کہ دونوں سے تصنیف کا ایک ہی کام ہوتا ہے۔ خدا اور مُلہم کی تصنیف ایک ہی ہوتی ہے۔ مُلہم جو کچھ لکھتا ہے وہ کامل طور پر مُلہم کی تصنیف ہوتی ہے اور خدا اُس کے اِس کام میں اُس کے ساتھ ایسے متحد ہوتا ہے کہ وہ تصنیف کامل طور پر خدا کی تصنیف ہوتی ہے اور یُوں وہ تجسّد سے مُشابہ ہوتی ہے۔ خدا کے کلمے اور اُس

کی انسانیت کا اتحاد الہامی کتاب لکھنے کے لئے خدا اور مُلہم کے اتحاد سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا کا تیسرے درجے کا اتحاد عالمگیر کلیسیائی کونسلوں کے ساتھ ہوتا ہے اور چوتھے درجے کا اتحاد اُس انسان کے ساتھ ہوتا ہے جسمیں خدا کا فضل ہوتا ہے اور جس کے ساتھ خدا کا رابطۂ محبت و دوستی قائم ہوتا ہے۔ تجسّد سے خدا کا انتظامِ نجات ظاہر ہوتا ہے اور الٰہی کتابوں سے بھی انتظامِ نجات ظاہر ہوتا ہے۔ تجسّدِ الٰہی انسانوں کو خدا سے پیوست اور متحد کرتا ہے اور آسمانی کتابیں بھی انسانوں کو خدا سے پیوست اور متحد کرتی ہیں اور یوں الہامی کتابیں تجسّدِ الٰہی سے مشابہت رکھتی ہیں مقدس کتابیں خیال اور اظہار کی موزونیت معقولیت درستی اور صحت کو بھی پیش کرتی ہیں۔ وہ تفسیر کے بارے میں یہ تسلیم کرتا ہے کہ تفسیر صرف لفظی ہی نہیں ہوتی بلکہ مجازی بھی ہوتی ہے یعنی کلامِ الٰہی میں تمثیل، مشابہت، استعارے اور نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ تمثیلوں، مشابہتوں، استعاروں اور نمونوں کا صحیح بیان اور مطلب مجازی تفسیر ہے۔ مجازی تفسیر کی تمثیلی قسم کے بارے میں وہ اشعیا کی کتاب کے گیارہویں باب کی بھیڑیئے اور برّے کی صلح کی مثال دیتا ہے۔ مسیحا کی سلطنت میں بھیڑیئے اور برّے میں بھی صلح ہوگی یعنی مسیحا کی سلطنت کا زمانہ صلح اور سلامتی۔ امن اور آشتی اور محبت اور دوستی کا زمانہ ہوگا۔ میں مزید یہ کہتا ہوں کہ مسیحا کی رعایا کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر پھالے اور اپنے نیزوں کو درانتیاں بنالیں گے"۔ اشعیا ۲:۴ اِس کا مطلب یہ ہے کہ "قوم قوم پر تلوار نہیں چلائے گی اور وہ جنگ کرنا پھر کبھی نہیں سیکھیں گے"۔ اشعیا ۲:۴ اور اِسی کتاب کے گیارہویں باب میں لیتی کے تنے اور لیتی کی جڑوں سے

بستی کا گھرانا مراد ہے۔ کونپل اور بار آور شاخ سے مسیحا مراد ہے۔ شیر ببر کے بھوسا کھانے اور دودھ پیتے بچے کے سانپ کے بل کے پاس کھیلنے سے شیر ببر اور سانپ کا بے ضرر ہونا ہے اور شیر ببر اور سانپ کے بے ضرر ہونے بھیڑیے کے برّے کے ساتھ رہنے، چیتے کے بکری کے بچے کے ساتھ بیٹھنے بچھڑے، شیر کے بچے اور پلے ہوئے بیل کے مل جل کر رہنے اور ننھے بچے کے اُن کی پیش روی کرنے۔ گائے اور ریچھنی کے مل کر چرنے اور ان کے بچوں کے اکٹھے بیٹھنے اور دودھ چھڑائے ہوئے لڑکے کے افعی کے بل میں ہاتھ ڈالنے سے مسیحا کے زمانے کا بے ضرر ہونا اور اسکی سلامتی مراد ہے اور ننھے بچے کے پیش رَو ہونے سے مسیحا کے زمانے میں عرفان کی کثرت اور معموری مراد ہے۔ اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ "وہ میرے تمام کوہِ مقدس پر نہ ضرر پہنچائیں گے اور نہ ہلاک کریں گے کیونکہ جسطرح سمندر پانی سے بھرا ہے اُسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی"۔ اشعیا $\frac{11}{9}$ "تمام کوہِ مقدس" سے ساری دنیا مراد ہے نہ کہ محض اسرائیل۔ خداوند کا سارا ملک نہ کہ صرف یروشلیم۔ خداوند کا سارا ملک ساری زمین ہے پس جو نجات آنے والی تھی اُس میں ساری دنیا حصہ پانے کو تھی نہ کہ صرف اسرائیلی قوم۔ خداوند کے عرفان سے خداوند کی مرضی کا جاننا اور اُس پر عمل کرنا ہے اور خداوند کی مرضی پر عمل کرنے ہی سے سلامتی کا زمانہ آسکتا ہے۔ اور خداوند کی مرضی پر عمل کرنے سے ہی سلامتی کا زمانہ آئے گا۔

چونکہ مقدس خرِوسوستم بعض باتوں کا نمونہ ہونا تسلیم کرتا ہے اس لئے وہ اسے لباسِ مجاز میں پیشگوئی کہتا ہے یعنی نمونہ یا پیش نمونہ مجازی صورت میں پیشینگوئی ہوتا ہے۔ وہ محض لفظی معنی سے اونچے اور اعلےٰ معنی کی

طرف چڑھنے کو اناگوگے کہتا ہے۔ اناگوگے یونانی لفظ ہے اور اس کا معنی اوپر جانا یا اوپر چڑھنا ہے۔

یاد رہے کہ جو لفظ محض مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہو فی الواقع مجازی معنی ہی اس کے لفظی معنی ہوتے ہیں کیونکہ وہ لفظ استعمال ہی اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ صرف مجازی معنی دے مثلاً متی $\frac{16}{18}$ میں مقدس شمعون پطرس کو چٹان کہا گیا ہے۔ چٹان کا اس جگہ مطلب مضبوط بنیاد ہے۔ یعنی مسیح کی کلیسیا کی مضبوط بنیاد پس یہاں اس کے لفظی معنے مضبوط بنیاد ہی ہیں نہ کہ پتھر ہونا یا پتھر کا بنا ہوا ہونا۔

اسکندریہ کا مسلک مجازی تفسیر کا مسلک تھا اور انطاکیہ لفظی کا، لیکن اِن مسالک کے علماء کبھی کبھی اصلی حدود سے تجاوز کر جاتے تھے یعنی لفظی کو مجازی اور مجازی کو لفظی بنا دیتے تھے اور ایسا کرنا غلطی ہے اور حقیقت سے دُور ہو جاتا ہے۔ مثلاً جہاں خدا ہی کو خدا کہا گیا ہے اُس کے بارے میں کہنا کہ خدا کو مجازی معنی میں خدا کہا گیا ہے بڑی سخت غلطی ہے اور جہاں مقدس پطرس کو مجازی معنی میں چٹان یا پتھر کہا گیا ہے وہاں اُسے لفظی اور لغوی معنی میں پتھر سمجھنا بڑی بھول ہے مثلاً کوئی متی $\frac{16}{18}$ کو پڑھکر یہ کہے کہ واہ! ہم خوب سمجھے اِس بات کا تو ہمیں آج ہی پتہ چلا ہے کہ خداوند یسوع مسیح کا ایک رسول پتھر کا بنا ہوا تھا اور ایسا سمجھنا سخت غلطی ہی نہیں بلکہ پرلے درجے کی حماقت بھی ہے۔

انطاکیہ مسلک کے علماء کے نام یہ ہیں:-

لوشئین، مقدس افرائیم، ترسس کا دیودورس، مقدس اپی فانیس مقدس خرِوسوستم، ماپسُو ایستیا کا تھیودور، پیلوسیئم کا مقدس اِزیدور

اوریجان اور ہیرا کا تھیوڈورٹ ۔

کلیسیا کے قدیمی زمانوں میں تفسیر کا تیسرا بڑا مسلک لاطینی مسلک تھا۔ یہ مسلک لفظی اور تاریخی تفسیر پورے زور سے کرتا تھا اور مجازی اور رُوحانی تفسیر پر بھی اتنا ہی زور صرف کرتا تھا جتنا لفظی اور تاریخی تفسیر پر صرف کرتا تھا۔ گو یہ دونوں طرح کی تفسیر کرتا تھا۔ اور پہلے دو مسالک کی انتہاؤں اور زیادتیوں سے بچ بچ کر چلتا تھا اور اِس لحاظ سے تفسیر کا کامل اور بہترین مسلک تھا۔ اِس مسلک کا ایک بڑا عالم طرطولین ہوا ہے اُس کے طریقِ تفسیر سے اِس مسلک کے علماء کا طریقِ تفسیر ظاہر ہوجاتا ہے۔ طرطولین کتابِ مقدس کی روحانی یا مجازی تفسیر کو مسلمہ طریق تسلیم کرتا ہے مگر یہ بھی لکھتا ہے کہ میں شریعت کی رُوحانی اور پیشینگوئی ہونیوالی خاصیت کی پُر راز تفسیروں سے اجتناب کرتا ہوں اور یہ میں دیدہ دانستہ کرتا ہوں اگرچہ اسمیں قریباً ہر قسم کی طرزوں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ اور دُوسرے مقاموں میں وہ تفصیل کے ساتھ مجازی تفسیر کرتا ہے مگر وہ اِس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ مسائل تعلیم کی بنیاد مجازی اور تمثیلی اور رُوحانی تفسیروں پر نہیں رکھی جا سکتی کیونکہ اِس طرح کی تفسیر بعض اوقات کھینچ تان کر کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اُس بات کا وہ مطلب بالکل نہیں ہوتا جو کھینچ تان کر نکالا جاتا ہے اِس لئے یہ کئی دفعہ غیر یقینی ہوتا ہے اور اِس وجہ سے وہ کسی تعلیم کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ یسوع مسیح کی تمثیلیں بھی نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ تمثیلیں ہیں وہ صاف اور واضح بیان نہیں ہے اُن کا بھی کوئی کچھ مطلب نکالتا ہے اور کوئی کچھ اور اُن کا کچھ کا کچھ مطلب نکالا جا سکتا ہے پس کسی تعلیم کو یعنی تعلیمی مسئلے اور تعلیمی صداقت کو ایسے مقام ہی سے یقینی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے جہاں کوئی مسئلہ لفظی اور

لغوی معنی میں پایا جاتا ہو۔ وہ کہتا ہے کہ "ہم تمثیلوں کو ایسا چشمہ نہیں بناتے جہاں سے حقیقتِ مسائل حاصل کریں بلکہ حقیقتِ مسائل وہ چشمہ ہے جس کی مدد سے ہم تمثیلوں کی تفسیر کرتے ہیں اور یہ اُصول واقعی سُنہری اُصول ہے۔

مقدس جیروم بہت سے اشخاص اور واقعات کا پیش نمونہ ہونا تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ وہ شہادت یا گواہیاں نامی کتاب میں یہودیوں کی خاطر پیشینگوئیوں پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اُس کے عندیہ میں دانی ایل کی کتاب کا پہاڑ مسیح ہے۔ اسحاق، یوسف اور سیموئیل مسیح کے پیش نمونے ہیں اور منّ پاک یوخارست کا پیش نمونہ ہے اور جیروم اور دیگر سب آباء کے لئے کتابِ مقدس کی حقیقی تفسیر یہی ہے یعنی پرانے عہدنامے کی باتیں فی الواقع نئے عہدنامے کی باتوں کے پیش نمونے ہیں وہ آنے والی چیزوں کی پرچھائیں ہیں۔ اگر ہم یہ نہیں سمجھتے تو ہم اُس کی طرف سے اندھے رہیں گے جو کچھ خدا سکھانا چاہتا ہے۔

نوواتیان مقدس جیروم کا ہمعصر ہوا ہے۔ جب وہ ایسے بیانات کا ذکر کرتا ہے جن میں خدا کو انسان جیسا بیان کیا گیا ہے مثلاً خدا کا بازو۔ اُس کے ہاتھ، اُس کی آنکھیں اُس کے کان، اس کا غمگین ہونا اور غصہ کرنا تو وہ کہتا ہے کہ "نبی خدا کے بارے میں تمثیلوں میں بات کرتا تھا جسطرح کا اُسوقت ایمان کا زمانہ تھا اُس زمانے کے مطابق بات کرتا تھا نہ کہ ایسی بات کرتا تھا جیسا خدا فی الواقع ہے۔ وہ اِسطرح کی بات کرتا تھا جسطرح کی بات عوام قبول کرنے کے لائق تھے پس ایسے بیانات کو خدا سے نہیں بلکہ لوگوں سے منسوب کرنا چاہیئے"۔ پس لاطینی مسلک اگر محض لفظی تفسیر کرنے والا ہوتا تو وہ یہ کہتے کہ خدا کے ہاتھ پاؤں بازو ناک اور آنکھ فی الواقع ہیں اور

وہ سچ مچ غمگین ہوتا ہے اور غصہ کرتا ہے۔ وہ پسندیدہ خوشبو سونگھتا ہے جیسے کہ
نوح کی قربانی کے بارے میں لکھا ہے لیکن وہ تو یہ کہتے تھے کہ خدا کے ہاتھ
اور بازو سے اُس کی قدرت مُراد ہے۔ آنکھ اور کان سے ہمہ دانی اور ناک
سے سونگھنے سے قربانی کی مقبولیت اور پسندیدگی مُراد ہے۔ غمگین اور ملول ہونے
سے ناپسندیدگی مراد ہے۔ خدا انسان کے افعالِ بد کی وجہ سے انسان کو پیدا
کرنے سے غمگین ہوا، ملول ہوا اور پچھتایا یعنی اُس نے انسان کے بُرے
کاموں کو نہایت ناپسند کیا اور وہ ایسے کاموں سے سخت ناراض ہوا۔ اُس
کا غصہ کرنا انصاف کے لئے آمادگی یعنی انصاف کرنا ہے۔ پس اِس مسلک کے
علماء لفظی اور مجازی دونوں طرح کی تفسیر پر زور دیتے تھے اور ایسے ہی کرنا
چاہئے کیونکہ یہی طریق راست اور کامل ہے۔

لاطینی مسلک کے علماء کے نام یہ ہیں:-

طرطولیئن، مقدس سپرین، مقدس ہلاری، مقدس جیروم، مقدس
اگستین اور دیگر آبائے مابعد۔

مسیحی فلاسفروں اور الٰہیات دانوں کے زمانے میں یعنی وسطی زمانے
میں کتاب مقدس کے بارے میں تحقیق و تدقیق کے طریقے میں بڑی ترقی
ہوئی۔ وہ فضلاء جو بالکل صحیح کام کرتے ہیں تعریف اور تقسیم اُن کے خاص
ذریعے تھے۔ انہوں نے مقدس الفاظ کے مختلف معنوں اور تفسیروں میں
ایسی صحت کے ساتھ امتیاز کیا جیسا اِس سے پہلے کبھی نہیں کیا گیا تھا انہوں
نے متن کی عبارتوں کو اِس بارے میں جانچا تولا کہ علمِ الٰہی کے لحاظ سے کسی
مقام کی قدر و قیمت کیا ہے یعنی کسی عبارت میں کیسا اور کس قدر علمِ الٰہی پایا
جاتا ہے۔ وہ متن کی تقسیم کرتے اور ہر حصے کے مضمون کی حد بندی کرتے

تھے۔ وہ مصنف کے مقصد کی تحقیق کرتے اور وہ خیالات کے رابطے کی
توضیح کرتے تھے۔ اس ساری جانفشانی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اِس سے اُن
مقاموں کے معنوں پر بہت روشنی پڑی جو دھندلے اور مشکل تھے۔ اِن
علماء کی تفسیروں کے طریقے کی ہمدردانہ قدر و قیمت میں دخل پانے کے لئے صبر
کی ضرورت ہے اگر اِن علماء کی اور خاص کر مقدس ٹامس آکوینس کی تفسیروں
کا صبر سے مطالعہ کیا جائے تو پھر اُن کی قدر و قیمت معلوم ہو سکتی ہے اور اگر
کوئی اُن کی تصانیف صبر اور محنت سے مطالعہ کرے تو اُس کو اپنی محنت اور اپنے
صبر کا بہت پھل ملتا ہے کیونکہ یہ تصانیف بڑے غور و خوض اور محنتِ شاقہ سے
تیار کی گئی ہیں اِس لئے پُر زور اور نہایت اعلےٰ پایہ کی ہیں۔

عصرِ مابعدِ مجلس تریئنت یعنی ٹرینٹ کی مجلس کے بعد کا زمانہ کیتھولک تفسیر کا
دُوسرا سُنہری زمانہ تھا۔ اِس کو مختصر ہی سا بیان کرنے کی ضرورت ہے اِس کا خاص
کام اِس بات میں تھا کہ اِس کا آبائی تفسیر کے ساتھ بہت نزدیکی رابطہ اور
تعلق تھا۔ قابل علماء تنقیدِ متن، جغرافیہ بائیبل، علمِ آثارِ قدیمہ، علم الاوزان
والمساحت یعنی وزنوں اور ناپ تول کے علم یا علمِ پیمائش و علمِ وزن اور علم
سکّک کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔ علم سکّک سکّوں کا علم ہے۔ سکّک جمع ہے
سکہ کی۔ پس علم السّکّک سکّوں کا علم ہے۔ یہ دعویٰ راست ہے کہ بُروگز کا
لُوقس تنقیدِ متن کے چوٹی کے علماء میں سے ہے۔ اور جیسی تصنیف اجی لیئس
نے مزامیر کے بارے میں۔ مالدوناتُس نے اناجیل کے بارے میں اور ایسٹیئس
نے مقدس پولوس کے خطوط کے بارے میں کی ہے اُن سے کوئی نہیں بڑھ سکا۔
اُن تصانیف پر کسی کو فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں۔ مزامیر پر کسی نے
کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جو اجی لیئس کی تصنیف سے بڑھ کر ہو۔ اناجیل پر

کوئی شخص بھی ایسی کتاب نہیں لکھ سکا جو مالدوناٹس کی تصنیف سے اعلیٰ ہو اور مقدس پولوس کے خطوط پر کوئی ایسی تصنیف نہیں جو ایستیئس کی تصنیف سے فائق ہو۔

کیتھولک علماء کا زمانۂ حاضرہ کے تنقیدانہ اور تاریخانہ طریقوں کا اختیار کرنا۔ ان تمام صدیوں میں کیتھولک علمیت خاص کر اُس تعلیم پر مرکوز رہی جو بائیبل مقدس میں پائی جاتی ہے۔ تعلیم پر زور دینا یقیناً درست تھا لیکن چونکہ تاریخانہ طریقے نے نشوونما نہیں پائی ہوئی تھی اس لئے سابقہ تفسیر بہت بڑی حد تک ادبی قسموں اور بنیادوں، مشرقی زبانوں کے روزمرہ اور محاوروں اور طرزوں، عہدِ عتیق کے مکاشفہ کے ارتقا، عبرانیوں کے قومی اور سیاسی ماحول اور اسی طرح کی دیگر لسانی اور تاریخی باتوں کو نظرانداز کرتی تھی اور جب ان سب باتوں کو مدِنظر رکھکر بائیبل کا تنقیدا اور تاریخ کے طریقوں سے مطالعہ کیا گیا تو تنقیدانہ اور تاریخانہ طریقوں کے باعث بائیبل کے علم کی نئی صورت اور نئی حالت پیدا ہوگئی۔

رچرڈ سائیمن کی تصانیف جلد مفید ثابت نہ ہوسکیں اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس دلیر اور تیزفہم داغ بیل ڈالنے والے نے جن تصانیف میں تنقیدانہ طریقے کی بنیادیں ڈالی تھیں اُن میں غلطیاں پائی جاتی تھیں اور وہ غلطیاں اُن تصانیف اور اُس کے طریقۂ تنقید کی مقبولیت کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئیں اور اس کی تصانیف کی نامقبولیت کا دُوسرا سبب یہ تھا کہ اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف اور اُنیسویں صدی کے پہلے نصف میں سیاسی ہلچل، کھلبلی، بےچینی اور اضطراب کثرت سے تھا اور اُس کی کتابوں کی نامقبولیت کی یہ وجہ اُس کی غلطیوں سے بھی بڑی وجہ تھی اور یہ نامقبولیت کی خاص وجہ

تھی۔ اس اثناء میں فطری علوم نے بہت نشوونما پائی۔ تاریخ زیادہ تنقیدی اور نقادانہ معیاروں کے مطابق لکھی جانے لگی۔ قدیم یادگاروں اور قدیم جگہوں کی کھدائی سے جو علم حاصل ہُوا وہ مشرق سے نئی روشنی لایا۔ تقابل السنہ یعنی زبانوں کے مقابلہ کے علم اور زبانوں کے محققانہ مطالعہ نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور علم کے بہت سے مرکزوں میں جو ریشنلزم نے راہ پائی تھی اُس کا نئے طریقوں سے مقابلہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوگئی تھی۔

ویٹیکن کی دوسری کونسل کے بعد کلیسیا میں مطالعۂ بائیبل کے بارے میں نمایاں ترقی ہوئی ہے اِس زمانے میں اجتماعی عبادت کے وقت لوگوں کو کلامِ الٰہی پہلے سے کہیں زیادہ سُنایا جاتا ہے اسکی کثرت سے تلاوت کی جاتی ہے۔ وعظوں کے ذریعے سے کلامِ الٰہی سکھایا اور سمجھایا جاتا ہے۔ بڑے عمدہ اور نئے طریقوں سے عام لوگوں اور خاص کر سکولوں اور کالجوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو بائیبل کی تعلیم دیجاتی ہے۔ بائیبل کے بارے میں رسالے اور کتابیں کثیر تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ فی الواقع یہ بائیبل کے علم کی ترقی اور بائیبل کی اشاعت کا تیسرا زرّیں زمانہ ہے جو ویٹیکن کی دُوسری مجلس سے شروع ہوتا ہے یہ اپنی خاصیت (QUALITY) میں بہت بلندپایہ کا زمانہ ہے اور اپنے کلام کی مقدار (QUANTITY) کے لحاظ سے کسی زمانے سے ہیٹا اور پیچھے نہیں ہے۔ کسی زمانے میں جتنا کام کیا جائے اور جتنے عرصے کے لئے کیا جائے وہ اُس زمانے کی مقدار ہوتی ہے۔ زمانے کا کام اور عرصہ مقدار ہوتی ہے اور کام کی قسم کی خوبی اور عمدگی اُس کی خاصیت ہوتی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم تیسرے زرّیں زمانے میں موجود ہیں۔ خُدا کرے کہ اِس زمانے میں بائیبل کا علم اپنی خاصیت کے لحاظ سے اوّل درجے

کا ہو اور بائیبل اور اس کے علم کی اشاعت روز افزوں ہو اور جس طرح سمندر پانی سے معمور ہے اُسی طرح ساری دُنیا بائیبل کے علم سے معمور ہو اور اِس زرین زمانے کے عرصے کی مقدار قیامت تک یا دُنیا کے آخر تک ہو۔ یہ زمانہ لامتناہی ہو۔ یہ زمانہ ہمیشہ رہے۔ آمین یا رَبّ العالمین!



۴۔ زمانہ حاضرہ کے بائیبل کے کیتھولک مُطالعہ کا رُخ

۱۔ بیانِ عامہ:-

پراٹسٹنٹ اِصلاح کے وقت سے کیتھولک کلیسیا کی تعلیموں اور زندگی کے طریقوں اور قوانین اور تربیت پر سخت اعتراض کئے جاتے تھے۔ اِس لئے علمائے دین کیتھولک کلیسیا کی حمایت کرنے کے کام میں مصروف رہتے تھے اور یوں بائیبل کی خاص سٹڈی کیطرف کم توجہ دے سکتے تھے۔ آثارِ قدیمہ اور محققانہ علم کی نئی دریافتوں اور نئے تنقیدانہ اور تاریخانہ طریقوں سے فائدہ اٹھانے اور اُنہیں استعمال کرنے کی قیادت اور پیش روی پراٹسٹنٹ علماء کے ہاتھ آئی جن میں سے کئی ایک الہام و مکاشفہ کے منکر تھے اور صرف عقلی مذہب کو مانتے تھے۔ مذہب کے الٰہی ہونے کے خاصے کا انکار کرتے تھے۔ یہ پراٹسٹنٹ علماء ہالینڈ، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کلاں کے ممالک کے تھے فطرتاً اُن کے بہت سے نتائج حد سے بہت بڑھے ہوئے اور اصلیت سے بہت دُور تھے اور اُن میں سے بہتوں کی کتابیں اور تصانیف نامعقولیتوں کے ذخیروں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ بائیبل کے مطالعہ کے بارے میں

اور اِس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے نئے طریقوں کی آزمائش پرکھ اور اِمتحان اور نئے علم کے اِستعمال سے نقادوں نے بہت سی غلط، بے ہُودہ اور نامعقول باتوں کو جنم دیا تاہم انہوں نے دینی قدیم چیزوں اور باتوں کے علم میں لِسانیات یا زبانوں کے علم یا علم السنہ میں اور متنی اور ادبی تنقید کے تحقیقی علم میں بہت بڑی ترقی کی اور جو وجہ اوپر بیان کی گئی ہے اس کی بناء پر کیتھولک علماء نے اِس کام میں بہت تھوڑا حصہ لیا لیکن جو کام پراٹسٹنٹ علماء نے کیا اُس کے کچھ حصے سے کیتھولک علماء بہت متاثر ہوئے۔ اِن کا جو کام درست اور مفید تھا اُس سے تو کیتھولک علماء بہت متاثر ہوئے لیکن جو کام سراسر بے دینی اور بے ہودگی تھا اسے سختی سے نامنظور اور رَدّ کیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ انیسویں صدی کے شروع سے بعض کیتھولک علماء میں روایتی تفسیر کے قاعدے کو نرم کر دینے کا میلان پایا جانے لگا۔ ویٹیکن کی پہلی کونسل نے اُس قسم کے ریشنیلسٹی میلان کو روکنے اور دبانے کی کوشش کی۔ جیسا جہن (JAHN) جیسے چند مصنفوں کی تصانیف میں پایا جاتا تھا مگر آزمائش جوکھوں اور معرکوں کا وقت ابھی آنے کو تھا۔ جوکھوں اور معرکے کا نیا کام یہ تھا کہ کیتھولک علماء کو خصوصاً اور سب علماء کو عموماً راہِ راست پر رکھنے اور جلد بازی سے بچانے کے لئے روم کی کلیسیائی نظامیہ خصوصاً پانٹفیکل ببلیکل کمشن نے ہدایات جاری کرتی رہتی تھی۔ یہ کام سخت دشوار اور مشکلات سے معمور تھا۔ ماڈرنسٹوں اور ریشنیلسٹوں کا مقابلہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسیح کی کلیسیا اور مسیح کے مذہب کو برباد کرنے کے لئے شیطان اور اُس کے کارندے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور لگاتے رہتے ہیں۔

ماڈرنسٹ ماڈرنزم کو ماننے والے ہیں۔ یہ مسائل دین کو جدید

بیانوں اور جدید اصطلاحوں میں بیان کرنے والے تھے اور اِسی لئے وہ اپنے آپ کو جدیدی اور اپنے قاعدے اور طریقے کو جدیدیت کہتے تھے۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ سچائی صرف ذہنی ہوتی ہے خارجی نہیں ہوتی۔ کسی چیز کا علم یقینی نہیں۔ آج جو بات سچی سمجھی جاتی ہے کل کو وہ جھوٹی ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا مسائل دین قابلِ اعتبار نہیں ہیں ان کی سچائی یقینی نہیں ہے حتےٰ کہ خدا کے بارے میں جو علم ہے وہ بھی یقینی نہیں ہے سچائی پائیدار نہیں ہے جو بات آج سچی معلوم ہوتی ہے وہی کل کو جھوٹی معلوم ہوتی ہے اور جس بات کو آج سچی سمجھا جاتا ہے اُسے کل کو جھوٹی سمجھا جاتا ہے۔ اگر سچائی پائیدار نہیں اور صرف خیالی ہی خیالی ہے اور حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں اور اِس کی کوئی حقیقت نہیں تو دوسرے لفظوں میں اِس کا مطلب یہ ہے کہ سچائی ہے ہی نہیں لیکن جدیدی لوگ اِس بات کو سچی سمجھتے ہیں کہ سچائی صرف ذہنی ہے خارجی نہیں۔ سچائی کے بارے میں صرف خیال ہی خیال ہے اِس کی حقیقت کوئی نہیں تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ سچائی ہے ہی نہیں اور اگر سچائی کی کوئی حقیقت نہیں تو اِن کے اِس دعویٰ کی بھی کوئی حقیقت نہیں کہ سچائی ناپائیدار ہے اور خیالی ہی خیالی ہے اصل میں نہیں پس ان کے اِس دعویٰ کی سچائی بھی خیالی ہی خیالی ہے اصل میں نہیں یعنی ان کا یہ دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا کیونکہ سچائی تو ہے ہی نہیں اور اگر اِن کا یہ دعویٰ سچا ہو تو سچائی کا وجود ثابت ہو گیا اور جب سچائی کا وجود ثابت ہوا تو اِن کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ سچائی ہے ہی نہیں وہ کم از کم اپنی اِس ایک بات کو سچی سمجھتے ہیں کہ سچائی ہے ہی نہیں۔ خواہ ایک ہی بات سچی ہو اور خواہ لاکھوں کروڑوں

باتیں سچی ہوں سچائی کا وجود ثابت ہو جاتا ہے ایک ہی بات کے سچی ہونے سے بھی سچائی کا وجود ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا یہ دعویٰ جھوٹا ہوا کہ سچائی ہے ہی نہیں۔ سچائی ایسی سچی اور حقیقی ہے کہ اِس کے وجود کا انکار کرنے سے بھی اِس کا وجود ثابت ہو جاتا ہے اِسی طرح عقل کی موجودگی پر شک کرنے یا اِس کا انکار کرنے سے عقل کا وجود ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ شک کرنا، انکار کرنا اور اقرار کرنا عقل کا کام ہے عقل کے بغیر شک اِنکار اور اقرار ناممکن ہیں لہٰذا عقل کا انکار کرنے سے بھی عقل کا وجود ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ چونکہ عقل کا وجود ہے ہی نہیں اِس لئے مجھ میں عقل نام کو نہیں تو اُس کے اِس انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسمیں عقل ہے اور جو سچائی کے وجود کے انکار کو سچائی سمجھتا ہے وہ سچائی کے وجود کے اِنکار سے سچائی کا وجود ثابت کرتا ہے اِس جماعت کے علماء کی بنیادی اور سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ وہ سچائی کو پائیدار نہیں سمجھتے تھے یا یہ کہ وہ سچائی کے وجود کے قائل اور معتقد نہیں تھے۔ اِس جماعت کے سرکردہ عالموں میں سے ایلفرڈ لعازی، جارج ٹِرل اور سابٹیمن ہوئے ہیں۔ یہ تینوں کیتھولک پادری تھے اور کلیسیا سے خارج کئے گئے تھے۔

الفریڈ لعازی فرانس کا باشندہ تھا اور جرمن عالم ہرنیک کی غلطیوں کو غلطیاں ثابت کرنے کے لئے اُس کے مقابلے میں کھڑا ہوا لیکن ہوتے ہوتے غلطیاں کرنے میں ایڈلف ہرنیک سے بھی بازی لے گیا اور اُسے بھی مات کر دیا کیونکہ وہ تو خدا کے وجود کو مانتا رہا لیکن اِس کی عقل میں ایسا اندھیرا آیا کہ یہ خدا کی ہستی کا بھی منکر ہو گیا۔ جب ۱۹۰۸ء میں یہ کلیسیا میں سے نکالا جانے کو تھا تو اِسے کارڈینل سمجھانے تھے کہ اپنی غلطیوں

کو ترک کرو اور مسیحی سچائیوں کا پھر اقرار کرلو اور وہ روتے تھے کہ اتنا
بڑا عالم اور اتنا بڑا شخص کلیسیا سے خارج کیا جانے کو ہے تو یہ ہنستا تھا۔
جب وہ روتے تھے تب یہ ہنستا تھا اور اناجیلِ اربعہ جو میز پر پڑی تھیں
اُن کے بارے میں اُن کارڈینلوں کو کہتا تھا کہ کیا آپ اتنے بڑے آدمی ہوکر
اِن کتابوں کو تاریخی سمجھتے ہیں؟ یہ تینوں جدیدی ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ
پوپ پائس دہم کے عہدِ پوپیت میں کلیسیا سے خارج کئے گئے۔ اِس
جماعت میں زیادہ تر کیتھولک پادری اور غیر پادری کیتھولک مسیحی تھے۔

ریشنیلزم مذہبِ عقلی ہے۔ عقلیات یا علم میں یقین کی بنیاد
محض عقل کو ماننے کا نظریہ یہاں تک کہ مذہبی مسائل کو بھی محض عقل سے
ماننے کا نظریہ۔ اِس جماعت کے علما ایسی کسی بات کا یقین نہیں کرتے
جو عقل کی رسائی اور پہنچ سے پرے ہو لیکن عقل کامل رہنما نہیں ہے۔
کوئی عقل والا کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ کوئی کچھ مانتا ہے اور کوئی کچھ،
پس جسطرح اور سب باتوں میں خدا کی مدد کی ضرورت ہے اسی طرح
عقلی باتوں میں عقل کو خدا کی مدد کی ضرورت ہے اور چونکہ سب کام عقل
سے کئے جاتے ہیں اِس لئے عقل کو خدا کی مدد کی سب سے زیادہ ضرورت
ہے۔ مذہبی باتوں کے لئے عقل کو سب سے زیادہ امدادِ الٰہی اور الٰہی
دشمنی کی ضرورت ہے۔ پس مذہب جیسا معاملہ محض عقل پر نہیں چھوڑا
جا سکتا اِس لئے مذہب محض عقلی مذہب نہیں ہونا چاہئیے بلکہ الٰہی مذہب
ہونا چاہئیے۔ مذہب میں تعلیم خدا کی، حکم خدا کے، وعدے خدا کے اور
تائید خدا کے ہونے چاہئیں تو مذہب محض عقلی کیسے ہوسکتا ہے۔ مذہب
بالضرور الٰہی ہونا چاہئیے لیکن معتقدانِ مذہبِ عقلی الہام و مکاشفہ کا

انکار کرتے ہیں اور جو عقائد الہام و مکاشفہ کی بنا پر مانے جاتے ہیں اُن
سب کا انکار کرتے ہیں۔ جو الٰہی عقائد عقل سے بالا ہیں وہ بھی یقیناً راست
ہیں مثلاً دسویں اور نویں جماعتوں کی جیومیٹری پہلی جماعت کے بچوں کی عقل
سے بالا ہوتی ہے مگر بالکل راست اور درست ہوتی ہے اِسی طرح جو بات
بھی خدا سے ملی ہو مگر وہ عقلِ انسانی سے بالا ہو وہ یقینی اور بالکل سچی
ہوتی ہے۔ مگر جو بات عقل کے خلاف ہو وہ جھوٹی ہوتی ہے اور یقیناً جھوٹی
ہوتی ہے اور اُسے ہرگز نہیں ماننا چاہئیے لیکن جو بات مافوق العقل ہو اور
خدا سے ملی ہو اُس کا ضرور یقین کرنا چاہئیے اور اس پر ضرور ایمان لانا چاہئیے
ماڈرنسٹ اور ریشنیلسٹ دونوں مذہبِ الٰہی کے برابر منکر ہیں۔ ریشنیلسٹ
زیادہ تر پراٹسٹنٹ مسیحی تھے مگر الہام و مکاشفہ کے منکر ہونے کے بارے
میں کیتھولک ماڈرنسٹ اور پراٹسٹنٹ ریشنیلسٹ دونوں ایک ہی تھیلی
کے چٹے بٹے ہیں۔

ایسے لوگوں سے کلیسیا کو واسطہ پڑا تھا مگر جس علم کے ذریعے سے انہوں
نے مسیحیت کو جھٹلانے کی کوشش کی اور جن ذرائع سے مسیحیت کی مخالفت کی
اُنہیں سے خود جھوٹے ثابت ہوئے۔ زمین کی کھدائی کرنے سے اور غاروں
کی تلاش و جستجو سے خدا نے ایسا سامان بخشا اور اِسقدر بخشا جس سے مسیحیت
کو کامل فتح حاصل ہوئی اور مسیحیت کے دشمنوں کو شکستِ فاش ہوئی اور
بائبل چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں میں بھی راست ثابت ہوئی روم کی کلیسیائی
نظامیہ نے علمِ بائبل کو صحیح راہ پر رکھنے کے لئے شاندار رہنمائی کی تھی۔

وسیع النظر مسلک والوں کا یہ دعویٰ تھا کہ بائبل میں تاریخ اور علم
قدرت کے بارے میں فی الواقع غلطیاں پائی جاتی ہیں اِسطرح کے خیالات

کی تشہیر اور اشاعت پوپ لیو سیزدہم کے بائیبل کے بارے میں گشتی خط کے ضبطِ تحریر میں آنے کا باعث ہوئی۔ یہ "تمام پروردگاری کا خدا" نامی خط ۱۸ نومبر ۱۸۹۳ء کو شائع کیا گیا اور پوپ بینیڈکٹ پانزدہم نے "تسلی دہندہ رُوح" نامی گشتی خط ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو شائع کیا اور پوپ پائس دوازدہم نے "الٰہی روح سے الہام پاکر" نامی گشتی خط ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کو شائع کیا۔ پوپ لیو سیزدہم کا "تمام پروردگاری کا خدا" نامی خط زمانۂ حاضرہ کے مطالعۂ بائیبل کی دستاویزِ اعظم کہلاتا ہے اور وہ فی الواقع ایسا ہی ہے اور جو تعلیمیں اِس خط میں پیش کی گئی ہیں اُن پر پوپ بینیڈکٹ پانزدہم نے اپنے خط "تسلی دہندہ رُوح" میں بہت زور دیا اور انہیں زیادہ صفائی سے پیش کیا۔ اور پوپ پائس دوازدہم کا خط "الٰہی روح سے الہام پاکر" نامی ان دونوں خطوں کا ضمیمہ اور تتمہ ہے اور اسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اِن خطوں کی تعلیمات اور ہدایات کو موجودہ حالات میں کس طرح استعمال کرنا چاہیے۔ پوپ لیو سیزدہم کے اعلان سے لیکر پوپ پائس دوازدہم کے اعلان تک نصف صدی کا عرصہ ہوتا ہے اِس نصف صدی کے عرصے میں کلیسیائی نظامیہ نے بائیبل کے علم کی ترقی کے لئے بڑے عظیم اعلان اور عملی تدبیریں کیں اور اِن سے بخوبی اندازہ ہوسکتا اور پتہ چل سکتا ہے کہ کلیسیا بائیبل کے محققانہ مطالعہ کے بارے میں کس مقام پر کھڑی ہے۔

پوپ لیو سیزدہم کے خط "تمام پروردگاری کا خدا" کی غرض و غایت یہ تھی کہ الہامی کتابوں کی قطعی سچائی کے بارے میں کلیسیا کی جو تعلیم ہے اُسے پیش کیا جائے اور اس کی حمایت کی جائے۔ قلمی نسخوں میں کتابت کی غلطیاں پائی جا سکتی ہیں۔ کاتبوں اور نقل نویسوں سے نقل

کرتے وقت غلطیاں ہوسکتی ہیں کسی عبارت کا مطلب مشکوک ہوسکتا ہے یعنی غیر واضح ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی مترجم نے کسی عبارت کا ترجمہ ناقص یا غلط کیا ہو لیکن جب کوئی الہامی کتاب پاک مصنف کے ہاتھ سے نکلی تھی تو اُس وقت اس میں سچائی کے خلاف کوئی بات نہیں تھی یعنی اُس وقت اُس میں سچائی ہی سچائی تھی۔ کلیسیا کا قدیمی عقیدہ اور جو عقیدہ ہمیشہ مروج رہا ہے وہ یہ ہے کہ بائیبل کا ہر حصہ الہامی اور سچا ہے یعنی ساری کی ساری بائیبل الہامی ہے اور اِس بات کے ماننے سے یقیناً روکتی ہے کہ بائیبل کے صرف بعض حصے ہی الہامی ہیں مثلاً صرف تعلیمی حصے اور اِس بات کے ماننے کو بھی اُسی سختی سے منع کرتی ہے کہ بائیبل میں جو باتیں معمولی اور ادنےٰ درجے کی ہیں اُن کے بارے میں پاک مصنف سے غلطی ہوسکتی تھی پس مسئلہ یہ ہے کہ ہر الہامی کتاب ویسے ہی لازماً غلطی سے مبرا ہے جیسے کہ یہ لازمی طور پر ناممکن ہے کہ خدا غلطی کا مصنف ہو۔

جو اصول بائیبل کی خاص مشکلات کو حل کرنے کیلئے رہنما ہیں اُنہیں بیان کرنے کے بعد پوپ لیو نے اِس بات کے بارے میں سخت تاکید کی کہ تفسیر کی کیتھولک روایت پر کاربند ہونا چاہیئے لیکن وہ زمانۂ حاضرہ کے ذرائع امداد کو بھی اِستعمال کرنے کی سخت تاکید کرتا ہے خاص کر زمانۂ حاضرہ کی علمیت، بائیبل کی زبانوں اور دیگر مشرقی زبانوں کے علم، اصل متن کی تنقیدانہ بحالی، تفسیر کے صحیح قواعد کے اِستعمال اور موزوں قابلیت اور علمیت سے بائیبل کی تشریح و توضیح پر بہت زور دیتا ہے لیکن اِس شرط کے ساتھ کہ بائیبل کی تعالیم کو زبان دانی، تاریخ اور علمِ آثارِ قدیمہ وغیرہ کے سیلاب میں نہ بہا دیا جائے۔

پوپ پائس دوازدہم کا گشتی خط "الٰہی رُوح سے الہام پاکر" بھی
بائیبل کی تعلیم پر زیادہ زور دیتا ہے جسطرح کہ اُس سے پہلے پوپوں لیو سیزدہم
اور بینیڈکٹ پانزدہم نے بائیبل کی تعلیم کے بارے میں زور دیا تھا۔
اور جسطرح پوپ لیو سیزدہم نے اُن سب باتوں اور اُمور سے مدد لینے اور
انہیں اِستعمال کرنے کی تاکید کی تھی جن کے ذریعے سے بائیبل کی تحقیق ہو سکتی
ہے اُسی طرح پوپ پائس دوازدہم نے بھی زمانۂ حاضرہ کے اُن سب وسائل
کو اِستعمال کرنے اور کام میں لانے پر بہت زور دیا ہے جن کے ذریعے
سے بائیبل کے بارے میں تحقیق کی جا سکتی ہے اور اسطرح کرنے سے
بائیبل کی تحقیق اور اِس کے مطالعہ کی حالت میں بہت بڑی تبدیلی پیدا
ہوتی ہے۔

مشرقی زبانوں کا علم حاصل کرنا بتدریج آسان ہوتا گیا ہے۔ تنقیدِ متن
بالکل صحیح فن بن گیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل کی اصل زبانوں اور
قدیم ترجموں کے تنقیدانہ متن کو شائع کرنے کے لئے اب حالات سازگار
ہوئے ہیں یعنی اب بہترین حالات میسر ہوئے ہیں اور وہ وسائل بھی حاصل
ہیں جن کے ذریعے سے خدا کے کلام کے اصل مطلب کا جاننا آسان ہوتا
جائیگا اور اس کا وہی مطلب سمجھا جائیگا جو کہ فی الواقع ہے اور یُوں موجودہ
زمانے میں جو خدا کے کلام کو ایسا ہی جاننے کی بھوک ہے جیسا کہ وہ ہے
اس کے بارے میں سیری ہو جائے گی۔ بائیبل کے ماحول کا علم یعنی پرانے
زمانوں کے علوم ادب۔ واقعات، رسم و رواج اور تہذیب [illegible]۔ ان
باتوں کے بارے میں علم حیرت انگیز طور پر بڑھ گیا ہے اور کثیر
مقدار اور تعداد میں [illegible] دستیاب ہوئے ہیں اور ان کی دریافت

اور دستیابی نے خداوند یسوع اور رسولوں کے زمانے پر بہت روشنی ڈالی
ہے اور آبائے کلیسیا کی تفسیروں کیطرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے اور پرانے
زمانوں میں جو مختلف طرزِ کلام، طرزِ تحریر اور طرزِ بیان اور مختلف قسم کی لکھائیوں
اور بیانات کی جو طرزیں مروّج اور متداول تھیں اُن کا گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔
اِس سب کچھ کو ملحوظِ خاطر رکھنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اب وہ وقت
آپہنچا ہے کہ ہم کلیسیا کی تفسیرانہ روایت کی دولت کے پاس زیادہ اثر پذیر
صورت میں پہنچ سکتے ہیں اور زمانۂ حاضرہ کی انواع و اقسام کی ساری علمیت
کو بائیبل کی حقیقت جاننے کیلئے اِستعمال کر سکتے ہیں موجودہ زمانے کے طریقوں
اور آبائے کلیسیا کی تصانیف کے مطالعہ سے وہ بات پوری ہو جائیگی جس کے
پوری ہونے کی پوپ پائس دوازدہم نے اُمید کی تھی اور وہ یہ تھی کہ متقدمین
کی علمیت اور رُوحانی مالش اور مرہم کے ساتھ متاخرین کی بڑی علمیت اور
بہتر طریقوں کے ملنے سے ایک مبارک اور پھلدار میل ہوگا جو کتاب مقدس
کی علمیت کے کھیت میں نیا پھل لائے گا۔ کتاب مقدس کے علم کا کھیت ایسا
کھیت ہے جو ہمیشہ زرخیز رہتا ہے لیکن اس کی کاشتکاری کبھی بھی کافی
طور پر نہیں ہوتی۔

پوپ لیو سیزدہم کے خط "تمام پروردگاروں کا خدا" کی اشاعت کے وقت
سے کلیسیائی نظامیہ بائیبل کے علم کو بہت ترقی دینے کے لئے بہت کوشش
کر رہی ہے۔ دومنیکی جماعت نے ۱۸۸۹ء میں یروشلیم میں بائیبل کے علم کا
ایک مدرسہ کھولا اور پادری جے ایم لاگرانژ اور اس کے ساتھیوں جیسی قابل
ہستیوں نے دنیا کو قابلِ تعریف مضامین کے سلسلے مہیا کئے۔ پوپ کی
درسگاہِ علمِ بائیبل نے کارِ نمایاں سرانجام دئیے ہیں اِس نے بہت سے علماء

کو بائبل پڑھانے کا پروفیسر بنایا ہے۔ اِس درسگاہ نے پہلے انہیں پڑھایا ہے اور پھر اُنہیں معلمینِ بائبل بنایا ہے اِس درسگاہ کا آغاز ۱۹۰۹ء میں ہُوا تھا۔ اِس کی طرف سے دو رسالے شائع ہوتے ہیں ایک کا نام ببلیکا ہے جو سہ ماہی ہے۔ یہ ۱۹۲۰ء میں جاری ہُوا تھا دوسرا رسالہ خداوند کا کلام نامی ہے یہ ۱۹۲۱ء میں جاری ہُوا تھا یہ رسالہ پہلے ماہوار تھا لیکن اَب پانزدہ روزہ ہے۔ اِن دونوں رسالوں میں بائبل کے بارے میں تحقیق کیا ہُوا علم شائع ہوتا رہتا ہے اِن کے علاوہ اِس درس گاہ کیطرف سے بائبل کے بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اِس کا ایک سکول یروشلیم میں بھی ہے۔ اور اسی شہر میں فرانسسکن جماعت کا بائبل کی تعلیم و تدریس کا ایک سکول بھی ہے جس میں بائبل کے علم کی اعلےٰ پایہ کی تعلیم دیجاتی ہے اور اِس جماعت کیلئے بائبل پڑھانے کے لیکٹر (LECTOR) بنائے جاتے ہیں۔ فرانسسکن جماعت کی یہ درس گاہ ۱۹۲۳ء میں قائم کی گئی تھی۔

۱۹۰۲ء میں ببلیکل کمشن قائم کی گئی اور بعد میں بائبل کے علم کی ڈگریاں دینے والے مدرسے کھولے گئے اور ۱۹۰۶ء میں پوپ پائس دہم نے ایک پروگرام سیمنریوں میں بائبل پڑھانے کے بارے میں مرتب کیا اور ۱۹۱۴ء میں ولگیٹ لاطینی ترجمہ کی نظرثانی کرنے کے لئے ایک خاص کمشن مقرر کی گئی یہ اِس بات کا مزید ثبوت ہے کہ کلیسیا بائبل کے علم کی بیش قیمت جائیداد کے بارے میں کیسی فکرمند ہے۔

۲۔ بائبل کے بارے میں زمانۂ حاضرہ میں کیتھولک کارگردگی یا میدانِ عمل اور سرگرمیاں:-

کلیسیا کی فکرمندی پھلدار اور بارآور ہونے کے بارے میں سُست رفتار

نہیں رہی ہے۔ روم میں جو پوپی درس گاہ ہے اور یروشلیم کی درسگاہ کی طرف سے کتابیں اور رسالے بائبل مقدس کے بارے میں شائع ہوتے رہتے ہیں وہ اِس بات کا ثبوت ہیں کہ بائبل کے بارے میں کیتھولک کلیسیا کے علماء پوری تندہی اور تحقیق سے کام کر رہے ہیں۔ پائس دوازدہم اِس حقیقت کو مدِنظر رکھکر کہتا ہے کہ کیتھولک مسیحیوں میں جو ترقی بائبل کے علم اور اِس کے اِستعمال کرنے کے بارے میں ہوئی ہے وہ ہم سے پہلے پوپوں کے قواعد وضوابط ہدایات اور نصائح ہی پر موقوف نہیں بلکہ یہ بہت بڑی حد تک اُن اشخاص کی محنت اور کارگردگی پر موقوف ہے جو اُن کے حکموں اور اُن کی ہدایتوں کو عمل میں لائے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اِس بات کا خوشی سے اقرار کریں۔ انہوں نے بائبل کا دھیان کیا۔ اِس کے بارے میں کتابیں لکھیں اِس کی تعلیم دی تبلیغ کی ترجمے کئے اور اِس کی اشاعت کی۔ الٰہیات اور بائبل کی اعلےٰ درجے کی درسگاہوں اور خاص کر بائبل کی پوپی درس گاہ نے بائبل کے بہت سے علماء پیدا کئے ہیں اور روزانہ پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اُن علماء میں بائبل کے بارے میں بڑی سرگرمی پائی جاتی ہے۔ یہی جوش اور سرگرمی جو اُن میں پائی جاتی ہے وہ جوان پادری صاحبان میں بھی پیدا کرتے ہیں اور بائبل کا جو علم اُنہیں حاصل ہے وہ بڑی محنت سے اُن تک پہنچاتے ہیں یعنی اُنہیں سکھاتے ہیں۔ اِن میں سے بہت سے اپنی تصانیف اور اپنے مضامین کے ذریعے سے طرح طرح سے بائبل کے علم کو ترقی دیتے ہیں اور دیتے رہے ہیں۔ پاک متن کے تنقیدانہ اور محققانہ ایڈیشن شائع کرتے ہیں اُن کی وضاحت اور تفسیر کرتے ہیں دیسی زبانوں میں اُس کا ترجمہ کرتے ہیں اور مومنین کے دھیان اور دیندارانہ مطالعہ کے لئے اُنہیں بائبل مہیا کرتے

ہیں اور دُنیوی علوم کو پڑھتے اور کام میں لاتے ہیں کیونکہ اُن سے کتابِ مقدس کی تفسیر میں بہت مدد ملتی ہے۔

اِس حقیقت کو بھی مدِّنظر رکھنا چاہیئے کہ کلیسیا میں بائیبل انجمنیں کثرت سے قائم ہو چکی ہیں۔ مختلف مقاموں میں بائیبل کے بارے میں مجلسوں کانگرسوں اور میٹنگوں کا انعقاد ہوتا ہے اور ہفتہ ہفتہ بھر کے لئے بائیبل کے بارے میں اجلاس ہوتے ہیں اور انجیل کے پڑھنے اور اس کا دھیان کرنے کے بارے میں بہت سعی و کوشش جاری ہے۔ جن ممالک میں انگریزی بولی جاتی ہے مثلاً ریاستہائے متحدہ امریکہ اور انگلستان میں انگریزی زبان بولی جاتی ہے وہاں بائیبل کے بارے میں انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور اِن دو ملکوں کے نمونے پر چل کر دنیا کے باقی حصوں میں بھی اِس طرح کی انجمنیں قائم کی گئی ہیں۔ بائیبل کے بارے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے خاص کر اس کے تاریخی پہلو کو روشن اور اجاگر کرنا اور اُس کی توضیح اور تشریح کرنا باقی ہے۔ بائیبل کے الہام کے طور و طریق کا جوں جوں زیادہ عمیق اور گہرا مطالعہ ہوتا گیا ہے توں توں یہ بات زیادہ واضح اور صاف ہوتی گئی ہے کہ بائیبل ایک مشرقی کتاب ہے اور شخصی سیرتوں، معاشرت اور تہذیب کے حالات اور مصنفوں کے زمانوں کے حالات کی روشنی میں بائیبل کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ زمانۂ حاضرہ کے مطالعۂ بائیبل کی اِن صورتوں ہی کی طرف "الٰہی رُوح سے الہام پاکر" نامی خط نے توجہ دلائی ہے اگر اِس بات کا ٹھیک اندازہ لگانا ہو کہ بائیبل کے بارے میں جن مسائل کو حل کرنا باقی ہے اُنکے بارے میں کیتھولک علماء کو کس قدر آزادی حاصل ہے تو "الٰہی رُوح سے الہام پاکر" نامی خط سارے کا سارا پڑھنا چاہیئے۔

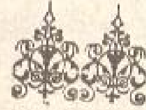
جتنی علمیت بھی بائیبل کی حقیقت کے جاننے پر صرف کی جائے وہ تھوڑی ہے وہ کبھی بھی کافی یا کافی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ بات خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ کتابِ مقدس کو وہی تسلی بخش طور پر سمجھ سکتے اور اس کی تفسیر کر سکتے ہیں جن اشخاص میں موزوں قابلیت اور علمیت پائی جاتی ہے اور جن کے پاس مکاشفہ کے نقطۂ نگاہ اور اس کے معنے یا تفسیر کی روایت کے ساتھ پہنچتے ہیں۔ پس اس کیتھولک تقاضے کے بغیر نہایت عالمانہ تفسیر بھی ناقص ہوگی۔ جو بائیبل کی حقیقت سے واقف ہونا چاہتا ہے اُس کا موزوں علم ہونا چاہیئے اُس میں مکاشفہ کا نقطۂ نگاہ اور تفسیر کی روایت ہونا چاہیئے۔

۳۔ غیر کیتھولک علمیت کا کارِ نمایاں یا کارنامہ :

بہت سے سرگرم اور دیندار اشخاص جو بڑے اعلےٰ پایہ کے عالم ہوئے ہیں مگر وہ کیتھولک مسیحی نہیں تھے۔ وہ اِس قدر کیتھولک تفسیری روایت والے زُمرے میں تھے جس سے اُن کی مسیحی سیرت کی عزت ہوتی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جرمنی کے شہر مینز میں ایک کیتھولک کانگرس ہوئی تھی اس کانگرس سے مخاطب ہو کر پوپ پائس دوازدہم نے ساری دنیا میں ۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو براڈ کاسٹ کیا۔ ہم اس نشریہ سے اقتباس کرتے اور اُس کی اصطلاحات استعمال کر کے ہم اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جو اشخاص مقدس کتابوں میں خدا کی سچائی کی جستجو کرنے والے ہوئے ہیں وہ راست دِل اور نہایت سنجیدہ تھے اور ہم قادرِ مطلق کی قدرت سے یہ امید رکھتے ہیں کہ ایک دن وہ بھی آئیگا جب کہ ہم سب ہم خیال اور ہم زبان ہونے میں کامل ہوں گے اور اس کلیسیا کی وحدت میں سچائی

سے معمور ہونگے جیسے مسیح نے اپنی تعلیم سونپی اور جس کے بارے میں یہ وعدہ کیا کہ میں دنیا کے آخر تک سب زمانوں میں اِس کے ساتھ رہونگا۔

زمانۂ حاضرہ کے تمام کیتھولک مفسّر بالواسطہ یا بلاواسطہ بائیبل کے مضامین پر جو غیر کیتھولک تصانیف تصنیف کی گئی ہیں اُن سے متاثر ہوئے ہیں غیر کیتھولک مسیحیوں نے بائیبل مقدس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے جو ساری مغربی دنیا میں پھیلا ہوا ہے اُس ادب بائیبل میں خیالات سمجھانے والی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خیالات کیطرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ عالمانہ تفسیر اور وسیع اور قابلِ اعتبار نظریے پائے جاتے ہیں۔ اِن کو جب بھی ایمان کے قاعدے کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے تو اِن سے خدا کے کلام کی سچائی پر بیش قیمت روشنی پڑی ہے۔ اِن کے نظریوں سے یہ فائدہ پہنچا ہے کہ ہم خدا کے کلام کی کتابوں کو عمیق طور پر اور زیادہ گہری صورت میں سمجھتے ہیں۔ شہد کی مکھی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ شہد یا شہد کے لئے رس چوس لیتی ہے اور پھوک رہنے دیتی ہے اسی طرح کیتھولک مسیحی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اہل جہان کے خیالوں اور نظریوں میں سے سچائی قبول کر لیتا ہے اور جھوٹے خیالوں اور جھوٹے نظریوں کو پرے پھینک دیتا ہے۔ وہ ہر نئے نظریے اور تفسیری بات میں سے سچائی جذب کر لیتا ہے اور نئے نظریوں اور تفسیری باتوں سے سچائی چوس کر اُس کو کیتھولک تفسیریات یا علم التفسیر کا حصہ بنا دیتا ہے۔



ج۔ بائیبل کلیسیا ہی کی خاص اور بلاشرکتِ غیرے ملکیت ہے

مسیحی کلیسیا کی تعلیم یہ ہے کہ چونکہ مسیحی کلیسیا خدا کا نیا اسرائیل ہے اِس لئے پرانے اسرائیل کی مقدس کتابیں مسیح نے خود کلیسیا میں منتقل کیں یعنی مسیح نے مسیحی کلیسیا کی ملکیت بنا دیں اور جو وعدے عہدِ عتیق میں کئے گئے ہیں اُن کی وارث بھی مسیحی اُمّت ہی ہے اور کتب عہدِ جدید مسیحی ملہمین نے مسیحی کلیسیا کے اندر سب کے فائدے کیلئے عموماً اور مسیحیوں کے فائدے کیلئے خصوصاً لکھیں چونکہ یہ کتابیں مسیحی کلیسیا میں لکھی گئیں یہ کتابیں بھی مسیحی کلیسیا کی ملکیت ہیں اِس لئے مسیحی کلیسیا ہی اِن کی حقدار، ملکیت دار، محافظ، امین اور مفسّر ہے۔ وہ جو مسیحی کلیسیا سے باہر ہیں انہیں یہ دعویٰ عجیب سا اور حد سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اِس سے کلیسیا میں بائیبل کا مقام قائم ہوتا ہے اِس لئے اِس کی جانچ پڑتال اور پرکھ کچھ تفصیل کے ساتھ کی جاتی ہے۔

کلیسیا بائیبل کی بلاشرکتِ غیرے ملکیت دار اور امانتدار ہے

خدا نے الٰہی مکاشفہ کی ساری امانت کلیسیا کے سپرد کی ہے اور اسے امانت دار مقرر کیا ہوا ہے لہٰذا کتبِ مقدسہ کلیسیا کی ملکیت ہیں۔ کلیسیا مسیح کی دلہن ہے اور بائیبل اُسے جہیز میں ملی ہوئی ہے مُراد اِس سے یہ ہے کہ خدا نے بائیبل کلیسیا کی تحویل میں رکھی ہے۔ اِس حقیقت کا ارینیئس اور طرطولیئن کو پورا پورا احساس ہوا جنہیں اپنے زمانے کے بدعتیوں کے خلاف قلم اٹھانے پڑے۔

مقدس ارینیئس لکھتا ہے :- " چونکہ ثبوت بہت بڑے ہیں اِس لئے جو سچائی ہمیں کلیسیا سے آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے ہم کو اُس کی کسی اَور جگہ جستجو نہیں کرنا چاہیئے - جو کچھ سچائی سے تعلق رکھتا ہے وہ رسولوں نے کلیسیا کے کثیر ذخیرے میں امانت رکھا تاکہ جو کوئی چاہے اس سے زندگی کا گھونٹ پی سکے وہ زندگی کے حصول کا دروازہ ہے باقی سب چور اَور ڈاکو ہیں اِس لئے ہمیں اُن سے دُور رہنا چاہیئے اَور جو کچھ کلیسیا سے تعلق رکھتا ہے اُسے پُوری کوشش سے پیار کرنا چاہیئے اَور سچائی کی رَوایت کو پکڑے رہنا چاہیئے - تو پھر کیا کرنا چاہیئے ؟ اگر کسی چھوٹے سے مسئلے یا سوال کے بارے میں جھگڑا برپا ہو تو کیا مناسب بات یہ نہیں ہو گی کہ اُن قدیم کلیسیاوں کے پاس جائیں یعنی اُن سے پتہ لگائیں جنہیں رسول رہتے تھے کہ اس سوال کے بارے میں یقینی اَور صاف بات کیا ہے اَور اگر رسول مقدس کتابیں چھوڑ کر یعنی لکھ کر نہ دے جاتے تو کیا ہمیں روایت کی اس ترتیب کو نہیں ماننا چاہیئے تھا جسے وہ اُن کے سپرد کر کے گئے جنہیں انہوں نے کلیسیاؤں پر مقرر کیا "۔

طرطولیئن اپنی ایک مشہور کتاب میں یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ " بدعتیوں کو یہی مقدس کتابوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ پھر وہ اس جماعت میں شامل نہیں ہوتے جسے اُن مقدس کتابوں کو رکھنے کا حق ہے "۔ بدعتیوں کے بارے میں اِرینیئس اَور طرطولیئن کے یہ الفاظ بہت سخت ہیں - یہ بات مارشیئن اَور والنطین اَور اُس زمانے کے دیگر بدعتیوں کے بارے میں ہے - یہ لوگ بدعتوں کے موجد تھے لیکن جو بعد میں پیدائش کیوجہ سے یا کسی اور وجہ سے غلط عقیدے کو قبول کر لیتے ہیں وہ اِتنے قصور وار نہیں ہوتے جتنے کسی غلط عقیدے

کے مُوجد قصور وار ہوتے ہیں اِس لحاظ سے ارینیئس اَور طرطولیئن کی بات آج کل کے غیر کیتھولک مسیحیوں پر عائد نہیں ہوتی - بدعتی عقیدے کی ایجاد فوق الفطرت ایمان کو بجھا دیتی ہے اَور یوں مسیح سے بالکل جدا کر دیتی ہے - مُوجد بدعتی مسیحی نہیں ہوتا خواہ وہ اپنے آپ کو مسیحی ہی کہتا ہے۔ یہ علمِ الٰہی کی اِس صداقت کی قانونی حیثیت ہے جس کو طرطولیئن بیان کرتا اَور زیرِ غور لاتا ہے -

پہلی ویٹیکن کونسل کی ایک بات پر اکثر دفعہ کافی دھیان نہیں دیا جاتا اور وہ یہ ہے کہ کلیسیا (بائبل کی کتابوں کو) مقدس اَور قانونی یعنی مُستند اِس لئے نہیں مانتی کہ گویا اِن کتابوں کی تصنیف محض انسانی کام ہے لیکن کلیسیا نے انہیں بعد میں اپنے اختیار سے قبول کر لیا اَور نہ اِس کی یہ وجہ ہے کہ ان میں جو مکاشفہ پایا جاتا ہے اُس میں کوئی غلطی نہیں پائی جاتی بلکہ اِن کی قبولیت کیوجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں روح القدس کے الہام سے لکھی گئیں اَور اِس لئے اِن کا مصنف خدا ہے اَور یہ اِسی حیثیت سے کلیسیا کے سپُرد کی گئی ہیں "۔ جس بات کی وضاحت کیجا رہی ہے وہ یہ ہے کہ " یہ اِسی حیثیت سے کلیسیا کے سپُرد کی گئی ہیں " یعنی یہ اس حیثیت سے کلیسیا کے سپُرد کی گئی ہیں کہ یہ روح القدس کے الہام سے لکھی ہُوئی ہیں اَور اِن کا مصنف خدا ہے - خدا نے کتاب مقدس کلیسیا کو عطا کی اَور وہی اِس کی سپُرد دار اَور محافظ ہے اَور یہ کلیسیا کے ہاتھوں میں ایک مقدس امانت ہے - مرورِ زمانہ کے دَوران اس نے بڑی احتیاط، خبرداری اَور تحقیق و تدقیق سے الہامی کتابوں کی فہرست تیار کی - جن کتابوں کو کلیسیا شروع ہی سے استعمال کرتی آئی تھی چند کونسلوں میں اُن کی بابت فیصلے ہوتے رہے

اَور پھر ٹرینٹ کی کونسل میں ساری مستند کتابوں کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔ کلیسیا نہ تو اِن الہامی کتابوں کے بغیر زندگی گذار سکتی ہے اور نہ اِس نے اِن کے بغیر کبھی زندگی گذاری ہے۔ مقدس خرِدسوستم، مقدس اگستین اور مقدس گریگوری فرماتے ہیں کہ اِن میں خدا کا مرقومہ کلام پایا جاتا ہے اور اِسلئے یہ ہمارے آسمانی باپ کی بیش قیمت چٹھیاں ہیں اَور اُس نے یہ اپنی مہربانی اور رحمت سے اپنے مسافر بچوں کے پاس مُلہم مصنفوں کے ذریعے بھیجی ہیں تاکہ اُن کے لئے اُس سفر میں تسلی کا باعث ہوں جو وہ اپنے اَبدی ملک کیطرف کر رہے ہیں اَور مقدس خرِدسوستم اور مقدس اگستین فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی تعلیموں کا عظیم خزانہ ہیں اَور مقدس انخفانا سیئس فرماتا ہے کہ وہ نجات کا ہمیشہ جاری رہنے والا چشمہ ہیں اور مقدس اگستین اور مقدس امبرُز فرماتے ہیں کہ وہ ہری بھری اَور سرسبز وادیاں یا دل خوش کن باغ ہیں جن میں مسیح کا گلہ قابلِ تعریف چراگاہیں اَور مزیدار خوراک پا سکتا ہے۔ پس مقدس کتابوں کے بارے میں کلیسیا کا اعلےٰ اختیار پیش کرنے سے ہم کتابِ مقدس کی بے مثل قدر و قیمت میں سے کچھ نہیں گھٹاتے کیونکہ وہ الٰہی سچائی کی مقدس جائیداد ہے اُن کتابوں کی قیمت لاثانی اِس وجہ سے ہے کہ وہ مکاشفہ کا صرف چشمہ ہی نہیں ہیں بلکہ خدا کا مکشوف اور ظاہر کردہ کلام ہیں۔

کلیسیا بائبل کی محافظ اور حامیہ ہے۔ بائبل کلیسیا کی جائیداد کے نہایت قیمتی جواہر میں سے ہے کلیسیا بڑی غیرت سے بائبل کی حفاظت اَور حمایت کرتی ہے اور وہ اِس امر کی بڑی دانائی سے نگرانی کرتی ہے کہ اِس کا متن پاک و صاف رہے اور صحیح متن اور صحیح ترجمہ اور صحیح تفسیر میرے

ہاتھوں سے میرے بچوں تک پہنچے۔

بائبل کے متن کی صحت کیلئے کلیسیا کی نگرانی اَور دیکھ بھال

یہودیوں کے مسیحا یسوع مسیح نے جو کلیسیا قائم کی یہودیوں کی ساری کی ساری قوم اُس میں داخل نہ ہوئی اِس لئے عبرانی بائبل کلیسیا کا ذریعہ تعلیم و تبلیغ نہ رہی۔ خداوند مسیح کے رسول جو عبرانی سے واقف تھے وہ بھی سیپٹواجنٹ نامی یونانی اِسکندری ترجمے کو کام میں لاتے تھے۔ جو یہودی غیر ممالک میں آباد تھے اُن کی بائبل بڑی حد تک یونانی سیپٹواجنٹ ہی تھی۔ پنتیکوست کے بعد کلیسیا کے آغاز ہی میں سیپٹواجنٹ بائبل مسیحی کلیسیا کی بائبل ہوگئی اَور اِسی لئے ہمارے پاس کوئی ایسی دستاویز اور تحریر نہیں جسمیں یہ ذکر ہو کہ پرانے عہدنامے کے عبرانی اور آرامی متن کی نگہداشت مسیحی چوپانوں سے کی گئی یعنی ابتدائی کلیسیا کے نگہداشت کرنے کا بیان کہیں نہیں پایا جاتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا سیپٹواجنٹ عہدِ عتیق استعمال کیا کرتی تھی۔ عہدِ عتیق کی عبرانی کتابیں یہودیوں کے ہاتھوں میں رہیں اَور خدا کی پروردگاری سے انہوں نے اِن کتابوں کے عبرانی متن کی پوری پوری حفاظت اَور نگہداشت کی اَور اِن کتابوں کے متن کی صحت بے نظیر طور پہ اطمینان بخش اَور تسلی بخش ہے۔ مقدس جیرومؔ نے عہدِ عتیق کی سب عبرانی کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں اسی عبرانی متن سے کیا جو یہودیوں کے پاس محفوظ تھا۔ عہدِ عتیق کی عبرانی کتابیں تعداد میں انتالیس ہیں اَور اِن کا جو ترجمہ مقدس جیرومؔ نے لاطینی میں کیا اُس ترجمے کو ولگیٹ یا ڈُگاتا کہتے ہیں۔

عہدِ جدید میں عہدِ عتیق کے قریباً تین سو اقتباسات پائے جاتے ہیں جن میں سے صرف چند ایک سیپٹواجنٹ میں سے نہیں ہیں باقی سب

سیپٹواجنٹ سے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسولی زمانے کی کلیسیا کا عہدِ عتیق یونانی سیپٹواجنٹ تھا یعنی چھیالیس کتابوں والا عہدِ عتیق پادری آر سنکر صاحب ڈی - ڈی علم البائیبل کی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ سیپٹواجنٹ کا استعمال قریبًا عالمگیر طور پر کیا جاتا تھا - اِس انگریزی کتاب کا نام دی کیمبرج کمپینین ٹو دی بائیبل ہے اور یہ اقتباس جو پیش کیا گیا ہے وہ اس کتاب کے صفحہ ۲۸ کے پہلے کالم کی سطور ۱۷ و ۱۸ میں ہے - اور اِسی صفحہ کے اِسی کالم کی سطور ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۴۸ میں لکھا ہے کہ مسیح کے بعد پہلی چھ صدیوں میں عہدِ عتیق کے بہت سے ترجمے کئے گئے ہیں اِن ترجموں میں سے زیادہ تعداد سیپٹواجنٹ سے ترجمہ کی گئی تھی یعنی اِن ترجموں کی اکثریت سیپٹواجنٹ سے ترجمہ کی گئی تھی - مذکورہ بالا کتاب کئی علماء کے مضامین کا مجموعہ ہے اِسی کتاب میں صفحہ ۳۶ کے پہلے کالم میں ریورنڈ آر سنکر صاحب ڈی ڈی لکھتے ہیں کہ "عہدِ عتیق کے اقتباسات کی اکثریت جو عہدِ جدید میں پائی جاتی ہے وہ سیپٹواجنٹ سے لی ہوئی ہے اور یہ ترجمہ مسیحی آباء کی بڑی جماعت کی بائیبل تھی - پہلے مسیحی معلموں اور یونانی یہودیوں یا غیر قوموں میں سے دریافت کرنے والوں کے درمیان صرف یہی (ترجمہ) بحث و تحقیص کی بنیاد ہو سکتا تھا" - صفحہ ۳۶ کے پہلے کالم کا آخری پیراگراف -

اِسی صفحہ کے دوسرے کالم کے پہلے پیراگراف میں پادری آر - سنکر صاحب لکھتے ہیں کہ "شامی پیشیتو ترگوموں اور ولگیٹ کے سوا عہدِ عتیق کے تمام قدیمی ترجمے سیپٹواجنٹ ہی سے کئے گئے ہیں" - چنانچہ شمالی افریقہ کا لاطینی ترجمہ - شمالی اٹلی کا لاطینی ترجمہ - مصر کے تینوں قبطی ترجمے - گاتھی ترجمہ ایتھیوپی ترجمہ اور

آرمینی ترجمہ سب کے سب سیپٹواجنٹ ہی سے کئے گئے اور اِس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چھیالیس کتابوں والا عہدِ عتیق ماننے کے بارے میں مسیحی کلیسیا راستی اور حق پر ہے - یاد رہے کہ دی کیمبرج کمپینین ٹو دی بائیبل پراٹسٹنٹ کتاب ہے اور جن علماء کے مضامین سے یہ کتاب مُرتب کی گئی ہے وہ سب کے سب پراٹسٹنٹ مسیحی ہیں - ریورنڈ آر سنکر صاحب ڈی ڈی پراٹسٹنٹ پادری صاحب ہیں -

مسیحی کلیسیا میں سیپٹواجنٹ کی بہت حفاظت اور خبرداری کیجاتی تھی اور اِس کی اہمیت اِس قدر سمجھی جاتی تھی کہ اِسے نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور کئی ایک نے تو اِس ترجمے کو براہِ راست الہامی سمجھا، یعنی وہ یہ دعوٰی کرتے تھے کہ یہ ترجمہ الہام سے کیا گیا ہے پس وہ اِس ترجمہ کو الہامی ترجمہ مانتے تھے - حق یہ ہے کہ یہ ترجمہ الہام سے نہیں کیا گیا تھا مگر جن کتابوں سے یہ ترجمہ کیا گیا تھا وہ کتابیں الہامی تھیں - یہ ترجمہ عبرانی اور آرامی کتابوں سے کیا گیا تھا اور وہ کتابیں بالضرور الہامی اور الٰہی کتابیں تھیں - ہمیں جہاں تک علم ہے پہلی تنقیدی تصنیف جو اِس ترجمہ کے بارے میں کی گئی وہ آریجن کی ہے اُس نے سنہ ۲۵۴ء میں وفات پائی تھی - ہیکساپلا کی عظیم تصنیف ہی یہ ثابت کر دیتی ہے کہ بائیبل کے متن کو درست اور صحیح رکھنے کی خواہش کلیسیا میں زندہ تھی - دو اَور نظرِثانی کردہ یا ریوائیز کئے ہوئے متنوں نے بھی رواج پایا تھا ایک تو ہیسی کیئس کا نظرِثانی کردہ متن تھا اور غالبًا یہ وہی ہے جس نے سنہ ۳۱۰ء کے قریب ڈایوکلیشین کی ایذا رسانی میں شہادت پائی تھی - اِن ریوائیز کئے ہوئے متنوں کے بارے میں مقدس جیروم لکھتا ہے کہ " اِسکندریہ اور مصر اپنے سیپٹواجنٹ

کے باعث ہیسی کینس کی محنتوں کی داد دیتے ہیں۔ قسطنطینیہ انطاکیہ تک
لوشین کی نقول یا منقولات کی تصدیق کرتا ہے اور درمیانی صوبے جو ان کے
درمیان ہیں وہ فلسطینی نسخے پڑھتے ہیں جنہیں آریجن نے تیار کیا تھا اور
یوسیبئیس اور پمفیلس نے شائع کیا تھا"۔ پس کلیسیا میں سپٹواجنٹ کا جو
متن مروّج تھا وہ ہیسی کینس، لوشین اور آریجن کا نظرثانی کردہ متن
تھا۔ مصر اور اسکندریہ کے نسخوں کا متن ہیسی کینس والا تھا۔ قسطنطینیہ
کا لوشین والا اور فلسطینی نسخوں کا متن آریجن والا تھا۔ یاد رہے کہ ہیکساپلا
جسے آریجن نے قریباً اٹھائیس سالوں میں تیار کیا تھا۔ ۲۴۵ء کے قریب
اسے فلسطین کے قیصریہ میں رکھا گیا تھا۔ تین طرح کا متن جس کا اوپر
ذکر ہو چکا ہے اسمیں قراتوں کا اختلاف بھی پایا جاتا تھا یعنی تینوں متنوں
میں کہیں کہیں خفیف باتوں میں اختلافِ قرأت پایا جاتا تھا جو معمولی بات
ہے یہ قدرتی بات ہے اور دنیا کی کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جس کے نسخوں
میں اختلافاتِ قرأت نہ پائے جاتے ہوں اور صرف اختلافاتِ قرأت ہی
نہیں بلکہ اور بھی طرح طرح کے اختلافات دور کرنے کیلئے خواہ کیسے کیسے
جتن کئے ہوں مگر پھر بھی اختلاف عموماً اور اختلافِ قرأت خصوصاً پیدا
ہو ہی جاتا ہے۔ ان تین طرح کے متنوں میں اگرچہ خفیف سا فرق پایا
جاتا تھا تاہم ہر کلیسیا اس کے بارے میں کوشاں اور فکرمند ہوتی تھی کہ
میرے پاس بائبل کے متن کی صحیح صورت موجود ہو یعنی اصلی متن موجود
ہو۔ مغربی کلیسیائیں دوسری صدی کے قریباً آخر تک مقدس کتابیں
یونانی میں پڑھتی رہیں۔ تیسری صدی کے وسط میں دو یا ان سے زیادہ
مکمل لاطینی ترجمے استعمال میں لائے جاتے تھے اور ایک کتاب

کے تو بے شمار ترجمے موجود تھے یعنی عہدِ عتیق یا عہدِ جدید کی بعض کتابوں کے
ترجمے کئی کئی زبانوں میں پائے جاتے تھے۔ وہ ترجمے جو سپٹواجنٹ سے کئے
ہوئے تھے وہ ایسی وفاداری سے کئے گئے تھے کہ وہ قریباً غلامانہ تھے لیکن
معنوی یا تفسیری نقطۂ نگاہ سے یہ تراجم اکثر اوقات بہت گھٹیا تھے اس نقص
کو دور کرنے کے لئے اور نقل نویسوں کی غلطیوں کی درستی کرنے کے لئے
بشپ صاحبان محنت سے کام کرتے تھے۔ مقدس اگستین ایسے ترجمے کو
منتخب کرنا چاہتا تھا جو سپٹواجنٹ کے الفاظ سے اتنا قریب ہو جتنا
ممکن ہو اور صاف معنی دینے والا بھی ہو جو نسخے اس کے وقت میں مروّج
تھے وہ ان کی درستی اور صحت کی ضرورت ان چند الفاظ میں ظاہر کرتا ہے
"جو اشخاص مقدس کتابوں کو جاننے کے خواہشمند ہیں ان کی جیتی جاگتی احتیاط
اور خبرداری کا پہلا مقصد نسخوں کی صحت ہونا چاہئے اور درست کئے ہوئے
نسخوں کو ان نسخوں کی جگہ لینا چاہئے جو درست کئے ہوئے نہیں ہیں" یا
صحیح نسخوں کو نا صحیح نسخوں کی جگہ لینا چاہئے۔

پوپ داماسس نے مقدس جیروم کو عہدِ عتیق کا عبرانی سے لاطینی میں
ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور وہ اس ترجمہ کے لئے مقدس جیروم کی پشت و
پناہ تھا۔ لاطینی کلیسیا کو کتابِ مقدس کا عظیم الشان ترجمہ مہیا کرنے کے
بارے میں وہ مردِ پروردگاری تھا یعنی خدا کی پروردگاری سے کلیسیا
کو ایسا ترجمہ دینے کیلئے ایسا شخص ملا اور باوجود اس ترجمہ کے چند نقائص
کے وہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ترجمہ ہے۔ عہدِ جدید کا ترجمہ اس نے یونانی
سے کیا۔ رومن کلیسیا اسے عرصۂ دراز سے استعمال کرتی آئی ہے اور
اس طویل مدت کے استعمال کے باعث اس ترجمہ نے بے مثل تقدیس

حاصل کی ہوئی ہے۔ اِس ترجمے کے متن کو خالص اور صحیح رکھنے کیلئے اِس کی کئی دفعہ تنقیدانہ تصحیح کی گئی۔ آٹھویں صدی کے شروع میں اِس کے ایسے نسخے پائے جاتے تھے جو قریباً بالکل بے داغ اور صحیح تھے جیسے کہ عظیم القدر نسخہ امیاٹینس سے ظاہر ہوتا ہے اور نویں صدی میں آلکوینی تصحیح نے شارلیمان کی سلطنت کو بہت صحیح اور خالص متن مہیا کیا۔ گیارہویں صدی میں پیٹر ڈیمین اور لانفرانک نے بھی اِصلاح کی۔

جب چھاپہ ایجاد ہوا تو جو کتاب پہلے پہل چھاپی گئی وہ ولگیٹ بائیبل تھی۔ یہ ۱۴۵۲ء میں گٹن برگ کے اپنے چھاپے خانے میں چھاپی گئی جو مینز میں تھا اور ۱۵۰۰ء سے پہلے پہلے ولگیٹ کے قریباً ایک سو ایڈیشن شائع ہوئے۔ اُنکالا یا پلوٹینشین پالی گلاٹ کے وقت سے حقیقی معنوں میں تنقیدی کام شروع کیا گیا۔ پلوٹینشین پالی گلاٹ میں تنقیدی کام کے بعد بھی کام کولون میں ہنتوپی اور پیرس میں سٹیفن کے ایڈیشنوں میں جاری رکھا گیا اور یہ تنقیدی ایڈیشن لاطینی کے نئے ترجموں اور اُن کی اشاعت کا باعث ہوئے تب ٹرینٹ کی کونسل نے اِس میں ہاتھ ڈالا۔ اُس نے ولگیٹ کا انتخاب کیا اور اِسے مسلمہ ترجمہ قرار دیا اور اِس کے مستند اور معتبر ہونے کا اعلان کیا۔

۱۵۹۲ء والا کلیمینٹی ایڈیشن اگرچہ مسلمہ تھا لیکن ناکافی تھا یعنی اُس کا متن کامل اور کافی طور پر صحیح نہیں تھا اس لئے ولگیٹ کی تصحیح کا کام ۱۹۰۷ء سے ایک خاص بینیڈکٹی کمشن نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اِس کمشن نے کلیمینٹی ایڈیشن کی تصحیح شروع کی۔ روم میں جو مقدس جیروم کے نام کا راہب خانہ ہے ۱۹۳۳ء سے اس کا یہ خاص کام بن گیا۔ اِس راہب خانہ

کے راہبوں کا کام یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مقدس جیروم کے متن کو بحال کیا جائے۔

مندرجہ بالا بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ کلیسیا بائیبل کی صحیح متن والی کتابیں مہیا کرنے کے بارے میں کیسی فکرمند تھی۔ ۱۵۸۶ء میں سپٹواجنٹ کا سکستینی ایڈیشن شائع ہوا جو بہت اعلےٰ پایہ کا تھا اور صدیوں مروج رہا۔ اِس کی اشاعت سے بھی کلیسیا کی اِس بارے میں فکرمندی ثابت ہوتی ہے کہ مومنین کو بائیبل کا صحیح متن مہیا کیا جائے۔ مزید تنقیدی کام پوپ پائس دوازدہم کے گشتی خط بنام "الٰہی روح سے الہام پاکر" کی حوصلہ افزائی کی بناء پر کیا گیا۔ یہ خط ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کو جاری کیا گیا تھا اور اِس کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے زمانۂ حاضرہ کا تنقیدی کام کیا جا رہا ہے۔ خاص کر پوپ بائیبلی ادارے کی طرف سے زبور اور غزل الغزلات کا عبرانی سے ایک نیا لاطینی ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ رومی بریویری یا عبادت کی کتاب میں استعمال کیا جائے۔ یہ ترجمہ روم میں ۱۹۴۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

کلیسیا ہی بائیبل کی واحد مفسّر ہے

چونکہ بائیبل مقدس اِنسان مصنفوں نے تحریر کی اِنسانوں کے لئے انسانی زبان میں لکھی اور اپنے زمانے کی زبان کی طرزِ ادائیگی اور محاورے وغیرہ اِستعمال کئے اِس لحاظ سے یہ اِنسانی کتاب ہے اِس لئے جو اُس زمانے کی انسانی زبان کے قواعد وضوابط تھے اُنہیں کی مطابقت میں اِس کے معانی و مطالب ہونے چاہئیں اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جبکہ بائیبل کی تفسیر معقول تفسیر کے تمام قوانین کے مطابق ہو۔ اگر یہ محض

اِنسانی کتاب ہوتی تو لسانی اَور تاریخی علمیت ہی اِس کے معنی دریافت کرنے اَور بتانے کیلئے کافی ہوتی لیکن بائیبل اِنسانی کتاب ہونے سے بڑھکر ہے یہ الٰہی کتاب بھی ہے اَور اِس کا مصنف خدا ہے۔ خدا نے اِس کے مصنفوں کو فوق الفطرت الہام بخشا۔ انہوں نے یہ کتابیں الہامِ الٰہی سے لکھیں خدا نے ان سے سچائی لکھوائی وہ سچائی کی امانت کلیسیا کے پاس رکھی۔ یہ کلیسیا کی جائیداد ہے اور سکھانیوالی کلیسیا اِس سے رُوحوں کو منور کرتی ہے بائیبل کی سچائی رُوحوں کو مذہبی لحاظ سے روشن کرنے اَور اُن کی ابدی نجات کے لئے ہے۔ چونکہ بائیبل کی سچائی کلیسیا کے پاس بطورِ امانت رکھی گئی ہے اَور یہ سچائی کلیسیا کی جائیداد ہے اِس لئے بائیبل کی مقدس کتابوں کی سب سے بڑی اور سب سے اعلےٰ مفسّر کلیسیا ہی ہے۔

کلیسیا کے بائیبل کی مُفسّر ہونے کا مطلب ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا چاہئے اِس کا مطلب یہ نہیں کہ سوائے کلیسیا کے کوئی اور شخص بائیبل کی بات کو سمجھتا ہی نہیں اَور لوگ بھی بائیبل کا مطلب سمجھ سکتے ہیں اَور تحقیق کرکے عمدہ اور صحیح معنی نکالتے ہیں لیکن بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بائیبل کی کئی باتوں کا مطلب نہیں سمجھتے اَور کئی باتوں کا مطلب بالکل غلط نکالتے ہیں جو خدا کے مکاشفہ کے خلاف ہوتا ہے۔ کلیسیا کے مُفسّر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ایک ایسی مشین ہے جس میں سے بنی بنائی تفسیر نکلتی چلی آتی ہے۔ اَور بائیبل کے کیتھولک علماء کو خواہ مخواہ اُس کی ماننی پڑتی ہے اور اگر نہ مانیں تو یہ انہیں ملامت کرتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ وہ اُن کو ملامت نہیں کرتی بلکہ اُن کی رہنمائی کرتی اَور انہیں سیدھی راہ پر رکھتی ہے۔ سابقہ نظریوں کو چھوڑنے کے بارے

میں کلیسیا بڑی محتاط ہوتی ہے وہ جلدباز نہیں ہے مثلاً توریت خواہ موسیٰ نے لکھی ہو اَور خواہ دیگر انبیاء نے مگر وہ ہے سچی کیونکہ اُسمیں خُدا کی تعلیم اَور خدا کا مکاشفہ پایا جاتا ہے وہ الہام سے لکھی ہوئی ہے کِسی پُرانے نظریے کو چھوڑنے کیلئے کلیسیا سب سے پیچھے رہتی ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے وہ جلد بازی سے کام نہیں لیتی وہ علماء سے کہتی ہے کہ اَور تحقیق کرو اَور تحقیق کرو اَور جب علماء تحقیق و تدقیق سے کسی پُرانے خیال اَور نظریے کا غلط ہونا سوفیصدی ثابت کردیتے ہیں اور نیا نظریہ سوفیصدی راست ثابت کردیتے ہیں تو کلیسیا جو علماء کی باگیں سنبھالے رکھتی ہے تاکہ وہ ٹھیک تحقیق و تدقیق کرکے درست فیصلہ کریں، پیچھے سے آگے آجاتی ہے اَور ثابت شدہ سچائی کو ماننے اور منوانے کے لئے پیش پیش رہتی ہے۔ اگر کلیسیا لکیر کی فقیر ہوتی تو وہ اپنے علماء کو تحقیق کرنے نہ دیتی اور ثابت شدہ باتوں کو کبھی قبول نہ کرتی بلکہ اپنی ضد اَور لکیر پر اَڑی رہتی۔ لکیر کی فقیری کو علم و عقل اَور تحقیق و تدقیق سے کیا واسطہ؟ لیکن کلیسیا اِن سب کو اِستعمال کرتی ہے اور اپنے بچوں سے اِستعمال کراتی ہے مگر وہ بے راہ، آوارہ اَور بے لگام نہ ہوتی ہے اور نہ ہونے دیتی ہے۔ کیا ماں باپ اپنے بچوں کی اِسی طرح دیکھ بھال نہیں کرتے؟

یہ سچ ہے کہ کلیسیا کبھی کبھی کسی مسئلے پر کچھ عرصے کیلئے مزید بحث بند کر دیتی ہے مثلاً سترہویں صدی میں اِلٰہیات دان جو بحث مؤثر فضل پر کر رہے تھے کلیسیا نے وہ بحث کچھ عرصے کیلئے حکماً بند کرا دی تھی کیونکہ علماء اِس قدر خاک دُھول اُڑا رہے تھے اَور بھڑک رہے تھے کہ ہوا

کے صاف ہونے، خاک دھول کے بیٹھنے، علماء کے ٹھنڈے ہونے اور اُن کی بھڑکائی ہوئی آگ کے بجھنے کیلئے کچھ عرصہ درکار تھا جب فضا صاف ہوگئی تو اِس مسئلے پر بحث کی اجازت دیدی گئی اور بحث پھر جاری ہوگئی اِسیطرح بیسویں صدی کے شروع میں ماڈرنزم اور جدیدیت کی رَو چلی اور ماڈرنسٹ علماء کا رویہ اور نظریے صرف کلیسیا کے ایمان کے لئے ہی خطرناک نہیں تھے بلکہ خود علماء کے لئے بھی خطرناک تھے کیونکہ وہ غلط اور گمراہ کُن تھے۔ کلیسیا نے اُس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور باگ ڈور پوری خبرداری سے سنبھالے رکھی اور یُوں مومنین کا ایمان محفوظ کردیا اور علماء کی صحیح رہنمائی کی۔ کلیسیا علماء کو تحقیق کرنے سے نہیں روکتی۔ تحقیق کرنے کیلئے وہ اُن کی حوصلہ افزائی کرتی اور ان کی پیٹھ ٹھونکتی ہے وہ صرف بے راہ روی سے روکتی ہے اور اسکو کون بُرا کہہ سکتا ہے کیونکہ یہ بات اچھی اور قابلِ تعریف ہے۔ پس بیسویں صدی کے شروع میں ببلیکل کمشن نے بائیبل کے بارے میں صحیح اعتقاد کی حدود مقرر کردیں اُس نے یہ مشکل اور نازک کام اپنے ہاتھوں میں لیا لیکن اُس نے ایسا کرنے سے تحقیق کی روح کو فنا نہیں کیا تھا۔ جس وقت ببلیکل کمشن اور کلیسیا کے صاحبانِ اختیار نے باگیں کھینچ لی تھیں اسوقت بعض شخصوں نے خواہ کچھ ہی محسوس کیا ہو لیکن اُن کے فیصلوں کی حکمت اور دانائی یقینی طور پر ثابت ہوگئی ہے اور کچھ عرصے کے بعد تحقیق کا کام پھر جاری کردیا گیا اور اُس نے اپنی خاص راہ پر چلنا شروع کردیا اور اِسمیں اِسکو غیرمعمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے علماء کے جن نظریوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور بڑے راست سمجھے جاتے تھے اب وہ

متروک ہوچکے ہیں اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا اور نقاد زیادہ تر اُنہیں باتوں کی طرف واپس آرہے ہیں جنہیں کیتھولک مانتے ہیں اور جو صحیح ایمان اور راسخ اعتقاد کی باتیں ہیں اور یہ تحریک پورے طور پر اور پوری کامیابی سے جاری ہے۔

اہلِ اختیار کے فیصلے کو پھلدار صورت میں اختیار کرنے کی مثال ایبٹ چیپ مَین میں پائی جاتی ہے وہ کشادہ دِل و دماغ والا شخص تھا اُس نے متی مرقس لُوقا نامی کتاب لکھی جو لنڈن میں ۱۹۳۷ء میں چھپی۔ وہ پہلے دو کتابی نظریے کا معتقد تھا۔ دو کتابی نظریہ یہ ہے کہ متی اور لوقا کی انجیلیں دو کتابوں کی مدد سے تیار کی گئی تھیں یعنی خداوند کے کلمات اور مرقس کی انجیل سے۔ چیپ مَین بھی پہلے اِسی نظریے کا معتقد تھا۔ ببلیکل کمشن نے اِس اِس نظریے کو رد کیا تو اُس نے اِس کی نئے سرے سے تحقیق کرنا شروع کی۔ اُس نے اناجیلِ متفقہ کی تصنیف کے مسئلے پر پھر تحقیق کرنا شروع کردیا اور بعد از تحقیق ایک کتاب متی مرقس لوقا نامی لکھی جس کا اُوپر ذکر ہوچکا ہے اور تسلیم کیا کہ ببلیکل کمشن کا فیصلہ راست ہے پس تحقیق کے بعد وہ اِس نتیجے پر پہنچا کہ متی کی یونانی انجیل مرقس کی انجیل سے پہلے لکھی گئی تھی۔ پس اُس نے مرقس اور متی کی اناجیل کے بارے میں روایتی نظریہ کو پورے طور پر قبول کرلیا۔ اُس نے قدیمی روایت کے نظریہ کو محققانہ طور پر ثابت کردیا اور اب آہستہ آہستہ یہی نظریہ علماء کے ہاں مقبولیت حاصل کرتا جارہا ہے اور جو شخص ایبٹ چیپ مَین کو نہ جانتا ہو وہی یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ اُس نے اپنا نظریہ خلوصِ دِل سے تبدیل نہیں کیا تھا اور یا یہ کہ وہ خود فریبی کا شکار ہوگیا تھا لیکن جو لوگ

ایبٹ چیپ مین کو جانتے ہیں وہ اُس کے بارے میں ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ فی الواقع مخلص شخص تھا اور وہ ہرگز خود فریبی کا شکار ہونے والا نہیں تھا۔

وہ لوگ جو کلیسیا سے باہر ہیں وہ اِس بات کا خیال نہیں کرتے کہ چونکہ کلیسیا سچائی اور حق کا ستون ہے اس لئے وہ بے تعصب فیصلہ دینے کے لئے چند سالوں یا سالوں کے چند دہاکے یا چند صدیوں کا بھی انتظار کر سکتی ہے۔ خدا بھی تو سچائی دینے اور نجات دہندہ بخشنے میں صدیوں اور ہزاروں سالوں کا انتظار کرتا رہا ہے۔ کلیسیا کبھی گذران خیال یا نئے خیال کے لئے معلومہ سچائی کو ترک نہیں کرتی وہ لوگ اِس بات سے بھی آگاہ نہیں کہ کیتھولک علماء کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ ان کے پاس صاحب اختیار رہنما ہے جو انہیں گڑھوں میں گرنے اور احمقانہ باتیں ماننے سے بچاتا ہے اور جب صحیح خیال پیش کرنے کے لئے دی ہوئی باتیں ناکافی ہوں یعنی وہ باتیں ناکافی ہوں جن سے نتیجہ نکالا جاتا ہے تو اُن کے ناکافی ہونے کی وجہ سے نتیجہ صحیح نہیں ہوگا پس جن باتوں سے نتیجہ نکالنا ہوتا ہے اگر وہ ناکافی ہوں تو صاحب اختیار رہنما محققین کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ ناکافی باتوں کے فیصلے کو کافی نہ سمجھو۔ اِن سے کامل اور صحیح نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ببلیکل کمشن کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ جو عالم شک میں ہو یا کسی بات کے بارے میں ڈانوا ڈول ہو اُس کو رہنمائی مہیا کی جائے لیکن اصلی علمیت کی سرگرمی کو ذرا بھی کم نہ کیا جائے اور کیتھولک مسیحی پوپ لیو سیز دہم کے بہت شکر گذار ہیں کہ انہوں نے کیتھولک علماء کی

رہنمائی کے لئے ببلیکل کمشن مقرر کی۔

اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ کلیسیا کے پاس تفسیر کا کوئی مشینی طریقہ نہیں ہے۔ کلیسیا کو تفسیر کے مطالعہ دوست پروفیسر کی قسم کا سمجھنا غلط ہے۔ اپنے ہر روز کے اُستادی کے عام کاموں کے ذریعے سے وہ ایمان اور اخلاق کی تعلیم دیتی ہے اور بعض اوقات اعلےٰ استادی کی حیثیت سے غیر معمولی کاموں سے تعلیم دیتی ہے۔ کتاب مقدس کی جو عبارتیں ایمان اور اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں اُن کے معنی کے بارے میں رُوح القدس کی راہنمائی اور کام سے کلیسیا کے علم کو کامل ہونا ہوتا ہے اور یہ نتیجہ اس کے آباء علماء فضلا اور الہیات دانوں کے دیندارانہ مطالعہ سے حاصل ہوا ہے اور حاصل ہوتا ہے۔ کلیسیا کے علماء اور فضلا کتاب مقدس کا بڑی دینداری محنت اور شوق سے مطالعہ کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رُوح القدس کی مدد سے کتاب مقدس کی عبارتوں کا صحیح مطلب کلیسیا کو معلوم ہوتا رہتا ہے جوں جوں مسیحی علماء زیادہ مطالعہ اور زیادہ تحقیق کرتے ہیں توں توں کلیسیا کی رائے بالغ ہوتی جاتی ہے۔ جب فیصلہ طلب عبارت کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے کلیسیا اُس وقت اور صرف اُس وقت فیصلہ دیتی ہے۔

کتاب مقدس کے بارے میں کلیسیا کی استادی کی تعلیم تمام پروردگاری کا خدا نامی گشتی خط میں صاف صاف بیان کی گئی ہے جو یہ ہے کہ: "یہ بات ضرور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ پاک کتابیں ایک طرح کے مذہبی اغلاق اخفا اور ظلمت و تاریکی میں لپٹی ہوئی ہیں اور اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی اِن کی حدود میں رہنما کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا"۔ اور مقدس آباء

نے یہ کئی دفعہ بتایا ہے کہ یہ خدا کا اپنا انتظام ہے تاکہ لوگ اِس بات کیلئے مجبور رہوں کہ وہ کتاب مقدس کا مطالعہ بڑے شوق اور بڑی محنت سے کریں۔ جو بات کتاب مقدس سے سخت محنت سے حاصل کی جائے گی وہ دِل و دماغ پر گہرا اُثر ڈالے گی یعنی وہ دل و دماغ پر نقش ہو جائیگی لیکن خدا سب سے بڑھ کر یہ چاہتا ہے کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ میں نے کتب مقدسہ کلیسیا کے سپُرد کی ہُوئی ہیں تاکہ میرا پاک کلام پڑھنے اور استعمال کرنے میں وہ کلیسیا کو اپنا نہایت یقینی رہنما اور استاد سمجھ کر اُس کی پیروی کریں۔ ابتدائی زمانے ہی میں مقدس اریِنیئس نے یہ تعلیم دی کہ جہاں خداوند کی روحانی نعمتیں پائی جاتی ہیں وہیں سے سچائی سیکھنا چاہیئے اور وہ کہتا ہے کہ کتاب کی تفسیر غلطی کے خطرے کے بغیر وہ کرتے ہیں جن میں رسولی سلسلہ پایا جاتا ہے۔ ویٹیکن کی پہلی کونسل نے اریِنیئس اور دیگر آباء کی اِس تعلیم کو اپنا لیا جب اُس نے خدا کے تحریری کلام کی تفسیر کے بارے میں ٹرینٹ کی کونسل کے فیصلے کی تجدید کی۔ اُس نے اپنے خیال اور اپنی سوچ بچار کو اِن الفاظ میں بیان کیا کہ "مسیحی تعلیم کی تعمیر ایمان اور اخلاق سے ہوتی ہے اور جو معاملات اِن سے متعلق ہیں اِن کے بارے میں اُس تفسیر کو صحیح سمجھنا چاہیئے جسے ہماری پاک ماں کلیسیا مانتی رہی ہے اور مان رہی ہے۔ مقدس کتابوں کی سچی تفسیر اور تشریح کا فیصلہ کرنا اُسی کا حق ہے۔ نتیجتہً کسی کو بھی اِس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اِس تفسیر یعنی کلیسیائی تفسیر اور آباء کی متفقہ تفسیر کے خلاف تفسیر کرے۔"

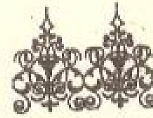
پوپ لیو مزید فرماتے ہیں کہ اِس حکیمانہ قانون سے بائیبل کے علم

کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ یہ قانون بائیبل کے علم کے حاصل کرنے کے لئے مفید ہے کیونکہ یہ غلطی سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے اور حقیقی ترقی کے راستے پر چلنے کیلئے اِمداد کرتا ہے۔ ہر عالم کیلئے میدان کھلا ہے اور وہ میدان بہت کشادہ اور طویل و عریض ہے۔ اُسے محنت اور سعی و کوشش کرنے کے لئے بہت آزادی حاصل ہے اور جبکہ وہ کلیسیا سے مدد پاتا ہے وہ بھی کلیسیا کی مدد کر سکتا ہے۔ کتاب مقدس کی ایسی عبارتیں بے شمار ہیں جن کی ابھی تک یقینی اور حتمی اور آخری تفسیر نہیں ہُوئی پس ہر عالم کے لئے ان کثیر التعداد عبارتوں کے معنے معلوم کرنے کے لئے تحقیق و تدقیق کا میدان کھلا ہے۔ اِن عبارتوں کے معنوں کو اپنے طور پر معلوم کرنے کیلئے سعی و کوشش اور جد و جہد کرنا خدا کی پروردگاری کا آلہ ثابت ہو سکتا ہے۔ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ کلیسیا کے شرکاء کے طویل مطالعہ کے بعد اُس کی جانچ اور پرکھ بلوغت کو پہنچتی ہے۔ صرف طویل تحقیق و مطالعہ کے بعد کلیسیا کی جانچ اور پرکھ کامل ہوتی ہے۔ جس عبارت کے مطلب کی تعریف کی جا چکی ہوئی ہے۔ یعنی جس کی تفسیر کلیسیا کیطرف سے بتائی جا چکی ہوئی ہے اُس کے بارے میں بھی اپنے طور پر تفسیر کرنیوالا مفسر برابر مفید اور ثمردار ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ وہ کلیسیائی تفسیر کو مومنین کے آگے اور بھی صفائی سے پیش کر سکتا ہے وہ اُس تفسیر کو اپنی علمیت کا سہارا دے سکتا ہے اور اُسے دشمنوں کے حملوں سے بچا سکتا اور اسکی حمایت کر سکتا ہے۔

تحقیق کی آزادی :-

جھوٹ کی پیروی کرنے کے لئے کوئی آزادی نہیں لیکن حصولِ صداقت کے لئے کیتھولک تفسیر کی آزادی خدا کے فرزندوں کی کامل آزادی ہے بس۔

بے راہ روی آوارگی اور بے لگامی پر پابندی ہے۔ شتر بے مہار ہونا منع ہے آزاد ہونا منع نہیں ہے اِس بات کی پوپ پائس دواز دہم نے "الٰہی روح سے الہام پاکر" نامی گشتی خط میں قابلِ تعریف وضاحت کی ہے۔ پوپ صاحب فرماتے ہیں کہ جب علمائے بائبل مشکلات کا جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہیں اور اُن معنوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کلیسیا کی تعالیم اور دنیوی علوم کے یقینی نتائج کے مطابق ہوں تو انہیں شک کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ جو مزدور خداوند کے تاکستان میں سخت محنت کر رہے ہیں اُن کے غیر محتاط نکتہ چینوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کلیسیا کے قواعد و ضوابط کا تعلق ایمان اور اخلاق کی تعلیم سے ہے اور کہ بائبل کی وہ کتابیں جو شریعت، تاریخ، حکمت اور نبوت کے بارے میں ہیں اِن کی صرف معدودے چند باتیں ایسی ہیں جن کی کلیسیا نے باختیار تفسیر کی ہوئی ہے اور اِسی طرح اُن کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے جن کی تفسیر کے بارے میں مقدس آبا متفق ہیں پس ایسی اہم باتوں کی بڑی تعداد ہے یعنی ایسی اہم باتیں بہت ہیں جن کی وضاحت کیلئے کیتھولک مفسر کو اپنی دانائی اور باریک بینی سے کام لینا ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنی عقل و دانش اور علمیت کو آزادی سے استعمال کر سکتا ہے تاکہ ہر ایک شخص اپنی اپنی توتوں کے اندازے کے مطابق رفاہِ عامہ کا کام کر سکے اور مقدس علم ہمیشہ ترقی کرتا رہے اور کلیسیا کی حمایت اور تعظیم ہوتی رہے۔



د:۔ اشاعتِ بائبل کے بارے میں ضمیمہ

کلیسیا کی محافظت کا ایک کام یہ ہے کہ جماعتِ مومنین کے درمیان بائبل کی اِشاعت کلیسیا کی نگرانی میں ہو۔ کلیسیا کا رجحان اُس کے قوانین سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کلیسیا کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ کلیسیائی اجازت کے بغیر کوئی شخص بائبل کی کتابیں اُن پر تشریحی نوٹ اور تفسیریں اُس کی منظوری کے بغیر شائع نہ کرے۔ یہی قانون اُن کتابوں کے بارے میں بھی ہے جو بائبل یا علم الٰہی کے بارے میں ہوں۔

کتابِ مقدس کے ملکی زبانوں میں ترجمے رسولی گدی کی منظوری سے یا بشپ صاحبان کی زیرِ نگرانی ہونے چاہیئے اور ان ترجموں کے حاشیوں میں تشریحی نوٹ ہونے چاہیئے جو یا تو آبائے کلیسیا کی تصانیف سے اور یا قابل اور عالم کیتھولک مصنفوں کی کتابوں سے ماخوذ ہوں یعنی تفسیری نوٹ کیتھولک ماخذوں سے لئے ہوئے ہونے چاہیئے۔

بائبل کی اصل زبانوں کا متن اور قدیمی کیتھولک تراجم کو جب مشرقی کلیسیا اور دیگر غیر کیتھولک کلیسیاؤں کے شرکاء شائع کریں تو ان کی جانچ پڑتال لازمی ہے۔ غیر کیتھولک ترجمے اور تفسیریں شاندار، قابلِ قدر اور قابلِ تعریف ہیں لیکن پھر بھی جانچ پڑتال لازمی ہے جبکہ کیتھولک ترجمے اور تفسیریں زیرِ نگرانی شائع ہوتی ہیں تو غیر کیتھولک کتابوں کی نگرانی کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جو غیر کیتھولک ترجمے ہیں وہ عموماً تشریحی نوٹوں کے بغیر شائع ہوتے ہیں۔ یہ تراجم کلیسیا کی منظوری سے شائع نہیں ہوتے پھر بھی اِن کے استعمال کی اُن علماء کو اجازت ہے جو خاص کر بائبل کی

سنڈے سکول کی سٹڈی کرنے والے یا بائیبل پڑھانے والے ہیں اور ان کو بھی اجازت ہے جو علم الٰہی پڑھانے والے ہیں۔ جانچ پڑتال کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ غیر کیتھولک مروّجہ ترجمے صحیح اور مفید ہیں لہٰذا ان کے پڑھنے کی عام اجازت ہے۔ جو ترجمہ اور کتاب خدا کا علم بخشنے کے بارے میں صحیح اور مفید ہے اس کی اجازت ہونا چاہیئے اور اجازت ہے کیونکہ حکمت کا مطالبہ یہی ہے لیکن غلط تعلیم والی کتابوں کے پڑھنے کی اناڑیوں کو ممانعت ہونا یعنی کم علم لوگوں کو ممانعت ہونا بھی حکیمانہ مطالبہ ہے۔ کون اپنے بچوں کو زہر کھانے دیتا ہے؟ اور اگر دیدہ و دانستہ زہر کھانے پینے دے تو یہ کھانے پینے کی آزادی نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔ بعض ناتجربہ کار پہلے زہریلی کتابیں پڑھتے ہیں انہیں پہلے ایمان کا صحیح علم بخشنے والی کتابیں پڑھنا چاہیئے تاکہ اگر بعد میں زہریلی کتابیں بھی پڑھیں تو اُن پر اُن کے زہر کا اثر نہ ہو۔ اپنے مذہب کا صحیح اور وسیع علم حاصل کرنا ایسی دوا ہے جو زہر کا اثر نہیں ہونے دیتی وہ تریاق ہے لیکن بعض شخص مقوی غذا اور تریاق کھانے سے پہلے زہر کھانا شروع کرتے ہیں جو بالکل غلط رویہ ہوتا ہے اور عقل و حکمت کے خلاف ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ ملحوظ خاطر ہے کہ پراٹسٹنٹ مسیحیوں کی لکھی ہوئی کتابیں نہایت مفید بھی ہیں۔ اُن کی کتابوں کی اکثریت نہایت اعلےٰ اور مفید ہے۔ مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں کی علمی کتابیں پڑھنا مفید ہے۔ کیتھولک قانون کا مقصد علم کو فنا کرنا نہیں بلکہ غلط اور جھوٹے علم سے بچانا ہے۔ سرے سے دوسرے مذہبوں اور دوسرے مذہب والوں کی سب طرح کی کتابوں کا پڑھنا منع کرنا سخت بُرا قانون ہے اور اِس قسم کا کوئی قانون کیتھولک کلیسیا

میں نہیں ہے۔ کلیسیا علم دوست جماعت ہے وہ جہالت دشمن ہے اِس لئے اِس کا کوئی قانون ایسا نہیں ہو سکتا جس سے جہالت قائم رہے یا فروغ پائے اور علم کی ترقی کو نقصان پہنچے۔ کسی کتاب پر پی آر بی ایس لکھا ہوا دیکھ کر اُسے بغیر پڑھے رَدّ کر دینا اور پڑھنے سے منع کرنا کہاں کی دانائی ہے۔

جس طرح کتابیں بائیبل کے بارے میں غلط باتیں بتا سکتی ہیں اور بتاتی ہیں اِسی طرح آدمی بھی بائیبل کے بارے میں غلط باتیں بتاتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ یہ بدل گئی ہوئی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ منسوخ ہو گئی ہوئی ہے اور جو بائیبل کے علم کے بارے میں محض نو آموز ہیں جب وہ کیتھولکوں کی جماعت کو یا کسی اور جماعت کو بائیبل پڑھاتے ہیں تو وہ سامعین کو یہ سبق دیتے ہیں کہ بائیبل قصے کہانیاں ہے یا بائیبل کی تاریخی باتیں تاریخی نہیں بلکہ قصے کہانیاں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سننے والے اِس بات سے ہمیں بڑے عالم سمجھتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگ ہماری بابت یہ خیال کریں گے کہ یہ لتنے بائیبل دان ہیں کہ اِنہیں پتہ چل گیا ہُوا ہے کہ بائیبل صرف "قصے کہانیاں" ہے حالانکہ لوگ انہیں بائیبل کے بڑے عالم نہیں سمجھتے بلکہ بائیبل کے بارے میں ایمان خراب کرنے والے سمجھتے ہیں۔ وہ کیوں اِس طرح کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے پروفیسر کی بات کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا۔ محض نوآموز، ناتجربہ کار، اناڑی اور کم علم ہونے کی وجہ سے وہ ایسے کہتے ہیں۔ قصے کہانیوں والی بات کو نہ وہ خود سمجھتے ہیں اور نہ اَوروں کی دُرست رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اگر انہیں کچھ شُدبُد ہو بھی تو وہ ادا نہیں کر سکتے۔ بائیبل میں بات کی یا کلام کی سب طرزیں پائی جاتی ہیں اُس میں نثر بھی ہے اور نظم بھی ہے۔ حکمت کی طرز ہے۔ ہدایت کی طرز ہے۔

شریعت ہے۔ تاریخ ہے جغرافیہ ہے۔ ناٹک یا ڈراما ہے۔ تاریخ ہے اور
سبق آموز قصے کہانیاں ہیں مثلاً خداوند یسوع مسیح کی تمثیلیں
سبق آموز قصے کہانیاں ہیں۔ بائبل کا قصہ صرف قصہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کا
مقصد اعلےٰ تعلیم دینا ہوتا ہے۔ بائبل کی ایک طرز رُؤیائی یا مکاشفائی
ہے یعنی رُؤیاؤں اور مکاشفہ کے پیرائے میں تعلیم دیجاتی ہے۔ تکوین
کی کتاب کے پہلے گیارہ بابوں کو پڑھ کر دیکھو کہ اُن کہانیوں میں کیسی اعلےٰ
تعلیم ہے وہ کہانیاں سبق آموز اور تعلیم آموز ہیں۔ ایوب کی کتاب کے ڈرامے
کو دیکھو کہ کیسا اعلےٰ ہے۔ طوبیاہ اور یہودیت کی کہانیاں کیسی اعلےٰ تعلیموں
اور سبقوں سے لبریز ہیں خُدا کی تعلیم اِن میں کہانی کی صورت میں ڈالی
ہُوئی ہوتی ہے۔ تاریخ اور داستان ملا جُلا کر یا تاریخی ڈھانچے یا محض داستا
کے ذریعے سے سبق دیا جاتا ہے جیسے خداوند یسوع مسیح کی تمثیلیں
محض داستانیں اور قصے کہانیاں ہیں مگر اُن میں چوٹی کے سبق پائے
جاتے ہیں قصے کہانیاں تعلیم دینے کے لئے ایک طرز ہے چونکہ قصے کہانیاں
سبق آموز ہیں اِس لئے وہ دوسری طرزوں کے کلامِ الٰہی سے کم قدر
نہیں بلکہ اُن کے برابر خدا کا کلام ہے اور اس کی قدر دُوسری قسموں کے
کلام کی طرزوں کی قدر سے کم نہیں بلکہ اُن کے بالکل برابر ہے۔ علمِ ادب میں
بہت سی کہانیاں ایسی ہیں جو سبق آموز ہیں مثلاً انوارِ سہیلی کی طرز ایسی ہی
ہے کہ کہانیوں کی صورت میں سبق سکھائے گئے ہیں۔ یہ کتاب بید پا برہمن
کی کتاب پنج تنتر کا ترجمہ ہے۔ اِس کتاب کے مصنف نے یہ کتاب
سنسکرت زبان میں راجہ دابشلیم کے لئے لکھی تھی۔ اِس کا مطلب پانچ
کتابیں ہے کیونکہ اِس کے پانچ حصے ہیں۔ بید پا سنسکرت کے لفظ

بدیاپتی یا وِدیاپتی کا مخفف ہے۔ وِدیا یا بِدیا کے معنی ہیں علم اور پتی کے
معنی شوہر یا مالک ہیں پس وِدیا پتی کے معنی علم کا مالک یا عالمِ عظیم ہے۔ اِس
کتاب کی جو صورت ابوالفضل نے اکبر بادشاہ کے لئے دی تھی اُس کا نام
عیارِ دانش تھا اِس کی ایک اَور صورت بھی ہے جس کا نام نگارِ دانش ہے
ایک اور کتاب طوطا مینا ہے وہ بھی اِسی طرح کی ہے پس سبق آموز کہانیوں
کی طرز دُنیا میں ناپَید نہیں ہے بلکہ مروّج ہے اور اِسی وجہ سے خدا نے
اِس صورت اَور اِس طرز میں بھی کلامِ الٰہی دیا ہے اَور یہ طرز زیادہ مُؤثر
دلکش اور ذہن نشین ہوتی ہے اَور یاد رہنے والی ہوتی ہے۔

آجکل جو چیزیں بنتی ہیں اُن پر کمپنیاں اپنا اپنا نشانِ تجارت یا
ٹریڈ مارک لگاتی ہیں۔ ٹیسٹ پیپر وغیرہ جو شائع کئے جاتے ہیں اُن پر
اُن کا اپنا خاص نشان ثبت ہوتا ہے تو کیا مذہبی کتابوں پر خاص نشان نہیں
ہونا چاہیئے؟ تجارتی نشانوں سے کمپنیاں اپنے مال کا عمدہ اَور اصلی ہونا
ظاہر کرتی ہیں اِسی طرح جس بائبل کے شروع میں منظوری کی مُہر لگی
ہُوئی ہو اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل میں جو متن پیش کیا گیا
ہے وہ مُستند اور مُسلّمہ ہے۔

کیا بائبل پڑھنا نجات کے لئے ضروری ہے؟

اِس میں تو کوئی شک نہیں کہ الہامی اور الٰہی کتابیں ساری کلیسیا کو اَور
کلیسیا کے سب بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کیلئے دی گئی ہیں۔ تعلیم کا عام اَور
عالمگیر ذریعہ بائبل ہی ہے۔ لیکن یہ بات بھی قابلِ غور اَور قابلِ لحاظ ہے
کہ کوئی الٰہی یا رسولی عالمگیر حکم نہیں کہ ہر مومن کو کیا مرد کیا عورت اور کیا
بچہ ذاتی طور پر بائبل پڑھنا چاہیئے۔ بہشت صرف خواندہ اشخاص ہی کے

لئے نہیں اَن پڑھوں کے لئے بھی ہے۔ بائیبل کے حرفوں کا علم ضروری نہیں بلکہ اس کی تعلیم ضروری ہے۔ خواہ وہ سننے سے حاصل ہو خواہ ڈراما اور تصویریں دیکھنے سے۔ کتاب تو اُن کو جاننا چاہیئے جو مذہب سکھاتے ہیں یعنی کلیسیا کے چوپانوں کے لئے بائیبل کا پڑھنا ضروری ہے لیکن مومنین کو ایمان کی تعلیم سے یعنی مذہبی سچائیوں سے واقف ہونا اور ایمان کی زندگی گذارنا یعنی راستبازی کی زندگی گذارنا لازمی اور ضروری ہے۔

جہاں تک ہو سکے حالات کے مطابق ہونا چاہیئے یعنی اگر مسیحی شخص پڑھا لکھا ہے اور اُسے پڑھنے کی فرصت ہے تو اُس کے لئے بائیبل مقدس کا پڑھنا بہت مفید ہے کیونکہ جب تُو دعا مانگتا ہے تو اُس وقت تُو خُدا سے باتیں کرتا ہے لیکن جب تُو بائیبل پڑھتا ہے تو اُس وقت خُدا تجھ سے باتیں کرتا ہے۔ جب تو دُعا مانگتا ہے اُس وقت تُو خُدا کا دوست بنتا ہے لیکن جب تو بائیبل پڑھتا ہے تب تُو دانا بنتا ہے۔

اِس زمانے میں کاغذ آسانی سے دستیاب ہوتا ہے اور کتابوں کے چھپ کر شائع ہونے کے لئے بڑی سہولتیں ہیں پھر بھی بہت سے کیتھولک براہِ راست بائیبل پڑھے بغیر قابلِ تعریف زندگی گذارتے ہیں بلکہ ایمان امید اور محبت کی اعلےٰ درجے اور اوّل درجے کی زندگیاں بھی گذارتے ہیں۔ وہ اپنے دل و دماغ کی بائیبل کے ست سے یعنی ماس کی عبادت روزری کے بھیدوں زبانی دعاؤں اور وعظ سننے کے ذریعے سے نشوونما کرتے ہیں۔ جیسے اُن ممالک میں جہاں پُرانی روایتی تہذیب پائی جاتی ہے اَن پڑھ کسان بھی روح اور اخلاق کی شائستگی حاصل کر سکتے ہیں، اسی طرح بے کتاب کسان جو مسیحی روایت کی ندی میں بہتے رہے ہیں وہ

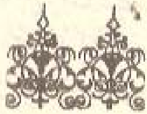
ایمان کی تعلیم کو بھی حاصل کر سکتے ہیں اور راست زندگی گذار سکتے ہیں جو کہ ہر ایک کے لئے لازمی ہیں۔ ان پڑھ لوگ چوٹی کی مقدس اور راست زندگی بھی گذار سکتے ہیں۔

یہ بے علمی کی حمایت کرنا نہیں ہے یہ تو مبالغوں سے آگاہی بخشنا ہے۔ مبالغہ کر کے کہتے ہیں کہ بائیبل ہر ایک کو لازمی طور پر پڑھنا چاہیئے اور پھر یہ بھی مبالغہ کرتے ہیں کہ اَن پڑھ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ مسیح کے زمانے سے پہلے اکثریت اَن پڑھوں کی ہوتی تھی اور کوئی خال خال پڑھا لکھا ہوتا تھا مسیح کے بعد بھی اَن پڑھوں کی کثرت رہی اور آجکل بھی اَن پڑھوں کا کال نہیں لیکن نجات سب کیلئے ہے لہذا اِنسان بائیبل کو پڑھے بغیر بھی نجات پا سکتا ہے لیکن بائیبل کو ماننے اور اُس پر عمل کئے بغیر نجات نہیں پا سکتا۔ پڑھنے اور مطالعہ سے جو اپنے آپ کو آپ تعلیم دیجاتی ہے اُس کی تعمیر اُس تعلیم کی بنیاد پر ہونا چاہیئے جو گھر سکول اور کلیسیا میں تقریری اور زبانی صورت میں پائی ہوئی ہوتی ہے۔ کتابوں کے پڑھنے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اِن دو باتوں پر موقوف ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کو کسقدر کتابیں میسر ہو سکتی ہیں، اور پڑھنے والے میں ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے کس قدر قابلیت ہے۔ اِن دو باتوں کے بارے میں مختلف وقتوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے یا کتابیں تھوڑی ملتی ہیں اور پڑھنے والا قابل ہوتا ہے یا کتابیں بہت ملتی ہیں لیکن پڑھنے والا نا قابل ہوتا ہے۔ یا کتابیں بہت ملتی ہیں اور پڑھنے والا بھی قابل ہوتا ہے اور یا کتابیں بھی کم ملتی ہیں اور پڑھنے والا بھی نا قابل ہوتا ہے اور یوں علم کے حصول میں فرق پیدا ہو جاتا

ہے۔ تعلیم کی اشاعت سے بھی تعلیم حاصل کرنیوالوں میں علم کی مقدار میں فرق ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں سکول زیادہ ہوتے ہیں کسی میں کم۔ کہیں سکول ہوتے ہیں کہیں نہیں ہوتے لہٰذا کلیسیا بائیبل کی تعلیم دینے کیلئے مختلف طریقے استعمال کرتی رہی ہے اور یہ اس کی دانائی اور حکمت ہے کہ ضرورتِ زمانہ کے مطابق طریقے استعمال کرتی ہے اور کرتی آئی ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں پڑھائی سے مسیحی خیال اور مسیحی طرزِ زندگی کو نقصان پہنچتا ہے تو کلیسیا وہاں اس مضر پڑھائی یعنی بُری کتابوں کا پڑھنا محدود کر دیتی ہے وہ اُن کا پڑھنا منع کرتی ہے کیونکہ ایک ہی چیز ضروری ہے۔ مسیحی تعلیم اور مسیحی زندگی کو نقصان پہنچانے والی کتابیں رسالے اور اخبار ممنوع ہیں اور یہ ممانعت دانائی اور حکمت پر مبنی ہے لیکن جو قابل ہیں انہیں اُن کے پڑھنے کا حکم ہے تاکہ وہ انہیں پڑھ کر اُن کے اعتراضوں کا جواب دیں۔ ان کی تعلیم کا جھوٹا اور بُرا ہونا ثابت کریں اور اُن جھوٹی اور بُری تعلیموں کے مقابلے میں مسیحی تعلیم کا راست، افضل عمدہ اور معقول ہونا ثابت کریں پس حمایتِ صداقتِ مسیحیت کیخاطر علمائے مسیحیت کو حکم ہوتا ہے کہ وہ سچے مذہب اور سچے مذہب کی سچی کتاب کی پوری پوری حمایت کریں۔

غیر کیتھولک بائیبل میں عموماً تشریحی نوٹ نہیں ہوتے اور ترجمے کے کہیں غلط ہونے کے ڈر سے اُس کے استعمال پر پابندی ہوتی تھی۔ اب جبکہ کیتھلک علماء نے ان ترجموں کو بغور پڑھ کے دیکھا ہے کہ وہ ترجمے درست بے ضرر اور مفید ہیں تو اُن کے استعمال پر جو پابندیاں تھیں اب اٹھ گئی ہیں۔ جو ترجمہ غلط ہو خواہ وہ کیتھولک عالم ہی کا کیا ہوا ہو

کلیسیا اس کو بھی رد کرتی ہے۔ ترجمے اور تفسیر کا ذاتی حق سمجھنا خواہ وہ غلط ہی ہوں جھوٹی آزادی ہے۔ صحیح ترجمہ کرنے اور صحیح تفسیر کرنے کی آزادی سچی آزادی ہے۔ شخصی اور ذاتی ترجمہ اور تفسیر کبھی غلط بھی ہوتے ہیں ایسی صورت میں کلیسیائی ترجمے اور تفسیر کو ترجیح دینا اور قبول کرنا چاہیئے۔ ترجمے اور تفسیریں اپنے پھلوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ بائیبل کی وہ سٹڈی جو غلط باتوں کو پیدا کرتی اور اُن کی تشہیر کرتی ہے بُری چیز ہے۔ مقدس اگستین نے کیا خوب لکھا ہے "غلط تعالیم تب پیدا ہوتی ہیں جبکہ پاک کتابوں کو جوکہ اچھی ہیں صحیح طور پر نہ سمجھا جائے اور اُن کی جن باتوں کا ٹھیک مطلب نہ سمجھا جائے اُن کے غلط مطلبوں کو دھینگا دھینگی اور زبردستی پیش کیا جائے۔ قوانین کے بارے میں زمانوں کے حالات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے اور پچھلے زمانوں کے جو قوانین ہمیں بڑے سخت معلوم ہوتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کے زمانوں کا لحاظ رکھکر فیصلہ دینا چاہیئے۔ بائیبل مقدس خاموش اور مشکل کتاب ہے اور کلیسیا کی آواز زندہ آواز ہے جب کوئی شخص بائیبل کی کسی بات کا غلط مطلب نکالتا ہے تو بائیبل نہیں کہتی کہ میری بات کا یہ مطلب نہیں ہے یہ مطلب غلط ہے وہ تو خاموش رہتی ہے لیکن کلیسیا کی زندہ آواز بتاتی ہے کہ یہ مطلب غلط ہے اور صحیح مطلب یہ ہے۔



بابِ ششم

تفسیر کے اُصُول

تفسیرِ بائبل کے اصول یہ ہیں :-

۱- اگر کلیسیا نے کسی عبارت یا مقام کی باقاعدہ تفسیر کر دی ہوئی ہو تو کیتھولک مفسّر کو ایسی تفسیر کو ضرور ماننا چاہیئے یہ یاد رہے کہ ایسی با اختیار تفسیریں بہت تھوڑی ہیں مثلاً یعقوب $\frac{۵}{۱۴-۱۵}$ جہاں بیماروں کی مالش کی تعلیم ہے اور لُوقا $\frac{۲۲}{۱۹}$ جہاں پاک یُوخرست میں یسوع مسیح کی واقعی یعنی سچی اور حقیقی حضوری کی تعلیم ہے۔

۲- کیتھولک مفسّر صرف انہیں اعلانوں کا پابند نہیں جو باقاعدہ تفسیر کے حامل ہیں بلکہ وہ اُن کا بھی پابند ہے جو اُن سے تو کم اہم ہیں لیکن کلیسیا کی رائے کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً پوپ صاحبان کے خطوط۔ جب یہ باتیں خطاء بھی ہوں تب بھی اُن کا احترام کرنا چاہیئے اور انہیں تسلیم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ باتیں کلیسیا کے سکھانے والے اختیار اور عہدے سے آتی ہیں۔

۳- وہ اِس بات کا بھی پابند ہے کہ اُسے کیتھولک ایمان کی مطابقت میں تفسیر کرنا چاہیئے مثلاً کوئی کیتھولک خداوند کے بھائیوں کی ایسی تفسیر کرنے کا مجاز نہیں جو مبارک کنواری کے دائمی کنوارپن کی تعلیم کے خلاف ہو۔

۴- اُسے ایسی تفسیر بھی نہیں کرنا چاہیئے اور اس تعلیم کو تسلیم نہیں کرنا چاہیئے جو ایمان اور اخلاق کے بارے میں آبائے کلیسیا کی بہت بڑی اکثریت کی متفقہ تعلیم کی مطابقت میں نہ ہو کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ کیتھولک کلیسیا کے ساتھ شامل ہو کر فیصلہ یا بات کرنے والا نہیں ہوگا۔

تفسیر کے قوانین جن سے اکثر غفلت برتی جاتی ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) جب ہم کسی مقام کی تفسیر کریں تو اُس کا اِلہامی ہونا نہ بھولیں۔ یہ بات اُس وقت مدِّ نظر رہے کہ یہ مقام الہامی ہے۔ کسی بات کے قطعی فیصلے کیلئے اُس بات کی بابت سب کچھ کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ بائبل کے مقاموں یا عبارتوں کے سب کچھ میں سے ایک بات الہام بھی ہے اِس لئے اِس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲) ہمیں یہ یاد رہنا چاہیئے کہ بائبل کی کتابیں قدیم زمانے میں لکھی گئی تھیں۔ ہمیں اِن قدیمی کتابوں کو ایسی نہیں سمجھنا چاہیئے جیسی کہ آجکل کی کتابیں ہیں۔ ہمیں عبرانیوں کی عقل اور ذہنیت کو ضرور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے اُن کی تاریخ اور نظم یا شاعری لکھنے کے طریقے بیسویں صدی کے طریقوں جیسے نہیں تھے۔ اَب تو بہت سی کتابوں پر جملہ حقوق محفوظ ہیں لکھا ہوا ہوتا ہے مگر اس زمانے میں کتاب کے حقوق کا محفوظ ہونا کوئی بات نہیں تھی۔ کسی کتاب کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے تھے اور کسی کتاب سے کچھ نقل کر لینا یا اقتباس کرنا مضمون کا چوری کرنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی کتاب کی نقلیں کروا کر شائع کرتا تو کتاب کا مُصنّف کوئی اعتراض اور مخالفت نہیں کرتا تھا اور نہ کسی کی کتاب میں سے کوئی بات یا کوئی

حصہ لے کر اپنی کتاب میں درج کر لینا چوری کرنا سمجھا جاتا تھا دُوسرے کی کتاب کا کوئی حصّہ لے لینے کی ہر کسی کو اجازت تھی۔

(۳) تاریخ مصنف کے ارادے کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہوتی تھی۔ کوئی مصنف تو کبھی ٹھیک ٹھیک تاریخی واقعات ہی لکھنا چاہتا تھا یعنی فی الواقع عین تاریخ ہی لکھنا چاہتا تھا اور کوئی مصنف اسباق نصائح اور تعالیم کہانی کی صورت میں ڈال دیتا تھا اُس صورت میں سبق آموز کہانیوں کی محض صورت ہی تاریخی ہوتی تھی اُس میں بیان کردہ واقعات تاریخی نہیں ہوتے تھے۔ کوئی مصنف کسی تاریخی ڈھانچے میں اَور بہت سا مواد ڈال دیتا تھا اور اسے تعلیم کا ذریعہ بناتا تھا۔

(۴) کسی عبارت کے سیاق وسباق کا بھی یعنی اُس عبارت سے اگلی پچھلی عبارت کا بھی بغور مطالعہ کرنا چاہیئے اور صرف اُسی متن کو مدِّنظر نہیں رکھنا چاہیئے جو زیرِ مطالعہ ہو بلکہ کتاب کے سارے مقصد کو بھی مدِّنظر رکھنا چاہیئے اور اناجیل کے بارے میں یہ خاص کر درست اَور حق ہے کیونکہ وہ واقعات کے بیان کرنے کے بارے میں تو مختلف نہیں ہیں لیکن انہیں پیش کرنے کے طریقے ہیں مختلف ہیں۔



بابِ ہفتم

اِلہام اَور مکاشفہ

الہام کا مادہ لہم ہے۔ لہم کے معنی ہیں دِل میں ڈالنا اَور الہام وہ بات ہے جو خدا کسی کے دل میں ڈال دے۔ اصطلاحی طور پر خدا کا اپنا کلام نبی کے دِل میں ڈالنا ہے۔ نبی رسول اور پیغمبر جب وعظ یا تقریر کرتے تھے تو جو کچھ ان کو کہنا ہوتا تھا اُس کے بارے میں خدا اُن کی عقل کو روشن کرتا تھا۔ وہ علم خواہ انہیں قدرتی ذرائع سے حاصل ہُوا ہوتا تھا اور خواہ مکاشفہ سے یعنی براہِ راست خدا سے حاصل ہوتا۔ لکھنے کیلئے بھی اِسی طرح ہوتا تھا کہ خدا اِنسان کے دائمی فائدے اُس کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اُس علم کے بارے میں مُلہم مُصنّف کی عقل کو روشن کرتا تھا جو علم مُلہم کو الٰہی اور قدرتی ذرائع سے حاصل ہُوا ہوتا تھا: تاریخ لکھنے کیلئے انہوں نے واقعات یا تو سُنے ہُوئے ہوتے تھے یا کتابوں میں پڑھے ہُوئے ہوتے تھے۔ جو تاریخ انہیں مذہبی نقطۂ نگاہ سے لکھنا ہوتی تھی وہ اُسے تاریخی کتابوں اور تاریخی واقعات کے سرکاری ریکارڈوں سے اخذ کرتے تھے۔ ہدایت کی باتیں انہوں نے یا اور دانشمندوں سے سیکھی ہُوئی ہوتی تھیں یا وہ اُن کی اپنی عقل کا نتیجہ ہوتی تھیں اَور یا خدا سے سیکھی ہُوئی ہوتی تھیں مگر جب وہ الہام سے بولتے یا لکھتے تھے تو وہ وہی باتیں بولتے

یا لکھتے تھے جو خدا چاہتا تھا کہ وہ بولیں یا لکھیں۔ اُس مضمون کے بارے میں خدا انبیاء کی عقل کو روشن کرتا تھا۔ جبکہ ملہم اَوروں سے سیکھ سکتا اور دریافت کرسکتا تھا تو وہ اپنی عقل سے کیوں دریافت نہیں کرسکتا تھا۔ ہم اپنی عقل اِستعمال کرتے ہیں کیا نبی اپنی عقل اِستعمال نہیں کرسکتے تھے؟ ہم اپنی عقل سے معلوم کرتے ہیں کہ اَوروں کا نقصان کرنا بُرا ہے مثلاً چوری کرنا، ڈاکہ مارنا، خون کرنا، عزت والوں کی اور قابلِ عزت اشخاص کی بے عزتی کرنا اور بدنامی کرنا وغیرہ تو کیا نبی یہ اپنی عقل سے معلوم نہیں کرسکتے تھے؟ وہ معلوم کرسکتے تھے اور جب اُن کو ایسی باتوں کا علم اپنی سوچ سے ہو جاتا تھا تو خدا اِلہام سے اُن کی تصدیق کردیتا تھا۔ مذہبی گیت اور حکمت کی باتیں یا وہ خود بناتے اور معلوم کرتے تھے یا اَوروں سے حاصل کرتے تھے۔

زبور کی کتاب شاعر انبیاء کا مجموعہ ہے اور امثال واعظ اور یشوع بن سیراخ حکیم انبیاء کا کلام ہے کئی باتیں ایسی ہیں جو فطری ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ خدا کے براہِ راست بتانے سے معلوم ہوئیں مثلاً فرشتوں کا ہونا، بہشت اور دوزخ اور آخرت کا ہونا، دُنیا کے آخر میں مُردوں کا جی اُٹھنا، راست بازوں کا قیامت کو جلالی جی اُٹھنا۔ پاک تثلیث کی تعلیم اور پاک یوخارست میں یسوع مسیح کی حقیقی موجودگی وغیرہ۔ جو باتیں فطری ذرائع سے نہیں بلکہ خدا کے براہِ راست بتانے سے معلوم ہُوئی ہیں انہیں مکاشفہ کہتے ہیں۔ عام اور وسیع معنوں میں تو مسیحی مذہب کی ساری تعلیم کو اِلٰہی مکاشفہ کہتے ہیں۔ مسیحی مذہب کی تعلیم مکاشفہ ہے۔ رُؤیائی کلام کو بھی مکاشفہ کہتے ہیں مثلاً دانی ایل نبی کی کتاب مکاشفہ ہے اِسی طرح مقدس یوحنا عارف کی مکاشفہ کی کتاب مکاشفہ ہے لیکن خاص معنوں

میں مکاشفہ وہ سچائیاں اَور حقائق ہیں جو قدرتی ذرائع سے معلوم نہ ہو سکتے ہوں اَور معلوم نہ ہُوئے ہوں بلکہ براہِ راست خدا کے ظاہر کرنے سے معلوم ہُوئے ہوں۔ یہ مکاشفہ جب لکھا جاتا ہے تو الہام سے لکھا جاتا ہے یعنی خدا مُلہم سے کشف کی ہُوئی باتیں تحریر کراتا ہے کسی ملہم سے کوئی بات لکھواتا ہے اور کسی سے کوئی۔ جو مکاشفہ مصنف کو معلوم ہوتا ہے اُس میں سے وہ اتنا ہی لکھتا ہے اور وہی لکھتا ہے جو خدا چاہتا ہے کہ وہ لکھے اور جتنا خدا چاہتا ہے کہ وہ لکھے۔ جو علم مُلہم کو براہِ راست خدا کی طرف سے منتقل کیا جاتا ہے اور قدرتی ذرائع سے حاصل نہیں کیا جاتا اُسے مکاشفہ کہتے ہیں۔

بائیبل کا الہام عقل و ذہن کا اُس علم کے بارے میں روشن ہونا ہے جو یا تو قدرتی ذرائع سے حاصل کیا ہُوا ہو اَور یا الٰہی طور پر منتقل کیا گیا ہو یعنی مکاشفہ کے طور پر بخشا گیا ہو اَور اِس روشن کرنے کے ساتھ اس علم کو لکھنے کی تحریک شامل ہوتی ہے اور یہ تحریک تب تک جاری رہتی ہے جب تک پاک مُصنف لکھتا رہتا ہے اور وہ وہی کچھ لکھتا ہے جس کا خدا اُسے لکھنے کا حکم دیتا ہے اور وہ اُن سب باتوں کو لکھتا ہے جنہیں خدا اُس کے ذریعے سے لکھوانا چاہتا ہے۔ وہ وہی کچھ لکھتا ہے جو کچھ خدا لکھوانا چاہتا ہے وہ نہ کوئی بات زیادہ لکھتا ہے اور نہ کم۔



باب ہشتم

اقسامِ نبوّت

نبوت خدا سے عطا کیا ہُوا علم ہے۔ ہر علم کیلئے اُس علم کے مواد کا حصول اور اُس کی سمجھ چاہیئے یعنی جو علمی مواد حاصل ہوتا ہے اس کا مطلب بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ نبوت کا عطیہ چونکہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہوتا ہے اس لئے یہ ایسا فضل ہے جو پانے والے کی بہ نسبت خصوصًا دوسروں کے لئے ہوتا ہے اسی طرح معجزات کا فضل بھی خصوصاً دوسروں کے لئے ہوتا ہے۔ بشپ صاحب فادر صاحب اور مناد صاحب اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء اور معجزات کرنے والے بھی دوسروں کیلئے ہوتے ہیں۔

نبوت کی تین قسمیں ہیں جو یہ ہیں :۔

۱۔ اگر خدا سے صرف علم کا مواد حاصل ہو مطلب حاصل نہ ہو تو اُسے طبعی یا فطری نبوت کہتے ہیں مثلاً فرعون شاہِ مصر۔ بنوکدنضر اور بیلشضر شاہانِ بابل اور قیافا سردار کاہن کو موادِ علم تو ملا لیکن مطلب نہیں ملا تھا اِس لئے یہ انبیاء نہیں تھے۔ حضرت یوسف کے زمانے کے فرعون نے گائیوں اور بالیوں والا خواب دیکھا وہ خواب عام اور قدرتی خواب نہیں تھا بلکہ وہ اُسے خدا کی طرف سے آیا تھا۔ اُسے اُس کا مطلب معلوم

نہیں تھا۔ حضرت یوسف کو بادشاہ نے وہ خواب بتایا تو خدا نے حضرت یوسف پر اُس خواب کا مطلب ظاہر کیا پس حضرت یوسف کو مواد تو فرعون سے ملا لیکن اس کا مطلب خدا سے ملا۔ نبی وہ ہوتا ہے جس کو مواد اور مطلب دونوں ملیں لہٰذا حضرت یوسف نبی تھا فرعون نبی نہیں تھا۔ بنوکدنضر بادشاہ کو خواب آیا جس کا مطلب حضرت دانی ایل نے بتایا لہٰذا دانی ایل نبی تھا بنوکدنضر نبی نہیں تھا۔ بیلشضر نے نوشتۂ دیوار دیکھا جس کا کوئی شخص مطلب نہ بتا سکا اُس نوشتۂ دیوار کا مطلب بھی حضرت دانی ایل نے بتایا تھا پس دانی ایل نبی تھا بیلشضر نبی نہیں تھا۔ قیافا سردار کاہن نے یسوع کے بارے میں کہا تھا کہ ساری اُمت کی بجائے ایک شخص کا مرنا بہتر ہے۔ جو مطلب اس بات سے قیافا کا تھا وہ محض انسانی مطلب تھا اس کی بات کا الٰہی مطلب مقدس یوحنا رسول کو معلوم ہوا لہٰذا وہ نبی تھا مگر قیافا نبی نہیں تھا

۲۔ اگر صرف مطلب خدا کیطرف سے ملے تو اُسے الہام کہتے ہیں مثلاً حضرت یوسف کو فرعون کے خواب کا حضرت دانی ایل کو بنوکدنضر کے خواب اور بیلشضر کے نوشتۂ دیوار کا اور مقدس یوحنا رسول کو قیافا سردار کاہن کی بات کا مطلب الہام سے معلوم ہُوا اور اگر کسی بات کے مطلب کیساتھ لکھنے کی تحریک بھی شامل ہو تو اُسے بائبل کا الہام کہتے ہیں یعنی وہ بائبل کا الہام ہوتا ہے۔

۳۔ اگر حصولِ مواد اور مطلب دونوں خدا کیطرف سے ہوں تو وہ مکاشفہ ہوتا ہے مثلاً اشعیاہ ۷ : ۱۴ دیکھو کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اُس کا نام عمانوئیل رکھیگی۔ تثلیث کی تعلیم پاک یوخارست میں یسوع مسیح کی واقعی حضوری۔ فرشتوں کی ہستی۔ دوزخ بہشت اور اعراف کی تعلیمیں مکاشفہ ہیں۔

بابِ نہم

تفسیرِ بائیبل کی اقسام

بائیبل کی تفسیر کی دو بڑی قسمیں ہیں لفظی اور روحانی۔

لفظی تفسیر میں کلمات کی لفظی تفسیر کیجاتی ہے۔ لفظی تفسیر دو طرح کی ہے۔ پہلے پوری لفظی یا عین لفظی دوسرے کم لفظی ادھوری لفظی یا مجازی۔ اِس میں اِستعارہ اور تمثیل شامل ہے۔ اِستعارہ کی مثال یہ ہے۔ اے شمعون بریون تو چٹان ہے۔ چٹان کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے شمعون چٹان ہے یعنی مضبوط بنیاد ہے۔ تمثیل کی مثال بیج بونیوالے کی تمثیل ہے۔ بیج خدا کا کلام ہے اور مختلف قسم کی زمینیں مختلف قسم کے انسان یا اِنسانی دِل ہیں۔

مجازی تفسیر کا دوسرا بڑا حصّہ روحانی تفسیر ہے۔ یہ شخصوں یا چیزوں کے بارے میں ہوتی ہے۔ اِس کے مزید دو بڑے حصّے ہیں۔ ایک حصّہ تو اخلاقی ہے جسمیں جو کچھ ہمیں کرنا چاہیئے وہ بتایا جاتا ہے۔ دوسرا حصّہ ایمانی ہے جس میں جو کچھ ہمیں ماننا چاہیئے وہ بتایا جاتا ہے پھر ایمانی حصّے کے دو مزید حصّے ہیں پہلا علامتی حصہ ہے یعنی پرانا عہدنامہ جو نئے عہدنامے کی علامت ہے۔ مثلاً اِس میں مسیح یا کلیسیا کے پیش نمونے پائے جاتے ہیں۔ دُوسرا حصّہ انجامی ہے یعنی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید دونوں عہدنامے

انجام کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں آسمان کی بادشاہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور آسمان کی بادشاہی یا بہشت ہی ہمارا مقصد ہے اور یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیئے۔

کتابِ مقدس کی کتابوں کو ضبطِ تحریر میں لانے کیلئے خدا نے انسانوں کو وسیلہ یا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے اپنی کتابیں اُسی طرح تصنیف کیں جسطرح دُوسرے مصنف تصنیف کرتے ہیں اور اپنی باتوں کا مطلب بھی اُسیطرح ادا کیا جس طرح دوسرے مُصنف ادا کرتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا کے آلے یا وسائل اور ذرائع تھے اِس لئے جسطرح ان کی تصنیف خدا کی تصنیف ہوتی تھی اُسی طرح اُن کا مطلب بھی خدا کا مطلب ہوتا تھا۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں لکھ سکتے تھے جو خدا نہیں لکھوانا چاہتا تھا۔ جن باتوں کے لکھے جانے کا خدا نے حکم دیا یا جنہیں خُدا لکھوانا چاہتا تھا انہوں نے وہی اور صرف وہی باتیں موزوں الفاظ میں اور مُمنزّہ عن الخطا سچائی کے ساتھ بیان کیں۔ جب ہم کتابِ مقدس کے معنی یا اُس کی تفسیر کا ذکر کرتے ہیں تو اِس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا اپنے تحریری کلام کے ذریعے سے کیا بتانا چاہتا ہے اور اِسمیں انسانی مُصنف کے مطلب سے زیادہ مطلب ہوسکتا ہے۔ خدا کی بات پیش کرنے کیلئے خدا سببِ اوّل ہے اور انسانی مُصنف سببِ ثانی اور سببِ اوّل سببِ ثانی سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے مثلاً آبپاشی کے لئے جو موگہ نہر کے کنارے میں لگایا ہُوا ہو وہ موگہ زیادہ پانی دیتا ہے اور اتنا ہی بڑا موگہ جو راجباہ کے کنارے میں ہو وہ کم پانی دیتا ہے کیونکہ اس کے پیچھے پانی کا دباؤ اتنا نہیں ہوتا جتنا نہر کے موگے کے پیچھے ہوتا ہے۔ پس سببِ اوّل سببِ ثانی سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور

انہیں الفاظ کے ذریعے سے سبب اوّل کی طرف سے زیادہ معنی نکلتے ہیں۔

وہ باتیں جو الفاظ کے ذریعے ظاہر ہوتی ہیں وہ اور باتوں کے ظاہر ہونے کا ذریعہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جو باتیں الفاظ کے لفظی معنی میں استعمال ہونے کیلئے استعمال کی گئی ہیں اُن کے معنی لفظی معنی ہونگے۔ یہ لفظی تفسیر ہے لیکن کلام مقدس میں ایک اور طرح کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اور اُسے روحانی تفسیر کہتے ہیں۔ الہامی کتاب کی کسی عبارت کی تفسیر یُوں بھی ہو سکتی ہے۔ اِس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کلام مقدس کی کسی عبارت کے معنی ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جو کچھ انسانی مصنف کسی عبارت کا مطلب سمجھتا تھا اُس کا مطلب اس سے زیادہ ہو سکتا تھا۔ لفظی تفسیر وہ ہے جو متن سے براہ راست پیدا ہوتی ہے اور پاک مصنف جو کچھ بتانے کا ارادہ رکھتا تھا کتاب مقدس میں اکثر دفعہ ایک اور طرح کی تفسیر بھی پائی جاتی ہے جسے روحانی تفسیر کہتے ہیں یعنی خدا با اختیار طور پر انسان پر ظاہر کرتا ہے اِس قسم کے معنی اُن الفاظ کے بعینہٖ یہ معنی نہیں ہوتے۔ اِس سے ہم دونوں عہدناموں کی مرکزی حقیقت تک فوراً پہنچ جاتے ہیں یعنی پرانے عہدنامے اور نئے عہدنامے کی مرکزی حقیقت تک۔ پرانا عہدنامہ نئے عہدنامے کی تیاری اور اُس کا عکس ہے۔ آنیوالی چیزیں اپنا سایہ پہلے ڈالتی ہیں پس پرانا عہدنامہ نئے عہدنامے کا پڑا ہوا سایہ ہے۔ پرانا عہدنامہ صرف علم الٰہی کی ترتیب ہی میں تیاری نہیں بلکہ تاریخی لحاظ سے بھی تیاری ہے پس اِن دونوں باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے لفظی تفسیر یا لفظی معنی کے ذریعے کے سوا کتاب مقدس کی رُوحانی تفسیر کی توضیح کے لئے اور کوئی راہ نہیں۔ صحیح تفسیر ایک طرف تو بائیبل کی روحانی تعلیم کا پُورا پُورا لحاظ کرتی ہے اور دُوسری

طرف کوئی روحانی معنی نکالنے کیلئے کتاب مقدس کے لفظی معنی کی ٹھوس بنیاد ہونا چاہیئے یعنی روحانی معنی کی ٹھوس بنیاد لفظی معنی ہوتے ہیں۔ دونوں عہدناموں اور اُن کی مشترکہ الٰہی تصنیف سے ایک اَور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا الفاظ کے معنی اُسی قدر ہوتے ہیں جس قدر انسانی مصنف کو معلوم ہوتے ہیں اَور جو اُس کی مراد ہوتے ہیں یا اُس کے معنوں سے اُن الفاظ کے معنی بڑھ کر ہوتے ہیں جو الٰہی معنی ہوتے ہیں اَور اِن معنوں سمیت کامل معنی ہوتے ہیں اِسے تفسیر کی معمُوری کہتے ہیں یا تفسیر کامل کہتے ہیں مثلاً ہوسیع ۱۱:۱ میں ہے میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا۔ ہوسیع نبی کو صرف یہ معنی معلوم تھے کہ خدا اِسرائیل کو مصر سے نکال لایا تھا لیکن خدا کے معنی اِس میں یہ بھی تھے کہ میں اپنے کامل بیٹے یسوع مسیح کو بھی مصر سے لاؤں گا وہ کامل اِسرائیل ہوگا پس جہاں انسانی مصنف کا مطلب اِسرائیل کا مصر سے خروج تھا وہاں خدا کا مطلب اسرائیلی قوم اَور یسوع مسیح کا مصر سے خروج تھا یہ معنی لفظی معنی کی توسیع ہوتی ہے۔ کیونکہ اِس قسم کے معنوں کی موجودگی کو وہ ہی تسلیم کرتے ہیں کہ جتنے معنی سے انسانی مصنف آگاہ ہے خدا کا مطلب اُس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے یہ معنی پوشیدہ ہوتے ہیں جو صرف بعد کے زمانے میں معلوم ہوتے ہیں یا تو زیادہ واضح نبوت کے ذریعے سے وہ پوشیدہ معنی معلوم ہوتے ہیں یا جب وہ معنی واقعات میں پورے ہوتے ہیں مثلاً یسوع خدا کا بیٹا ہے اور خدا نے اُسے مصر سے بلایا تھا پس اِس واقعہ سے یہ ظاہر ہُوا کہ ہوسیع ۱۱:۱ کی بات صرف اِسرائیلی قوم ہی کیلئے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے لئے بھی ہے اِس قسم کی تفسیر بھی روحانی تفسیر ہی ہوتی ہے لیکن جس قسم کی رُوحانی تفسیر

کا پہلے ذکر ہُوا ہے اُس میں اَور اِس میں یہ فرق ہے کہ یہ تفسیر الفاظ ہی
میں پائی جاتی ہے اَور صرف اُسی بات میں نہیں پائی جاتی جو بات الفاظ سے
ظاہر ہوتی ہے مثلاً پیتل کے سانپ کیطرف دیکھکر صحت پانے سے خدا
کا رحم ظاہر ہوتا ہے اور اِسی طرح مسیح کی صلیب کیطرف دیکھنے سے بھی
خدا کا رحم حاصل ہوتا ہے۔ پیتل کے سانپ کے الفاظ سے خدا کا رحم
ظاہر ہوتا ہے اور یہ مسیح مصلوب کے ذریعے سے حاصل ہونیوالے
رحم کو ظاہر کرتے ہیں۔ سانپ اَور عورت کی دشمنی یا سانپ اور عورت کی
نسل کی دشمنی سے مسیح اور شیطان کی دشمنی بھی مراد ہے۔ جوں جوں نبوت
یا خدا کی تعلیم زیادہ واضح ہوتی گئی توں توں واضح ہوتا گیا کہ فتح پانے والا
مسیحا ہے یعنی فاتح یسوع مسیح ہے اور سانپ شیطان ہے اَور وہ
عورت جو شیطان کی دشمن ہے مسیحا کی ماں ہے اور وہ حضرۃ مریم ہے پس
جو معنی پوشیدہ ہوتے ہیں اور پہلے صرف خدا کو معلوم ہوتے ہیں وہ نبوت
کے ارتقا اَور واقعات کے وقوع میں آنے سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ملکہ کنداکے کا خوجہ جو حبشی تھا اَور ملکہ کا وزیر تھا وہ یروشلیم میں
عبادت کرنے کے لئے آیا تھا اَور جب عبادت کرکے اپنے ملک کو واپس جا
رہا تھا اور اپنی رتھ میں سوار تھا تو وہ اُسوقت حضرت اشعیا نبی کا
صحیفہ پڑھ رہا تھا روح القدس نے فلپس ڈیکن کو اُس کی ہدایت کے لئے
بھیجا۔ وزیر نے اُسے اپنے ساتھ رتھ میں بیٹھنے کو کہا وہ رتھ پر سوار ہو
کر اُس کے پاس بیٹھ گیا اَور اُس سے پوچھا کہ جو کچھ تُو پڑھ رہا ہے اُسے
سمجھتا بھی ہے؟ اُس نے کہا کہ مَیں اِسے کیونکر سمجھ سکتا ہُوں جب تک کوئی
مجھے نہ سمجھائے۔ فلپس نے اُسے اس مقام کا مطلب سمجھایا اور یسوع کی

خوشخبری دی تو وہ اُسی وقت ایمان لے آیا اَور مسیحی ہو گیا یہ واقعہ اعمال
۸ / ۲۶-۳۹ میں پایا جاتا ہے۔ بائیبل کتابوں کا مجموعہ ہے جو ایک طویل زمانے
میں ضبطِ تحریر میں آیا اَور مختلف خاصیتوں کے مصنفوں سے لکھا گیا جس
زمانے میں وہ رہتے تھے اُسے گذرے ہُوئے بہت صدیاں ہو چکی
ہیں اور جن ملکوں میں وہ رہتے تھے وہ ہم سے کوسوں دُور
ہیں پس پہلے مناسب تیاری کئے بغیر ہم اُن کی کتابوں کو نہیں سمجھ سکتے۔
اُن کی طرزِ ادائیگی، طرزِ کلام، محاورے وغیرہ معلوم ہونا چاہئیں اُن کے
زمانوں سے واقفیت ہونا چاہیئے مثلاً کوئی ورجل کی تصنیف کو نہیں سمجھ
سکتا جب تک وہ اُس کے زمانے کا علم نہ رکھتا ہو اَور پُرانے عہدنامے
کی سب کتابیں ورجل سے قدیمی ہیں اور عہدِ جدید کی کتابیں قریباً
اُس کی ہمعصر ہیں۔ بائیبل کی کتابوں کی اِنسانی تصنیف کی حقیقت سے یہ
حقیقت کہیں بڑھ کر اہم ہے کہ اِن کتابوں کا مُصنف خدا ہے اَور اِس
لئے یہ کتابیں الٰہی مکاشفہ کا چشمہ ہیں پس مفسّر کو لازماً کلیسیا کی رہنمائی اور
اور امداد کی ضرورت ہے کیونکہ وہی اس مکاشفہ کی محافظ ہے، اور
مقدس کتابوں کے مختلف معنی اور خدا کی تعلیم جو اِن کتابوں میں پائی جاتی
ہے وہ اِسی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ کلیسیا ہر
عبارت کا پورا مطلب بتانے کیلئے ہر وقت تیار ہوتی ہے۔ نہیں یُوں نہیں
ہے۔ کلیسیا خدا کی رہنمائی سے بائیبل سے خدا کی تعلیم دیتی رہتی ہے لیکن
جب کبھی خاص عبارت کے معنی کے بارے میں فتویٰ دینا ہوتا ہے تو وہ
فتویٰ عموماً غلط معنی کے خلاف ہوتا ہے اَور ان باتوں کے بارے میں
ہوتا ہے جو ایمان اَور اخلاق کے بارے میں ہوتی ہیں یعنی وہ فتویٰ

غلط تعلیم سے آگاہ کرنے والا ہوتا ہے اور یا ہم کو اِس بات کا یقین دلانے والا ہوتا ہے کہ تفسیر جو پیش کی گئی ہے وہ ایمان کی عام سچائیوں کی مطابقت میں ہے پس ایسی تفسیر منفی قسم کی ہوتی ہے یعنی ایسی تفسیر جو ایمان اور اَخلاق کے خلاف معنے نکالنے سے روکتی ہے یعنی غلط تفسیر سے روکتی ہے اور جہاں کلیسیا صرف منفی قسم کی رہنمائی کرتی ہے وہاں کیتھولک مفسّر مختلف قسم کی رائیں رکھتے ہیں اور رکھتے رہے ہیں جیسے کہ علم الٰہی میں مختلف خیالوں والے مسالک ہیں پس جو عبارت ایمان اور اخلاق سے متعلق نہ ہو وہاں کیتھولک مفسّر جو معنی مناسب سمجھے اُس کو ماننے میں آزاد ہے بشرطیکہ وہ معنی کتابِ مقدس کی منزّہ من الخطائی کے خلاف نہ ہوں۔ کتابِ مقدس میں کوئی غلط بات نہیں ہو سکتی اور کوئی تفسیر اِس حقیقت کو ردّ کرنیوالی نہیں ہونا چاہیئے۔ رائے جو اختیار کیجائے گی وہ لازماً اس وقت کے علم کی مطابقت میں ہوگی۔ بہت عرصہ نہیں ہُوا کہ تکوین کی کتاب کے پہلے باب کے بارے میں یہ مانا کرتے تھے کہ خدا نے دنیا آٹھ آٹھ پہر کے چھ دنوں میں بنائی تھی لیکن بائیبل کے علم اور سائنس کے ترقی کرنے سے معلوم ہُوا کہ پیدائش کی کتاب کے اِس باب کا یہ مطلب نہیں ہے اور اِس کے حقیقی مطلب کی وضاحت کیلئے طرح طرح کی آراء پیش کیجاتی ہیں۔ اِن میں سے کوئی ایک ہی رائے سچی ہو سکتی ہے لیکن کلیسیا کو ایسے معاملات کے فیصلہ کرنے کا براہ راست اختیار نہیں ہے کیونکہ "جو باتیں ایمان کے فرض کے ماتحت نہیں ہیں یعنی جن باتوں پر ایمان لانا فرض نہیں اور جو باتیں مسائلِ ایمانیہ نہیں ہیں مقدسین مختلف آراء رکھنے میں آزاد تھے جیسے کہ ہم بھی مختلف آراء

رکھنے میں آزاد ہیں"۔ یہ اقتباس پوپ پیوس دہم کے خطِ عام "تمام پروردگاری کا خدا" میں سے ہے۔ پوپ صاحب کی یہ بات جس کا اقتباس کیا گیا ہے کیسی صحیح اور درست رہنمائی کرنے والی ہے۔

کتابِ مقدس کی تفسیر کی مفصّل اقسام یہ ہیں:-

۱۔ لفظی تفسیر۔

(ا) اصلیت یا حقیقت۔

(ب) لفظی تفسیر کی قسمیں۔

(ج) کتابِ مقدس کے ہر حصّے کے لفظی معنی ہیں۔

(د) لفظی معنی ایک ہے۔

(ہ) معنی کی معموری یا پُورا ہونا۔

۲۔ رُوحانی تفسیر۔

(ا) موجودگی اور حقیقت۔

(ب) رُوحانی تفسیر کی قسمیں۔

(ج) توسیع۔

(د) کیا رُوحانی تفسیر ہمیشہ مسیحائی معنی رکھتی ہے۔

(ہ) قوتِ اِثباتی یا ثبوت مہیا کرنے کی قوت یا قوتِ تحقیق۔

۳۔ کتابِ مقدس کے متن سے ظاہری مشابہت یا مطابقت۔

تفسیر کے اصول:-

۱۔ عام اصول۔

(ا) پس منظر۔

(ب) مُصنف۔

(ج) کتاب۔
(د) الفاظِ مستعملہ۔
۲۔ خاص اصول۔
(ا) منزّہ عن الخطا یا لاخطا ہونا۔
(ب) کلیسیا کا اختیارِ تفسیر۔
(ج) ایمان سے مطابقت۔
(د) عہود میں مطابقت یا عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کا باہم مطابق ہونا۔
خاتمہ۔



۱۔ لفظی تفسیر

(ا) اصلیت یا حقیقت:-

کتابِ مقدس کی عبارت کے معنوں کی تحقیق کے لئے اِس بات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ کتابِ مقدس کے دو طرح کے مصنف ہیں الٰہی اور اِنسانی۔ کتاب کے دونوں طرح کے مصنف یعنی کسی عبارت کے دونوں مصنف اُس عبارت کو تصنیف کرنے کیلئے اِشتراکِ عمل کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی معنی والی ایک ہی عبارت تصنیف کرتے ہیں۔ دوہری تصنیف سے دوہرے معنی مُراد نہیں یعنی کسی عبارت کے دو مُصنف ہونے سے یہ مُراد نہیں اور نہ یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اُس

عبارت کے دو مختلف معنی ہیں۔ خدا کا مطلب کچھ اَور ہے اور اِنسانی مصنف کا مطلب کچھ اور۔ ایسا نہیں ہے بلکہ خدا اَور اِنسان کا ایک ہی مُطلب ہے جسطرح خدا اِنسانی زبان کے ذریعے اپنی بات پیش کرتا ہے اسی طرح وہ اپنا مطلب بھی اِنسان مصنف کے ذریعے پیش کرتا ہے پس خدا کا اَور اِنسانی مُصنّف کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے اور کسی عبارت کے لفظی معنی وہ ہوتے ہیں جو اِنسانی مصنف لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا یعنی اس کا خیال لفظی معنی ہیں اَور جو کچھ اُن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے پس اِنسانی مُصنّف کا خیال اور جو کچھ اُس کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں وہ لفظی معنی ہیں یعنی جو کچھ مصنف کا خیال تھا وہی لفظی معنی ہیں خواہ اُس نے اُن کے اظہار کیلئے سیدھی سادی زبان استعمال کی ہو اَور خواہ مجازی مثلاً اے شمعون برِیونا تو چٹان ہے اَور میں اِسی چٹان پر اپنی کلیسیا بناؤں گا اگرچہ یہ مجازی زبان ہے لیکن اِس کے معنی لفظی معنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اے شمعون پطرس تو مضبوط بنیاد ہے اَور میں تجھ پر اپنی کلیسیا قائم کروں گا پس مسیح کا اپنی کلیسیا کو پطرس پر قائم کرنا اِس مجازی زبان کے لفظی معنی ہیں یعنی جس بات کی ہم جستجو میں ہیں وہ یہ ہے کہ جو الفاظ مُصنف اِستعمال کرتا ہے اُن سے اُس کا کیا مطلب مراد ہوتا ہے کسی لفظ کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں جس طرح لغات کشوری میں لفظ رنگ کے سینتیس معنی دیئے ہوئے ہیں لیکن کسی دی ہوئی عبارت میں یعنی خاص عبارت میں کسی لفظ کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ مصنف زبان کے قواعد کو ملحوظِ خاطر رکھے ورنہ گڑبڑ پیدا ہو گی مثلاً یوحنا ۱:۱۴ میں لکھا ہے کہ کلمہ گوشت بنا۔ گوشت سے اِنسان مُراد ہے یعنی کلمہ اِنسان بنا

اور اِن الفاظ سے تجسّد کے بھید کا بیان کرنا مقصود ہے۔ لفظ کلمہ کے کئی معنی ہیں اور گوشت کے بھی متعدد معنی ہیں یا اِن کے معنی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں لیکن اِس عبارت میں کلمہ کے معنی خدا کا بیٹا ہیں اور گوشت سے انسانی ذات مراد ہے جو اُس نے اختیار کی جیسے کہ اِس عبارت اور یُوحنّا کی ساری انجیل سے معلوم ہوتا ہے پس مصنف کی بات کے ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں اگر بات کے ایک معنی نہ ہوں تو وہ اپنی بات کو آپ شکستہ اور ضائع کرنے والا ہوتا ہے جس طرح ایک فارسی شاعر کے بارے میں کہتے ہیں کہ اُس نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا۔ وہ نظم جو بادشاہ کی تعریف میں لکھی اُس میں ایسے الفاظ استعمال کئے جن کے معنی اچھے اور بُرے دونوں طرح کے تھے جب اُس نے بادشاہ کے حضور میں وہ نظم پڑھی تو بظاہر وہ قصیدہ معلوم ہوتا تھا لیکن شاعر کے معنوں کے لحاظ سے وہ نظم بادشاہ کی ہجو تھی کیونکہ اُسمیں اُس کو گالیاں دی گئی تھیں اور اُس کی بُرائی بیان کی گئی تھی۔ بُرے معنی شاعر کے اپنے پاس ہی رہے اُسے اُن کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی اور نہ ہوئی۔ جن کیلئے وہ نظم لکھی گئی اُن کے لئے اُس کے ایک ہی معنی تھے پس فی الواقع کسی عبارت کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں اور وہی اُس کے لفظی معنی ہوتے ہیں۔ لفظی معنی وہ معنی ہوتے ہیں جو اُن الفاظ کے ذریعے ادا کئے ہوئے ہوتے ہیں جو زبان کے استعمال کرنے کے طریقوں اور قاعدوں کی رُو سے فقروں یا کلام کی اکائیوں یا یونٹوں میں ترتیب دیئے گئے ہوں۔ آجکل تو لفظی معنی ایسے معنی کو کہتے ہیں جو مجازی نہ ہو لیکن لفظی معنی اِس طرح کے نہیں ہوتے ہم لفظی معنی کو اُس طرح کا کہتے ہیں

جو نمونے کا اور رُوحانی نہ ہو۔ نمونہ ظاہر کرنیوالے اور روحانی معنی لفظی معنی نہیں ہوتے چونکہ زبان میں کسی بات کو مجاز کیصورت میں ادا کرنا مروّج ہے پس بائبل میں لفظی معنوں کو مجازی صورت میں بھی ادا کیا گیا ہے۔ بائبل میں جو مجازی طرز استعمال کی گئی ہے وہ قدیم زمانے کے مشرقِ بعید کی مجازی طرز ہے وہ وہ طرز نہیں جو آجکل دیگر ممالک میں پائی جاتی ہے۔ پس اُس کے معنی اس طرز کے مطابق ہونے چاہئیں جو استعمال کی گئی ہے اور وہی معنی ہونا چاہئیں جو قدیم زمانے میں سمجھے جاتے تھے یعنی جو قدیم زمانے میں تھے۔ چونکہ اُن کے معنی قدیم زمانے والے معنی ہیں، اِس لئے زمانۂ حاضرہ کے پڑھنے والوں کو اُن کے معنی سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے اور اُن کیلئے اُن کے معنی پیچیدہ اور دُھندلے ہوتے ہیں لیکن بائبل کا کوئی بھی مجازی کلام لفظی معنی سے بیگانہ نہیں ہے اُس کے ہر مجازی کلام کے لفظی معنی ہیں یعنی وہ حقیقی معنی ہیں جن کو ظاہر کرنے کیلئے وہ طرز اور الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مثلاً خداوند یسوع کو مکاشفہ ۵ میں یہوداہ کے قبیلے کا ببر اور یُوحنّا ۱/۲۹ میں خدا کا برّہ کہا گیا ہے یعنی ببر سے مسیح بادشاہ اور برّہ سے قربانی مراد ہے۔

(ب) لفظی تفسیر کی قسمیں:-

انجیلِ مقدس کی جو آیت ابھی پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ متجسّد ہُوا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا بیٹا اِنسان بن گیا۔ اِس کا یہ مطلب صاف ظاہری اور واضح ہے لیکن اس کے اِنسان بننے میں یہ پایا جاتا ہے کہ اُس کے اِنسانی وجود میں غیر فانی روح تھی۔ یہ بات اُس کے

انسان ہونے میں پائی جاتی ہے اور یہ اُس کا انسان ہونے کا نتیجہ ہے اِس قسم کے مطلب کو باطنی یا اندرونی مطلب کہتے ہیں۔ یہ ضمنی مطلب ہوتا ہے اَور واضح اَور ضمنی مطالب تفسیر کی قسمیں نہیں ہیں۔ واضح مطلب لفظی مطلب ہوتا ہے اور ضمنی مطلب واضح مطلب سے نتیجہ نکالا ہُوا ہوتا ہے اَور وہ مطلب واضح اور ظاہری مطلب میں شامل ہوتا ہے۔ خداوند یسوع نے جان کنی کے وقت اپنے باپ سے عرض کی بنتی کرکے باپ میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع کی ایک مرضی ایسی بھی ہے جو الٰہی نہیں ہے۔ واضح مطلب یہ ہے کہ میری انسانی مرضی پُوری نہ ہو مگر چونکہ یسوع خدا کا کلمہ ہے اُس کی الٰہی مرضی بھی ہے۔ میری مرضی پوری نہ ہو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ایک مرضی غیر الٰہی ہے لہٰذا یسوع مسیح میں دو مرضیاں ہیں الٰہی مرضی اَور انسانی مرضی لیکن یہ مطلب اِس بات کا نتیجہ ہے کہ میری مرضی پوری نہ ہو۔ یہ ضمنی مطلب ہے جو ظاہری اور واضح مطلب میں شامل ہے اور جو اِس مطلب کے اندر موجود ہے پس معلوم ہو کہ ضمنی یا باطنی یا مشمولہ مطلب ظاہری مطلب کے علاوہ کوئی اَور قسم نہیں ہوتی۔ ظاہری مطلب ہی تفسیر کی قسم ہے اَور یہ لفظی تفسیر ہوتی ہے۔

سچائیوں کی بہت بڑی تعداد متن سے نکالے ہوئے نتائج ہوتے ہیں وہ متن کا الہامی مطلب یعنی لفظی مطلب نہیں ہوتا ایسے نتائج کو الٰہیاتی نتائج کہتے ہیں یعنی وہ نتیجے جو علمائے الٰہیات نے نکالے ہُوئے ہیں۔ ایسے نتیجوں کا وزن اور اُن کی قدر اُن کی صحت پر موقوف ہے۔ نتیجہ نکالنے کی صحت اور درستی سے وہ نتیجہ وزندار اور قدر و قیمت والا ہوگا ورنہ بے قدر و بے وزن ہوگا۔ اس کو کبھی کبھار نتیجاتی تفسیر بھی کہہ دیتے ہیں یعنی ایسی تفسیر جو محض

نتیجہ ہے لیکن اِس اصطلاح کو اِستعمال نہیں کرنا چاہیئے اَور ایسے نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ اِس طرح کا مطلب الہامی مطلب نہیں ہوتا۔ الہامی مطلب تو ظاہری اَور واضح مطلب ہی ہوتا ہے یا جو لفظی مطلب ہوتا ہے یعنی جو لفظوں میں پایا جاتا ہے نہ کہ وہ جو لفظوں کے مطلب سے نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ نتیجہ الہامی مطلب یا لفظی مطلب نہیں ہوتا۔

مصنفین کا کلام اور اُن کی تحریر کہیں لفظی ہوتی ہے اور کہیں مجازی۔ جسطرح غیر مُلہم مصنفین لفظی اَور مجازی کلام لکھتے ہیں اِسی طرح ملہم مصنفین بھی کبھی تو اپنے الفاظ کو لغوی معنی میں اور کبھی استعارہ کنایہ اور مجاز کے طور پر یعنی نیٹیا فاریکل معنی میں اِستعمال کرتے تھے۔ جب مصنف کسی لفظ کو مجازی معنی میں استعمال کرتا ہے تو اُس کے مجازی معنی ہی راست اَور صحیح معنی ہوتے ہیں لغوی معنی صحیح اَور دُرست نہیں ہوتے مثلاً اے شمعون برئونا تو چٹان ہے۔ یہاں لفظ چٹان مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی مضبوط بنیاد ہونے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے پتھر کا بنا ہُوا ہونے کے معنی میں نہیں۔ لغوی معنی پتھر کا بنا ہُوا ہونا ہیں لیکن یہ معنی نا دُرست اَور غلط ہیں پس جہاں کوئی لفظ مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہو وہاں اُس کے مجازی معنی ہی لینے چاہئیں وہاں لغوی معنی نہیں لینے چاہئیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص اپنے میزبان کے دہنے ہاتھ بیٹھا تو اِس سے لغوی معنی مراد ہوتے ہیں یعنی وہ شخص سچ مچ اپنے میزبان کے دستِ راست کیطرف بیٹھا لیکن جب کہتے ہیں کہ یسوع مسیح قادرِ مطلق خدا کی دہنی طرف بیٹھا ہُوا ہے تو اِس سے مجازی معنی مراد ہوتے ہیں کیونکہ لغوی معنی میں نہ خدا کا کوئی دایاں ہاتھ ہے اور نہ کوئی دائیں طرف

بلکہ اِس سے بلند ترین مرتبہ مراد ہے کہ خدا کے حضور میں مسیح کو سب سے بڑا مرتبہ حاصل ہے پس لغوی معنی اور مجازی معنی دو طرح کے معنی ہیں۔ مجاز کسی نام یا اصطلاح کو اِسطرح استعمال کرنا ہے کہ اس سے لغوی معنی مراد نہ ہوسکیں۔ لفظی معنی ہم کتاب مقدس کے اُس معنی کو کہتے ہیں جو معنی لفظ سے مراد ہوں خواہ وہ لغوی ہوں اور خواہ مجازی۔ لغوی معنی سے الفاظ کے خاص اور پہلے معنی مراد ہیں مثلاً شیر کے پہلے اور خاص معنی ایک جنگلی درندہ کے ہیں اور پھر بہادر اور دلیر کو بھی شیر کہتے ہیں۔ جب یہ لفظ اس جنگلی درندہ کے معنی دے تو یہ لغوی معنی ہیں اور جب دلیر اور بہادر کے معنی دے تو مجازی معنی ہیں لیکن ہیں دونوں معنی لفظ شیر کے۔ جب یہ لفظ مجازی معنی دے تو اُس وقت بھی یہ معنی لفظی معنی ہی ہوتے ہیں کیونکہ اس جگہ اُس لفظ کے وہی معنی ہوتے ہیں۔

کتاب مقدس کی تفسیر میں دونوں طرح کی تفسیر کو لفظی تفسیر کہتے ہیں لیکن اِن دونوں میں امتیاز ضرور پایا جاتا ہے اور امتیاز کرنے کی خاطر ایک کو لغوی اور دوسری کو مجازی کہتے ہیں اور دوسری کتابوں میں جو ان کو لفظی اور مجازی کہتے ہیں تو اس سے کتاب مقدس کی تفسیر اور اُن کے مطالب میں فرق کرنے کیلئے ہے کیونکہ دوسری تصانیف سے بائبل مختلف ہے۔ استعمال کا یہ فرق اِس حقیقت کے باعث لازمی اور ضروری ہے کیونکہ بائبل اور طرح کی کتاب ہے۔ کتاب مقدس کا ان سے فرق اِس لئے ہے کیونکہ یہ خدا سے لکھی گئی ہے اور اِس کے لفظ یا فقرے یا عبارت سے ایک سے زیادہ معنی بھی مراد ہوتے ہیں چونکہ جو معنی الفاظ میں براہِ راست پائے جاتے ہیں اُن کے علاوہ اکثر اوقات اُن میں روحانی معنی بھی پائے جاتے ہیں اِس لئے

ایک کا دوسرے سے اِمتیاز کرنا لازمی ہے۔ بے شک لفظی کا نام ایسے ہی معنے کو دیا گیا ہے جیسے کہ بیان ہو چکا ہے۔ غیر الہامی کتابوں میں یعنی محض اِنسانی کتابوں میں تو وہی معنی مراد ہوتے ہیں جو براہِ راست متن سے ظاہر ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی اَور معنی بھی ہوتے ہیں اور اِس لئے اِسے کوئی خاص نام دینے کی ضرورت نہیں اور اسم صفت لفظی خاص اسی معنی کے لئے ہو سکتا ہے جو الفاظ کے اصلی پہلے اَور ابتدائی معنی ہیں اور ماخوذ یا نکالے ہوئے یا مجازی معنوں سے مختلف ہیں جیسے پھول سے نازک کے معنی نکالے ہوئے ہیں چاند سے خوبصورت کے معنی اخذ کئے ہوئے ہیں اور شیر سے بہادر کے معنی لئے ہوئے ہیں۔ انسانوں کی تصانیف میں کسی عبارت کے یا تو لفظی معنی ہوں گے یا مجازی لیکن ایک ہی جگہ دونوں قسم کے معنی نہیں ہوں گے۔ کتاب مقدس کی اصطلاح میں لغوی معنی کو اصلی لفظی اَور مجازی کو غیر اصلی لفظی کہتے ہیں۔

بائبل کے تاریخی حصوں میں بیانات بہت بڑی حد تک غیر مجازی طرز میں لکھے ہوئے ہیں یعنی اصلی لفظی معنوں میں لکھے ہوئے ہیں لیکن نظم کی کتابوں میں ہر طرح کی صورتوں کی کثرت ہے۔ زبور کی کتاب جس میں بہترین قسم کی عبرانی نظم پائی جاتی ہے یہ ایسے الفاظ سے معمور ہے جو مجازی معنوں میں یا غیر اصلی لفظی معنوں میں اِستعمال کئے گئے ہیں مثلاً تو میرے چھپنے کی جگہ اور میری ڈھال ہے زبور ۱۱۸ (۱۱۹) لیکن تاریخی کتابوں کے مصنفوں نے مجازی طرز کو بھی ایسے طور پر اِستعمال کیا ہے کہ آجکل مغربی مؤرخین اُسے اختیار نہیں کرتے مثلاً باغِ عدن کی بعض صورتیں۔ گو جن باتوں کو مجازی سمجھا جاتا ہے اُن کے بارے میں آراء مختلف ہیں

کوئی ایک بات کو مجازی کہتا ہے اور دوسرا اُس کو مجازی نہیں کہتا بلکہ کسی اور کو مجازی کہتا ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً "ہم ٹیڑھی چال چلے" ۱۔ ملوک ۲۰/۳ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بُرائی کی۔ "وہ تیرے بزرگ نام اور قوی ہاتھ اور بلند بازو کا حال سُنیں گے" ۱۔ ملوک ۸/۴۲ بزرگ نام سے بزرگ وجود اور قوی ہاتھ اور بلند بازو سے قوی اور بلند قدرت مراد ہے۔ قضاۃ ۹/۸-۲۰ میں ایک تمثیل پائی جاتی ہے۔ بیسویں آیت میں آگ سے عدل و مصیبت کی آگ مراد ہے یہ عدل اور مصیبت کے معنی میں استعمال کی گئی ہے یعنی تباہی نکلے جو دونوں طرفوں کو تباہ کرے ابی ملک اہلِ سکم اور اہلِ ملو کی تباہی کا باعث ہو اور اہلِ سکم اور اہلِ ملو ابی ملک کو تباہ کریں۔ ابی ملک سے تباہی نکلنے یعنی وہ تباہ کرنے والا ہو اور اہلِ سکم اور اہلِ ملو سے تباہی نکلے یعنی وہ تباہ کرنیوالے ہوں۔ ۱۔ اخبار ۶/۲۸ میں سلیمان کو مجازی معنی میں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور خدا کو مجازی معنی میں اُس کا باپ کہا گیا ہے۔

(ج) کتابِ مقدس کے ہر حصّے کی لفظی تفسیر ہے:-

چونکہ پاک مصنفوں نے بھی اپنی کتابیں اُسی طرح تصنیف کی ہوئی ہیں جسطرح دوسرے مصنفین کرتے ہیں پس غیر الہامی مصنفوں کی تصنیفوں کیطرح الہامی تصنیف کا بھی کوئی حصّہ ایسا نہیں ہوتا جس کے لفظی معنی نہ ہوں۔ مسیحیت کے ابتدائی زمانوں میں اِسکندریہ کے مسلک کے بعض مصنفین نے مثلاً آریجن نے رُوحانی معنوں پر اِس قدر زور دیا کہ اُس نے اور اُس جیسے دُوسروں نے بعض عبارتوں کے لفظی معنوں کا بالکل انکار کر دیا یعنی

یہ کہا کہ اِن عبارتوں کے صرف روحانی معنی ہی ہیں اِن کے لفظی ہیں ہی نہیں۔ موجودہ زمانے میں بھی ایسا میلان پایا گیا ہے لیکن ایسے نظریے کلیسیا کی روایت کے مطابق کبھی بھی نہیں ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں آریجن کے تفسیرانہ نظریوں کے بارے میں ایک عالم ایچ دے لیوبک نامی نے ایک قابل اور اعلےٰ حمایت لکھی اُس نے اُس کے اُن نظریوں کے بارے میں جو تفسیر سے تعلق رکھتے تھے بڑی قابلیت سے حمایت کی۔ دے لیوبک کہتا ہے کہ چونکہ آریجن مسیح کا نہایت گرویدہ تھا اور اُس نے اپنا آپ اس کے لئے پُورے طور پر وقف کر رکھا ہوا تھا اِس وجہ سے وہ ساری کتابِ مقدس میں روحانی اور انجیلی معنوں ہی کی جستجو کرتا تھا لیکن وہ ہمیشہ اِس کی تاریخی حیثیت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ دے لیوبک یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اِس عظیم اِسکندریہ کو اُس طرح کا نہیں سمجھا گیا جسطرح کا وہ تھا اُس کے بارے میں لوگ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ جب وہ کسی واقعہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ اِس واقعہ کے صرف رُوحانی معنی ہیں لغوی معنی نہیں ہیں تو غالباً اِس سے اُس کی مُراد یہ ہوتی ہے کہ اِس کے معنی علامتی اور مجازی ہیں اور پھر جب آریجن نے یہ کہا کہ بائبل کے بعض حصّے جو واقعات کی طرز یعنی تاریخی طرز میں لکھے ہوئے ہیں وہ تاریخی نہیں ہیں اِس سے اُس کی مراد یہ ہے کہ وہ ہیں تو تاریخی لیکن اگر اُن کے محض لفظی تاریخی معنی ہی لئے جائیں تو اُن واقعات کے واقع ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوگی یعنی اُن کے واقع ہونے کی کوئی کافی وجہ نہیں ہوگی اور اِس لحاظ سے اور اِس معنی میں وہ کہتا ہے کہ وہ کبھی ہوئے ہی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اِسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ عہدِ عتیق کے بہت سے واقعات اِس لئے وقوع میں آئے

کیونکہ اُن کے بارے میں خدا کا ارادہ یہ تھا کہ وہ عہدِ جدید کے کسی نہ کسی بھید کی پیش علامت ہوں۔ ڈے لیوبک نے آریجن کی اِس طرح کی حمایت کی ہے جو یہاں مختصر طور پر پیش کی گئی ہے اور مشتے نمونہ از خروارے ہے یعنی ایک لدے میں سے صرف مٹھی بھر نمونہ ہے۔

(د) لفظی معنی صرف ایک ہی ہوتا ہے:-

کتابِ مقدس کی کسی عبارت کو مختلف پڑھنے والے مختلف معنوں میں سمجھ سکتے ہیں۔ صرف چند ایک مقام ہی ایسے ہیں جن کی کلیسیا نے با اختیار طور پر تفسیر کردی ہوئی ہے اور جن مقاموں کی تفسیر کلیسیا نے با اختیار طور پر کردی ہوئی ہے وہ تفسیر مستند ہے اور ان مقاموں کی وہی تفسیر کرنا ہوتی ہے جو کلیسیا نے کی ہوئی ہے اُن کی اور طرح سے تفسیر نہیں کرنا چاہیئے۔ جن عبارتوں کی مستند تفسیر نہیں کی گئی اُن کو مختلف معنوں میں سمجھا جا سکتا ہے مثلاً اِشعیا میں زبردست اور زور آور اور مہیب کے جو الفاظ ۴۹ / ۲۴-۲۵ میں آئے ہیں انہیں مختلف معنوں میں سمجھا گیا ہے ایک معنی تو اہلِ بابل ہیں اور بعض اشخاص اِس کے معنی ارواحِ بد یا شیاطین لیتے ہیں۔ اسیر کے ایک معنی وہ اِسرائیلی ہیں جو بابل میں جلا وطن تھے اور ایک معنی وہ لوگ ہیں جو گناہ کر کے شیاطین کے قیدی ہو جاتے ہیں۔ راستباز سے اسرائیل کا راستباز حصہ مراد ہے جلا وطن اسرائیل راستباز اسرائیل ہو چکا ہُوا تھا پس راستباز کے قیدیوں سے اسرائیل کے قیدی یعنی اسرائیلی جلا وطن لوگ مُراد ہیں اور دوسرے معنی یسوع مسیح کے قیدی مراد ہیں۔ گنہگار انسان یسوع مسیح کے وہ قیدی ہیں جنہیں اُس کو

چھڑانا ہے وہ قیدیوں کو شیاطین کی قید سے چھڑانے والا ہے۔ بابلی بادشاہ اور اہلِ بابل کا شکار جلا وطن اسرائیلی ہیں اور شیاطین کا شکار گنہگار اِنسان ہیں۔ زبردست سے شکار کا چھین لیا جانا۔ مہیب کا شکار چھڑا لیا جانا اور زور آور کے اسیروں کا لے لیا جانا جلا وطن اِسرائیلیوں کی بابل سے اپنے وطن فلسطین میں واپسی ہے اور دوسرے معنی گنہگاروں کا یسوع مسیح پر ایمان لا کر شیاطین کی قید سے رہا ہو کر خدا کی بادشاہت میں واپس آنا ہے۔ پھر کتابِ مقدس کی ایک عبارت سے متعدد الٰہیاتی نتائج نکالے جا سکتے ہیں لیکن وہ مُلہم مصنف کے الہامی معنی نہیں ہوتے اگرچہ وہ الٰہیاتی نتائج ایسی سچائیاں ہوتے ہیں جن کو خدا نے مقدس روایت کے ذریعے سے کشف و ظاہر کیا ہُوا ہے لیکن جو بات یہاں زیرِ غور ہے وہ یہ ہے کہ آیا کتابِ مقدس کی کسی عبارت کے الہامی اور یقینی لفظی معنی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں؟ گو آباء اور کلیسیا کے مصنفین اِس بات کے بارے میں متفق نہیں ہیں لیکن الہام کی حقیقت کا یہ لازمی نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظی معنی صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ پاک مُصنف اپنے آپ کو انسانی طرز میں ظاہر کرتا ہے یعنی اپنے خیال کے اظہار کے لئے انسانی طرزِ استعمال کرتا ہے۔ ایسے الفاظ استعمال کرنا جو اپنے مقامِ استعمال یا سیاق و سباق میں ایسے معنی دینے کے قابل ہوں جو ایک سے زیادہ ہوں محض اُلجھن پیدا کرنا ہے اور اسطرح کرنے سے جو کچھ خدا سکھانا چاہتا ہے اُس سے بہت دُور چلے جاتا ہوگا اور وہ بات پوشیدہ اور دھندلی ہو جائے گی۔ یہ تو سچ ہے کہ عہدِ عتیق کی بعض عبارتیں ایسی ہیں کہ ان کا اقتباس عہدِ جدید میں مختلف معنوں میں ہُوا ہے مثلاً بہت سے مفسروں کی رائے کے مطابق زبور ۲/۷ کی تفسیر اعمال ۱۳/۳۳ میں قیامتِ مسیح

ہے ملاحظہ ہو "خدا نے یسوع کو جلا کر ہماری اولاد کے لئے اُسی وعدے کو پُورا کیا ہے چنانچہ دوسرے مزمور میں لکھا ہے کہ تو میرا بیٹا ہے آج تُو مجھ سے پیدا ہُوا ہے" یعنی جی اُٹھنے کے دن جی اُٹھنے سے مجھ سے پیدا ہُوا ہے پس یہاں مسیح کے خدا سے پیدا ہونے سے اُس کا جی اُٹھنا مُراد ہے لیکن عبرانیوں ۱:۵ میں خداوند یسوع مسیح کی اُلوہیت مراد ہے ملاحظہ ہو "فرشتوں میں سے کسی سے اُس نے کب کہا تو میرا بیٹا ہے آج ہی تُو مجھ سے پیدا ہُوا ہے" لیکن یہ خیال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہاں دونوں مقاموں میں لفظی معنی پیش کئے جا رہے ہیں۔ لفظی معنی اسرائیلی بادشاہ کا مقرر کیا جانا ہے اِسرائیل کا بادشاہ خدا کا بیٹا ہوتا تھا اور جس دن اُسکی تاجپوشی ہوتی تھی اُس دن سے وہ بادشاہت پر قابض ہوتا تھا یعنی اُس دن سے بادشاہ ہوتا تھا۔ بادشاہی حیثیت میں وہ اُس دن پیدا ہوتا تھا پس تُو میرا بیٹا ہے کا مطلب ہے کہ تُو اِسرائیل کا بادشاہ ہے اور آج تُو مجھ سے پیدا ہُوا ہے کا مطلب یہ ہے کہ آج تیری تاجپوشی ہوئی ہے آج تُو بادشاہ ہُوا ہے۔ یہ زبور مسیحائیہ ہے اِس لئے اِس سے مسیحا کی اُلوہیت اخذ کرنا بھی ٹھیک ہے اور قیامت مسیح بھی کیونکہ یہ دونوں باتیں حقیقی مسیحا میں پائی جاتی ہیں گو لفظی معنی میں دُوسرے زبور میں نہیں پائی جاتیں۔

بعض مصنف ایسے بھی ہیں جنہوں نے اگرچہ لفظی معنی کی وحدت ہی تسلیم کی ہے یعنی جو یہی مانتے ہیں کہ لفظی معنی ایک ہی ہوتا ہے مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بائبل کے شاعرانہ حصوں میں متعدد معنی پائے جا سکتے ہیں کیونکہ وہاں ایسے الفاظ استعمال میں آئے ہیں جو معنوی لحاظ سے بڑے زرخیز سیر حاصل اور شاداب ہیں اور اپنے پس منظر سے متعلق ہونے کے باعث

بھی ایک سے زیادہ معنی دینے کے قابل ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ کم از کم بائبل کے نظم والے حصوں میں ایک عبارت کے ایک سے زیادہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

کسی عبارت کے کامل اور پورے معنی کی موجودگی کو تسلیم کرنے سے پہلے پہل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایسا کرنے سے لفظی معنوں کی کثرت کو قبول کر لیا جاتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کیونکہ پُورے معنی یا پُورے معنی والی تفسیر سے نئے اور جُدا معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ وہ لفظی معنی کی توسیع اور اُس کا بڑھاؤ ہوتا ہے۔ اِس قسم کی تفسیر سے جس قسم کے معنی کو خارج کیا جا رہا ہے وہ وہ معنی ہے جو بالکل جُدا اور غیر متعلق اور آزاد ہو یعنی پُوری تفسیر کے معنی جو ایک سے زیادہ ہوں گے وہ اِس طرح کے نہیں ہوں گے کہ ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق ہوں۔ ایک دوسرے سے جُدا اور آزاد ہوں۔ اِس بات کو قبول کرنے والے کثیر ہیں کہ روح القدس انسانی مصنف کے ظاہری خیال سے آگے جا سکتا ہے اور ایسا کرنا معنی کو دُھندلا اور تاریک کرنا نہیں ہوتا بلکہ معنی کی نئی گہرائیوں کا اضافہ کیا جاتا ہے اور معنی بہت زیادہ صاف ہو جاتے ہیں لفظی معنی میں بہت زیادہ صفائی آ جاتی ہے یا یُوں کہیں کہ جہاں تک اِنسانی مصنف کی نظر جاتی ہے رُوح القدس کی نظر اُس سے آگے جاتی ہے۔

(۵) مکمّل معنی یا پُوری تفسیر:-

جو معنی محض متن سے یا عبارت سے نکلتے ہیں کیا خُدا کبھی اُس معنی سے گہرے اور زیادہ معنی بھی عبارت میں رکھتا ہے؟ بائبل کی بہت

سی عبارتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے معنے بھی ہوتے ہیں۔ انبیاء مسیحا اور اس کی بادشاہت کے کسی نہ کسی پہلو کی پیشینگوئی کیا کرتے تھے کسی نبی کی آنکھوں کے سامنے اس کی پوری تصویر نہیں تھی صرف مابعد کی پشتوں کیلئے سارا منظر دیکھنا ممکن تھا جن کی آنکھوں کے سامنے پیشینگوئیاں اور اُن کی تکمیل دونوں تھیں۔ پیدائش ۳/۱۵ کے لفظی معنی تو شیطان اور بنی نوع انسان کے درمیان کشمکش اور لڑائی ہے لیکن نبوت کی ترقی اور توسیع سے آدمیوں نے معلوم کیا کہ جو فی الحقیقت فتح مند ہوگا وہ مسیحا ہے اور جب مسیح آیا تو اس نظریے کی تصدیق ہوگئی۔ خدا ہی ہے جو پیشینگوئی بخشتا ہے اور وہی ہے جو اس کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ مکمل معنی کی ایک مثال ہے اور یہ ایسے معنی ہیں جن کا علم پیدائش ۳/۱۵ کے مصنف کو نہیں تھا۔ ایسے معنوں کا علم صرف خدا ہی کو تھا۔ یہ بات فوری طور پہ قابلِ تسلیم ہے کہ مکمل تفسیر کا تصور ابھی صاف ہو رہا ہے اور سب مفسرین اسے قبول نہیں کرتے مگر مکمل تفسیر کا خیال یقیناً ایک معقول خیال ہے۔

ہمیں اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئیے کہ عہدِ جدید کے عظیم بھیدوں کو بیان کرنے کیلئے عہدِ عتیق کے اظہار کے طریقے بہت ہی ناقص اور ناکامل ہیں۔ حق یہ ہے کہ نبی کو فی الواقع اپنے زمانے کے خیال اور اظہار کے طریقوں کو استعمال کرنا ہوتا تھا کیونکہ وہ خاص کر اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے بات کرتا تھا اور وہ خاص کر آئن بعد کے لوگوں کے لئے نہیں کرتا تھا جنہوں نے اس کی بات کی تکمیل دیکھنا تھی۔ ہم اس پر تعجب کیوں کریں کہ خدا نے اپنے الفاظ میں ایسے معنی بھی رکھے جنہیں بعد میں آنے والے مکاشفے ہی ظاہر کرنے کو تھے۔ پوپ لیو سیزدہم کے الفاظ یہاں کیسے

موزوں ہیں کہ "پرانے زمانے کی تحریروں کے سمجھنے کے مشکل ہونے کی کئی عام وجوہ ہیں ان کے علاوہ بائیبل کے سمجھنے کے مشکل ہونے کی کچھ اور خاص وجوہ ہیں کیونکہ مقدس کتابوں کی زبان روح القدس کے الہام سے بہت سی ایسی باتوں کو ظاہر کرنے کیلئے استعمال کی گئی ہے جو انسان کی عقل کی طاقت اور وسعت سے پرے ہیں یعنی الٰہی بھید اور بہت سی باتیں جو ان میں پائی جاتی ہیں ایسی عبارتوں میں بعض اوقات معنوں کی ایسی افراط پائی جاتی ہے جو اُس معنی سے زیادہ اور گہرا ہوتا ہے جو متن کے حرف یعنی متن کے الفاظ اور تفسیر کے قواعد ضوابط سے معلوم اور ظاہر ہوتا ہے" یہ تمام پروردگاری کا خدا سے ماخوذ ہے۔

بعضوں نے عہدِ عتیق کو ایسے جُدا جُدا ٹکڑوں کا مجموعہ سمجھا ہے کہ جنہیں آخرکار جب ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے تو وہ ہمارے سامنے عہدِ جدید کی تصویر پیش کر دیتے ہیں پھر بعض اشخاص ایسے ہیں جو تاریخی ارتقا کا زیادہ لحاظ رکھتے ہیں اور یہ پاتے ہیں کہ عہدِ عتیق زندہ اور بڑھتے رہنے والے مکاشفہ کی تحریر ہے۔ عہدِ عتیق کی کتابوں میں وہ مکاشفہ لکھا ہوا ہے جو زندہ ہے اور بڑھتا رہا ہے۔ ارتقا کی ہر منزل میں وہی صورتیں اور وہی مذہبی خیالات اور تصورات پائے جاتے ہیں جو لگاتار زیادہ زیادہ صاف اور واضح ہوتے چلے جاتے ہیں جب تک کہ بچانے والا نہ آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارتقا کی کسی منزل میں بھی ہم کمال کی حالت کو نہیں پا سکتے۔ یہ ارتقا پایۂ تکمیل کو تبھی پہنچتا ہے جب یہ بڑھتے بڑھتے عہدِ جدید تک پہنچ جاتا ہے اور ہمیں اس بارے میں محتاط ہونا چاہئیے کہ ہم مسیح اور اُس کی بادشاہت کے بارے میں

ایسی واضح اور مفصل تصویر عہدِ عتیق سے نکالنے کی کوشش نہ کریں جیسی عہدِ
جدید میں پائی جاتی ہے ۔ جیسی صاف اور مفصّل تصویر ہمیں عہدِ جدید سے
حاصل ہو سکتی ہے اُس کی ویسی تصویر عہدِ عتیق سے حاصل نہیں ہو سکتی۔
پھر ایسے اشخاص بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مکمل اور پُورے معنی کو دیکھنے کیلئے
ایمان کی آنکھیں چاہئیں ۔ مؤمن کی نظر ہی دونوں عہدناموں کی وحدت
اور اجتماعی معنی کو دیکھ سکتی ہے جس پر پُورے اور سارے معنی منحصر اور
موقوف ہیں لیکن اس بات کی وضاحت درکار ہے ۔ یہ معنی لفظی معنی
سے بے تعلق نہیں ہوتے بلکہ اُسے ہی اور گہرا کر دیتا ہوتا ہے پس جو
شخص تفسیر کے عام فنی عدُول اور اصولوں کے مطابق تفسیر کرتا ہے وہ پورے
معنی کو کھول کر بیان کرنے کیلئے راہِ راست پر ہوتا ہے اگرچہ وہ مفسر جو
ایمان والا ہوتا ہے اُسے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ نئے اور پُرانے
دونوں عہدناموں میں جو پُورا میل پایا جاتا ہے اسے سمجھنے کیلئے بہتر
حالت میں ہوتا ہے ۔

لیکن اگر پاک مصنف ایسے معنی سے ناواقف ہوتا ہے یا اُسے
بہت دُھندلے طور پر اور بہت کم سمجھتا ہے تو پھر ایسے معنی کو لفظی معنی
کی توسیع کیسے کہا جا سکتا ہے جو تعریف کے لحاظ سے انسانی مصنف کے
خیال میں ہوتی ہے ۔ اس کا جواب دینے کیلئے ہمیں اس بات میں امتیاز
کرنا چاہیئے کہ پاک مصنف کی مصنف ہونے کی حیثیت اور ہے اور
نبوی حیثیت اور ہے ۔ جہاں تک وہ پاک مُصنّف ہے اُسے اُس
معنی میں حصہ دار اور شریک ہونا چاہیئے جسے خدا متن کے ذریعے
سے پڑھنے والے کو منتقل کرتا ہے لیکن پاک مصنف بعض اوقات نبی

ہوتا ہے یعنی نبی کا رول ادا کرتا ہے اور نبی کی عقل ناقص آلہ ہوتا ہے ،
لہٰذا جو باتیں روح القدس سچے انبیاء کو دکھاتا ہے یا وہ کہتے اور کرتے
ہیں وہ اُن باتوں کو پورے طور پہ نہیں جانتے یعنی وہ اس سب کچھ کو
نہیں جانتے جو کچھ دکھائی ہوئی، کہی ہوئی اور کی ہوئی باتوں سے ظاہر کرنا
مقصود ہوتا ہے یعنی سچے انبیاء جو کچھ خدا کیطرف سے دیکھتے اور کہتے
اور کرتے ہیں وہ اُس سب کچھ کا مطلب پورے طور پہ نہیں سمجھتے ۔ یہ کہ
اس کو ساری بات کی سمجھ آئے اس کی ضرورت نہیں اور اس لئے علم کا
وہ حصّہ جسے اس کیلئے جاننا لازمی اور ضروری نہیں ہوتا وہ اس کے علم
سے خارج ہوتا ہے ۔ حقیقت میں سب کچھ جاننا صرف غیر ضروری
ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ امر خارج کیا ہُوا ہوتا ہے کہ وہ سبھی کچھ جانے ۔
دکھائی ہوئی کہی ہوئی اور کی ہوئی باتوں سے جس قدر جاننا اُس کیلئے
ضروری ہے اُس کے جاننے میں اُسی قدر شامل ہوتا ہے اور جس
قدر جاننا غیر ضروری ہوتا ہے وہ اس کے جاننے سے خارج ہوتا
ہے یعنی وہ اسے نہیں جانتا ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کو کامل معنی اور
سارے معنی کی بھی جھلک حاصل ہو یعنی اس کی بھی ناکامل سی واقفیت
حاصل ہو جائے مثلاً اسرائیلی قوم کے مصر سے آنے کے علاوہ بچپن
میں مسیحا کے مصر سے آنے کا بھی کچھ پتہ چل جائے ۔

یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے اور صرف کیا ہی نہیں جا سکتا بلکہ فی الواقع
کرتے ہیں کہ اس طرح کرنا زبان کا نادرست استعمال ہے ۔ زبان کو اس
طرح استعمال کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح پاک مصنف کے الفاظ کے
ایک معنی ہونے کی بجائے کئی معنی یا ایک سے زیادہ معنی ہو جاتے ہیں

ہاں خواہ یہ کہہ لو کہ معنی ایک سے زیادہ ہوجاتے ہیں اور خواہ یہ کہہ لو کہ معنی زیادہ گہرے ہوجاتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ گا ہے اِس طرح بھی ہوتا ہے کیونکہ الفاظ اور محاورے لکڑی کے بنے ہوئے نہیں ہوتے اور نہ وہ مشینی ہوتے ہیں وہ بے لچک نہیں ہوتے بلکہ اُن میں کچھ لچک پائی جاتی ہے۔ الفاظ اور محاوروں کے معنی کی ایک حد اِس طرح کی ہوتی ہے کہ کسی خاص حالت میں اُس سے یا تو تجاوز کیا جاسکتا ہے اور یا نہیں کیا جاسکتا۔ اُس کے اور معنی بھی یا تو لئے جاسکتے ہیں اور یا نہیں لئے جاسکتے۔ اِس کے یا تو اَور معنی طلب کئے جاسکتے ہیں اور یا طلب نہیں کئے جاسکتے۔ پس کبھی وقت کوئی ایسی حالت بھی ہوسکتی ہے کہ اُس حد سے بڑھ سکتے ہیں اور اَور معنی بھی پیدا ہوسکتے ہیں یا اور معنوں تک بھی پہنچ اور رسائی ہوسکتی ہے یا اَور معنوں تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ کسی خاص حالت میں کسی لفظ کے معنی کا جو درجہ ہوتا ہے اور جو درجہ اُس معنی کو دیا جاتا ہے وہ اِس بات پر موقوف اور منحصر ہوتا ہے کہ لفظ کو استعمال کرنیوالا کس قدر قابلیتِ حصولِ معنی رکھتا ہے یعنی اُس لفظ کے کس قدر معنی حاصل کرسکتا ہے اور اُس میں معنی کی کسقدر گنجائش اور سمائی ہے اور اِس کے علاوہ اس کے تجربے جذبات اور علم پر موقوف ہوتا ہے۔ جو معنی کسی لفظ کے کسی خاص وقت کے استعمال میں ہوتے ہیں اُس کے معنی اُس سے زیادہ ہوتے ہیں اور یہ بات مغربی زبانوں کی نسبت عبرانی کے بارے میں زیادہ راست اور درست ہے۔ عبرانی محاورہ متحرک اور کارکن ہوتا ہے وہ بے حرکت اور ساکن نہیں ہوتا پس یہ جائے تعجب نہیں کہ جو لفظ یا محاورہ کوئی نبی استعمال کرتا ہے اور جتنا معنی وہ اُس سے لگاتا

ہے یعنی جتنے معنی کے لئے وہ اُسے استعمال کرتا ہے اُس سے وہ معنی زیادہ ہوتا ہے جتنا معنی اس سے خدا لگاتا ہے یعنی جتنے معنی کیلئے اُسے خدا استعمال کرتا ہے اور مرورِ زمانہ کے ساتھ وہ گہرے معنی ہم پر آہستہ آہستہ ظاہر ہوجاتے ہیں اور درجہ بدرجہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔



۲۔ رُوحانی تفسیر

یا

نمونوں، علامتوں اور رُوحانی تمثیلوں کی صورت کی تفسیر

(۱) موجودگی اور حقیقت:۔

یُوحنا ۱۹/۳۳ میں مذکور ہے کہ جب سپاہی خداوند یسوع کی صلیب کے پاس آئے تو اُنہوں نے اُسے مُردہ پاکر اُس کی ٹانگیں نہ توڑیں مقدس یُوحنا ۱۹/۳۶ میں تحریر فرماتا ہے کہ "یہ باتیں اِس لئے ہوئیں تاکہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ اس کی کوئی بھی ہڈی توڑی نہیں جائے گی" اور یہ نوشتہ خروج ۱۲/۴۶ میں ہے لیکن جس عبارت کا یہاں اقتباس کیا گیا ہے بظاہر اُس سے وہ برہ مراد ہے جو خروج کے وقت کھایا گیا تھا اور جسے فسح کا برہ کہتے تھے۔ بعد میں بھی فسح کی عید کے موقع پر جب مصری غلامی سے چھٹکارے کی عید منائی جاتی تھی تو جس برے کو قربان کرتے تھے اُس کی ہڈی نہیں توڑی جاتی تھی اور ہڈی کا نہ توڑنا خاندانی یگانگت اور فسح

کھانے والوں کے اتحاد کی علامت تھی۔ ہڈیوں کا سالم رکھنا خاندانی سالمیت کو ظاہر کرتا تھا۔ تو پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ نوشتہ خداوند مسیح میں پُورا ہُوا تھا۔ یہ صرف اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ تسلیم اور قبول کیا جائے کہ لفظی تفسیر کے علاوہ ایک اَور تفسیر بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ معنی ہے جو الفاظ سے براہِ راست نہیں نکلتا بلکہ اُس بات سے نکلتا ہے جس کے لحاظ سے وہ الفاظ بطور نشان اَور مَظہر کے ہیں۔ جسطرح خون چھڑکنے سے اسرائیلی لوگ ہلاک کرنے والے فرشتے کے ہاتھ سے بچائے گئے تھے اُسی طرح مسیح نے کل دری پر اپنا خون بہانے سے اُس سے بھی بڑی ہلاکت سے بنی نوع اِنسان کو بچایا۔ فسح کا برّہ اِس حقیقت اور اِس چھٹکارے کا نشان بھی تھا۔

قادرِ مطلق خدا نے یہ چاہا کہ جو اشخاص، اشیاء اور وقائع بیان کئے گئے ہیں وہ اکثر اوقات دوسرے اشخاص دوسری اشیاء اور دوسرے واقعات کو ظاہر کرنے والے ہوں۔ اوّل الذکر کو نمونہ اَور مؤخر الذکر کو نمونہ دادہ شدہ کہتے ہیں یعنی جن کا پہلے ذکر ہُوا ہے اُن کو نمونہ کہتے ہیں اَور جن کا پیچھے اور بعد میں ذکر ہُوا ہے اُن کو نمونہ دادہ شدگان یا وہ جن کا نمونہ دیا گیا ہے یا جن کے بارے میں نمونہ دیا گیا ہے۔ پاک مصنف کا حقیقت میں روحانی معنی پیدا کرنے کیساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ معنی وہاں خدا رکھتا تھا اور انسانی مصنف اُس سے بے خبر ہوتا تھا یہ معنی صرف بعد میں دریافت اور معلوم ہوتا تھا۔

رُوحانی تفسیر کی پُوری مراد کو ہمیشہ مدِّ نظر نہیں رکھا گیا۔ عہدِ جدید کے مصنفین اِس بات کو پختہ طور پر مانتے تھے کہ دونوں عہدناموں میں

اتحاد وحدت اور یک رنگی پائی جاتی ہے وہ یہ مانتے تھے کہ عہدِ عتیق عہدِ جدید کی وہ پرچھائیں ہے جو اُس سے پہلے پڑی ہوئی ہے۔ آنے والی چیزیں اپنی پرچھائیں پہلے ڈالتی ہیں اور یوں وہ عہدِ عتیق کو عہدِ جدید کا سایہ اور عکس سمجھتے تھے۔ اِس بارے میں مقدس پولوس رسول کے الفاظ جو خروج کے بارے میں ہیں وہ اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے کہ "یہ باتیں اُن پر عبرت کے لئے واقع ہوئیں اَور ہم آخری زمانے والوں کی نصیحت کے لئے لکھی گئیں" ۱۔ قرنتیوں ۱۰/۱۱ حق یہ ہے کہ عہدِ عتیق مختلف اقسام کے نمونوں سے معمور ہے اَور وہ نمونے عہدِ جدید کے یعنی نئے عہد کے بھیدوں کے پیش نمونے ہیں۔ مسیح آدمِ ثانی ہے جو مخلصی یافتہ بنی نوعِ انسان کا سر ہے۔ رومیوں ۵/۱۲-۲۱۔ ۱۔ قرنتیوں ۱۵/۲۱-۲۸ وہ نیا نوح یا نوحِ ثانی ہے یعنی مخلصی یافتہ نسل کا باپ۔ اُس نسل کا باپ جو بپتسمہ کے پانی سے جی اُٹھتی ہے۔ ملاحظہ ہو "اُس نے جاکر اُن قیدی رُوحوں میں منادی کی جو اُس اگلے زمانے میں نافرمان تھیں جب خدا نوح کے وقت میں تحمل کر کے ٹھہر رہا تھا اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی جس پر سوار ہوکر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلے سے بچیں اَور اُسی پانی کا مشابہ بھی یعنی بپتسمہ یسوع مسیح کے جی اُٹھنے کے وسیلے سے اب تمہیں بچاتا ہے اُس سے جسم کی نجاست کا دُور کرنا مراد نہیں بلکہ خالص نیت سے خدا کا طالب ہونا مُراد ہے" ۱۔ پطرس ۳/۱۹-۲۱ "نہ پہلی دنیا کو چھوڑا بلکہ بے دین دُنیا پر طوفان بھیج کر راستبازی کے منادی کرنے والے نوح کو مع اور سات آدمیوں کے بچالیا" ۲۔ پطرس ۲/۵ وہ وہ نبی ہے جو موسیٰ کی مانند ہے تثنیہ شرع ۱۸/۱۵ و ۱۸ اعمال ۳/۲۲ وہ پہاڑ پر

سے اپنے لوگوں کے ساتھ کلام کرتا ہے وہ اُن کی آسمانی منّ سے پرورش کرتا ہے جسطرح موسیٰ نے بیابان میں زمینی منّ سے اِسرائیلیوں کی پرورش کی تھی اور جسطرح موسیٰ کے ذریعے شریعت پہنچی اُس کے ذریعے فضل اور سچائی پہنچی ہے۔ یوحنا ۱: ۱۲و۴۵ و ۶: ۱۴و۳۲۔

زمانۂ حاضرہ کے بعض مصنفین کے نزدیک عہدناموں کی یہ وحدت ہی ہے جو عہدِ عتیق میں جان ڈالتی ہے اور اُسے ہمارے مناسب حال بناتی ہے جلالِ مسیح سے چمکتا ہے لیکن اس کی روشنی پیچھے پڑتی ہے جو پرانے عہدنامے کی کتاب کو روشن کردیتی ہے جو اِسے ایک ہی جلالی بدن بنا دیتی ہے جو روح القدس سے معمور ہے اور یوُں رُوحانی معنیٰ تعیّن اور تقرر پاتے ہیں۔ عہدِ عتیق عہدِ جدید میں بہت بڑی حد تک علامتوں اور نشانوں کے ذریعے تکمیل پاتا ہے۔ آبائی اور وسطی زمانوں میں تفسیر کے بارے میں مسیحی علماء نے جو زیادتیاں کیں اور اُن زیادتیوں کی مخالفت کی گئی اور اِس وجہ سے آجکل علامتی تفسیر کو مشکل سے قبول کرتے ہیں لیکن علامتی تفسیر کو قبول نہ کرنے کی صرف یہی وجہ نہیں بلکہ اِس کی وجہ یہ بھی ہے کہ آجکل علماء میں لاشعوری طور پر صرف عقل کو مانتا پایا جاتا ہے پس اس لاشعوری اور پوشیدہ ریشنیلزم یا عقل پرستی کے باعث علامتی تفسیر کو اُسکی موزوں اور سچی حد تک بھی نہیں مانتے اُن کو یہ خوف لاحق ہے کہ ایسا کرنے سے ہم کہیں بے بنیاد علامتیں اور نشان نہ مان لیں یعنی جہاں کوئی علامت اور نشان نہیں وہاں علامت یا نشان مان لیں لیکن جو لطوریا یا دستور العبادت ہم روزانہ عمل میں لاتے ہیں وہ علامتوں اور نشانوں سے بھرپور ہے اور یہ اِس امر کی شہادت ہے کہ عہدِ عتیق مُردہ کلام نہیں ہے جو ماضی میں

مدفون ہے بلکہ یہ زندہ کلام ہے جس کے ذریعے سے زمانۂ حاضرہ کے اِنسان کو خطاب کیا جاتا ہے۔ آبائے کلیسیا اِس کو کثرت سے استعمال میں لاتے تھے اور سب مسیحی بھی مجموعی حیثیت میں اِسے یقیناً اِستعمال کرتے تھے۔ وہ عہدِ عتیق کو عہدِ جدید کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اِس کی کثیر علامتوں سے جسطرح وہ رُوحانی فائدہ حاصل کرتے تھے اُس طرح ہم نہیں کرتے۔ روحانی زندگی کیلئے فائدہ حاصل کرنے کیلئے ہم ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

ابتدائی زمانے کے مصنفین مثلاً اِسکندری مسلک کے علماء حد سے پرے نکل گئے اور اِسی طرح وسطی زمانوں کے بعض مصنفوں نے بھی علامتوں اور نشانوں کی کوئی حد نہ چھوڑی اُن کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نئے عہدنامے کی ساری تعلیم کا عکس پرانے عہدنامے میں موجود ہے اور اُن کے ایسے مبالغوں کا خاص نتیجہ یہ ہوُا کہ بعد کے زمانوں میں علما علامتی تفسیر کے بارے میں غافل ہوگئے۔

(ب) رُوحانی تفسیر کی اقسام:-

جتنے طور و اطوار اور طریقوں سے عہدِ عتیق، عہدِ جدید اور آنیوالی زندگی کا پیش نمونہ ہو سکتا ہے اُن کی کوئی ٹھیک ٹھیک حد نہیں بتائی جاسکتی۔ طریقوں اور طوروں کی تعداد ضروری بات نہیں ہے جو بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ پرانے عہدنامے کی یا نئے عہدنامے کی کسی عبارت کو توڑ مروڑ کر بناوٹی اور مصنوعی معنی نہ نکالے جائیں اور اس طرح کرنے سے اُس کے معنی اور تعلیم کے کسی پہلو کو خارج نہ کیا جائے پھر بھی

وضاحت کیخاطر معنوں کی کچھ تقسیم ضروری ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بارے میں وہ اصطلاحیں استعمال کی جائیں جن کے بارے میں بہت بڑی حد تک اتفاق ہو چکا ہُوا ہے۔

اظہار کے طور کو مدِنظر رکھکر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر لفظی معنی مجازی ہوں تو روحانی معنی بھی مجازی ہوتے ہیں زبور ۱۱۷ و ۱۱۸/۲۲ میں اسرائیلی قوم کو مجازی طور پر کونے کے سرے کا پتھر کہا گیا ہے اور متی ۲۱/۴۲ میں مسیح اس عبارت کو اپنے پر عائد کرتا ہے اور وہ بھی اسے مجازی معنی ہی میں اپنے آپ پر عائد کرتا ہے کیونکہ وہ لغوی معنی میں کونے کے سرے کا پتھر نہیں ہے بلکہ محض مجازی معنی میں کونے کے سرے کا پتھر ہے۔ دوسری طرف عدد ۲۱/۶-۹ میں کانسی کے سانپ کا ذکر ہے جس کے ذریعے سے لغوی معنوں میں خدا کے رحم کا حصول مراد ہے جو لفظی معنی میں کانسی کا سانپ تھا اور جو شخص لغوی معنی میں اُس سانپ کو دیکھتا تھا اُس کو لغوی یا لفظی معنی میں خدا کا رحم حاصل ہو جاتا تھا اور یوحنا ۳/۱۴ میں کانسی کے سانپ کیطرح مسیح کا اونچے پر چڑھایا جانا مذکور ہے۔ کانسی کا سانپ لغوی اور لفظی معنی میں اونچے پر چڑھایا گیا تھا مسیح بھی لغوی اور لفظی معنی میں اونچے پر یعنی صلیب پر چڑھایا گیا تھا اور جس طرح سانپ کیطرف ایمان سے دیکھنے والے رحم پاتے تھے اسی طرح مسیح مصلوب کیطرف ایمان سے دیکھنے والے خدا کا رحم حاصل کرتے ہیں. کتاب مقدس میں سچائی نفسِ مضمون کے لحاظ سے یا تو راست اعتقاد کے بارے میں ہوگی یا راست اخلاق کے بارے میں۔ اگر یہ راست اعتقاد کے بارے میں ہو تو ہمیں اس کے بارے میں پھر اور امتیاز بھی کرنا ہوگا کیونکہ کلیسیا اسرائیلی کلیسیا اور فتح مند کلیسیا کے

درمیان میں ہے پس عہدِ عتیق میں ایسے نمونے بھی ہیں جو زمینی کلیسیا کے پیش نمونے ہیں انہیں ہم تمثیلی کہتے ہیں اور عہدِ عتیق اور عہدِ جدید میں ایسے نمونے بھی ہیں جو آسمان کی فتحمند کلیسیا کے پیش نمونے ہیں چونکہ اِنسان کا انجام آسمان میں جانا اور فتحمند اور جلالی کلیسیا کا شریک ہونا ہے اِس لئے اِس بات کو ظاہر کرنے والی تفسیر کو انجامی یا بالائی کہتے ہیں کیونکہ وہ عالمِ بالا کے بارے میں ہے اور اُس کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اگر سچائی راست روی یا راست چلن اور نیک اخلاق کے بارے میں ہو تو اس کو اخلاقی تفسیر کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا تفسیروں کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

فسح کا برّہ۔ کانسی کا سانپ اور کونے کے سرے کا پتھر مجازی یا نمونے کی تفسیر کی معلوم مثالیں ہیں۔ اِسحاق کی قربانی مسیح کی موت کا نمونہ ہے۔ بحیرہ قلزم کو پار کرنا بپتسمے کے ذریعے سے بنی نوع اِنسان کا گناہ کی غلامی سے خلاصی پانے کا نمونہ ہے یہ سب عہدِ جدید میں پوری ہوئی ہیں۔ انجامی تفسیر کی مثال یروشلیم ہے جسے مقدس پولوس رسول آسمانی شہر کے نمونے کے طور پر پیش کرتا ہے اور آسمانی شہر یعنی بہشت کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ شہر ہماری ماں ہے گلتیوں ۴/۲۶ اخلاقی تفسیر کی مثال حکمت ۱۶/۲۸ میں پائی جاتی ہے جہاں سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ جسطرح منّ سورج نکلنے سے پہلے جمع کرنا ہوتا تھا اُسی طرح ہمیں خدا کی حمد اور اُس کا شکر کرنے کیلئے صبح سویرے اُٹھنا چاہیئے۔ منّ کے سویرے سویرے جمع کرنے کا حکم خروج کے سولھویں باب میں پایا جاتا ہے اور یہ اِس بات کا نمونہ ہے کہ ہمیں خدا کی عبادت اور اُس کی

روحانی برکتیں حاصل کرنے کے کام جلدی کرنے چاہئیں اور اُس سے نجات کے سب ضروری وسائل حاصل کرنے چاہئیں جو سارے فیض کا سرچشمہ ہے۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہئیے کہ یہ تفسیریں ہمیشہ ایک ایک کرکے ہی پائی جاتی ہیں یعنی کسی ایک مقام میں صرف ایک ہی طرح کی روحانی تفسیر ہوتی ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تینوں طرح کی تفسیریں اکٹھی پائی جاتی ہیں مثلاً عبرانیوں کا ملکِ موعود میں داخل ہونا صرف غیر اقوام ہی کے کلیسیا میں داخل ہونے کا پیش نمونہ نہیں تھا جو کہ تمثیلی تفسیر ہے اور برگزیدوں کی بہشت میں قبولیت ہی نہیں تھی جو کہ انجامی تفسیر ہے بلکہ یہ ایمان لانے کی ضرورت اور ایمان نہ لانے کی بدبختی کی بھی تعلیم دیتا ہے اور یہ اخلاقی تفسیر ہے عبرانیوں ۴/۱-۱۱ پس اگرچہ لفظی تفسیر ایک ہی ہوتی ہے اور رُوحانی تفسیر ہمیشہ اِسی پر مبنی ہوتی ہے تاہم متعدد رُوحانی تفسیریں اکٹھی پائی جا سکتی ہیں اور ایک ہی لفظی تفسیر پر مبنی ہو سکتی ہیں۔

(ج) رُوحانی تفسیر کی وُسعت:-

سب اِس بات پر متفق ہیں کہ عہدِ عتیق اپنی مجموعی حیثیت میں عہدِ جدید کا پیش نمونہ ہے۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض کلیسیائی آبا اور ابتدائی کلیسیا کے مصنفین اِس حد سے آگے بڑھ گئے اور وہ عہدِ عتیق کی ہر بات کو حتیٰ کہ ہر لفظ اور ہر محاورے کو بھی عہدِ جدید کا نمونہ بیان کرنے لگے لیکن حق یہ ہے کہ عہدِ عتیق کا ہر لفظ عہدِ جدید کا نمونہ نہیں ہے بلکہ سارا عہدِ عتیق **مجموعی حیثیت** میں عہدِ جدید کا نمونہ ہے۔

چونکہ وہ ہر بات، ہر لفظ اور ہر محاورے کو عہدِ جدید کا نمونہ سمجھتے تھے اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ روحانی تفسیر صرف اشخاص، اشیاء اور واقعات ہی میں نہیں سمجھتے تھے بلکہ اِس سے بڑھ کر وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ متن میں بھی ہے یعنی متن کی عبارت میں بھی ہے اور یُوں وہ الفاظ اور محاورات میں بھی ہے۔ اِس اصول کیلئے تو اچھی بنیاد ہے اور اچھی بنیاد ہو سکتی ہے کہ عہدِ عتیق میں عہدِ جدید کے نمونے پائے جاتے ہیں لیکن ہر بات اور ہر محاورے کی روحانی تفسیر کرنے کیلئے کوئی بنیاد نہیں۔ یہ کوشش اور یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔ عہدِ عتیق مجموعی حیثیت میں عہدِ جدید کا نمونہ ہے اور اِسمیں کئی اعلےٰ درجے کے نمونے ہیں جن کا نمونہ ہونا بذاتِ خود کتابِ مقدس ہی ظاہر کرتی ہے دیگر نمونوں اور صورتوں کے بارے میں بڑی احتیاط اور خبرداری سے تحقیق کرنا چاہیئے۔ بعض لوگ عہدِ جدید میں نمونوں کے پائے جانے کا انکار کرتے ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ روحانی تفسیر تیاری کے زمانے سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ تیاری کا زمانہ عہدِ عتیق کا زمانہ تھا۔ پس روحانی تفسیر یا نمونے عہدِ عتیق ہی میں پائے جا سکتے ہیں۔ عہدِ جدید میں تو مکاشفہ کی معموری اور بھرپوری پائی جاتی ہے۔ مسیح کی شخصیت اُس کے دُکھوں اُس کے جی اُٹھنے اور آسمان پر جانے سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔ اِس بات میں سچائی تو پائی جاتی ہے کیونکہ عہدِ جدید میں پورا مکاشفہ ہونے کی وجہ سے اِس میں جو مستقبل میں پورے ہونے والے بھید بیان کئے گئے ہیں اُن کے بارے میں بہت نمونے نہیں ہو سکتے لیکن یقیناً اِس بات کو کوئی بھی نہیں مان سکتا کہ مکاشفہ کی سب کی سب سچائیاں پورے طور

پر ظاہر ہو چکی ہیں۔ ہمیں اِس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایسی سچائیاں بھی ہیں جن میں ابھی تک بھی بہت بھید پایا جاتا ہے خاص کر کلیسیا کے بارے میں جو کہ خدا کی بادشاہت ہے جیسے زمینی درجے سے گزر کر بالائی یروشلیم کے درجے تک پہنچتا ہے گلتیوں ۴/۲۶ اِسی کو انجامی تفسیر کہتے ہیں۔

(د) رُوحانی تفسیر کس معنی میں مسیحائیہ ہے:-

روحانی تفسیر اپنے نہایت وسیع معنی میں مسیحائیہ ہے یعنی مسیح کے بارے میں ہے۔ یہ یا تو تواریخی مسیح کے بارے میں ہوتی ہے یا مسیح کی زندگی کے بھیدوں کے بارے میں یا مسیح کے ساکرامنٹوں اور کلیسیا میں ہونے کے بارے ہیں اور اُس کی دوسری آمد اور ابدی بادشاہت کے بارے ہیں۔ عہدِ عتیق کے بڑے بڑے نمونے مسیح کی زندگی کے بھیدوں یا واقعات کے بارے میں ہیں مثلاً اُس کی موت اور جی اُٹھنے کے بارے ہیں اور یہ نمونے فسح کے برّے اور کانسی کے سانپ میں پائے جاتے ہیں اِس قسم کی نمونوں والی تفسیر بہت اہم ہے۔

اگر ہم عہدِ عتیق سے واقف نہ ہوں تو ہم مسیح کو بہت اچھی طرح نہیں جان سکتے کیونکہ عہدِ جدید اور دستور العبادت میں وہ ہمیشہ عہدِ عتیق کے الفاظ اور اصطلاحات میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر اور طرح کے نمونے بھی ہیں جو ساکرامنٹی زندگی اور مسیح کے روحانی یا سری بدن کلیسیا کے بارے ہیں ہیں۔ مقدس یوحنا رسول کی انجیل میں ساکرامنٹی تفسیر بہت پائی جاتی ہے یعنی اِس انجیل کی بہت سی باتوں کا اشارہ ساکرامنٹوں کی طرف ہے مثلاً روٹیوں کا بڑھایا جانا جو کہ

یوخارست کا نمونہ ہے اور نیقودیمس اور سامری عورت سے گفتگو جو بپتسمے کا پیش عکس ہے اور اِن کا پس منظر خروج کے بڑے ساکرامنٹوں یعنی فسح کے برّے، منّ اور زندہ پانی میں دیکھنا چاہیئے اِن کا پس منظر فسح کا برّہ منّ اور بہتا پانی ہے۔ آخر میں آخرتیاتی تفسیر ہے، یہ آخرتیات یا علم الآخرت کے بارے میں ہے یعنی جو باتیں آخرت میں ہونے والی ہیں اور لہٰذا آخری باتیں ہیں یہ تفسیر اُن آخری باتوں کے بارے میں ہے اور عہدِ عتیق اور عہدِ جدید میں یہ وہ نمونے ہیں جو اُن واقعات کے پیش عکس ہیں جو مسیح کی دوسری آمد کے وقت وقوع میں آئیں گے۔

خروج کا نقشہ مکاشفہ کی کتاب میں اِنہیں واقعات پر عائد کیا گیا ہے۔ عہدِ جدید کے اَور مقاموں میں یہ ساکرامنٹوں سے منسوب ہے اور طوفانِ نوحؑ جو ۱۔پطرس ۳/۲۰ میں بپتسمے کے نمونے کے طور پر بیان کیا گیا ہے اس کو آخری عدالت کے پیش عکس کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے۔ اب یہ بیان کرنا رہ گیا ہے کہ کیا اخلاقی تفسیر بھی تفسیر مسیحائیہ ہو سکتی ہے۔ اخلاقی معنی تفسیر مسیحائیہ سے کیونکر نسبت رکھ سکتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ مسیح مسیحی کی روحانی زندگی میں اپنی حضوری اور اپنے فضل سے عملی حصّہ لیتا ہے اور حقیقی مسیحی کی زندگی مسیح کی زندگی کا حقیقی عکس ہوتا ہے لیکن کیا یہ ماننے کیلئے کہ اخلاقی تفسیر بھی مسیحائیہ تفسیر ہے مسیحی کی زندگی مسیح کی زندگی کا عکس ہونا کافی وجہ ہے جیسے کہ دوسری قسموں کی تفسیروں میں ٹھیک ٹھیک اور باقاعدہ طور پر وہ شے مسیح ہی ہے جس کا نمونہ پیش کیا ہوا ہوتا ہے۔ پس اخلاقی تفسیر پورے طور پر مسیحائیہ تفسیر نہیں ہوتی۔

(۵) رُوحانی تفسیر کی قوتِ ثبوتیہ:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدس ٹامس یہ مانتا ہے کہ رُوحانی تفسیر میں کسی بات کے ثابت کرنے کیلئے کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ ثبوت بہم پہنچانے کے لحاظ سے رُوحانی تفسیر کو پیش کر کے ثبوت نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تو حق ہے کہ ثبوت ایسا ٹھوس دینا چاہیئے جس کے خلاف وہ چوں نہ کرسکے جس کے آگے ثبوت پیش کیا جائے اور یہ بھی حق ہے کہ خواہ کوئی مانے خواہ نہ مانے اور خواہ چوں کرے خواہ نہ کرے ثبوت ثبوت ہی ہوتا ہے۔ ثبوت خواہ کسی طرح کا بھی ہو وہ ثبوت ہی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ فی الواقع ثبوت ہو اور جھوٹا وہمی اور بے بنیاد نہ ہو۔ مقدس ٹامس روحانی تفسیر کے ذریعے تعلیموں کو ثابت کرنے کی مشکلات بیان کرتا ہے اور پھر وہ کہتا ہے کہ روحانی تفسیر ثبوت پیش کرنے کیلئے استعمال نہیں کیجا سکتی اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ روحانی تفسیر کے ذریعے کسی تعلیم کو ثابت کرنے کی حاجت بھی نہیں ہوتی کیونکہ روحانی تفسیر میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی جو لفظی تفسیر میں نہ ہو مگر چونکہ عہدِ جدید کے مصنف سچائیوں کو ثابت کرنے کے لئے اِس تفسیر کو استعمال میں لاتے اور اس سے کام لیتے ہیں اِس سے صاف ظاہر ہے کہ تفسیر کے اس طریقے کا استعمال جائز ہے۔ یعنی کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے رُوحانی تفسیر کا استعمال بھی جائز اور دُرست ہے۔ مقدس پولوس رسول سارہ اور ہاجرہ کی کہانی کو روحانی تفسیر سے متعلق کر کے ثابت کرتا ہے کہ شریعت کے کام بذاتِ خود راستباز نہیں بناتے۔ سارہ اور ہاجرہ کی کہانی کو تمثیل کے طور پر گلتیوں کے چوتھے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ صاف

ظاہر ہے کہ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے روحانی تفسیر سے کام لے رہا ہے۔ اگر اِس عبارت میں روحانی معنی نہیں پائے جاتے تو رسول کی بات ثابت نہیں ہوگی۔ یہ بھی مدِ نظر رہنا چاہیئے کہ روحانی معنی رُوح القدس کے معنی ہوتے ہیں اور یہ حقیقت یہ ثابت کرنے کیلئے کافی اور وافی ہے کہ جو ثبوت اختیار پہ مبنی ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اِس ثبوت کی قیمت سب قیمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ دلیل دیتے وقت اِس قسم کا ثبوت صرف اُنہیں کے نزدیک قدر و قیمت والا ہو سکتا ہے جو اِس قسم کے ثبوت کو اختیار کی بناء پر قبول کرنے کو تیار ہیں یعنی جو اختیار کو قبول کرتے ہیں اور جو تفسیر اختیار سے بنائی جاتی ہے وہ قابلِ قبول ہے وہ مسیحی جو اہلِ گلتیہ میں سے تبدیل ہوئے تھے مقدس پولوس اُن کے لئے تو یہ طریق استعمال کر سکتا تھا لیکن اُس نے اہلِ اتھینیے کے سامنے اِس طرح کی دلائل پیش نہ کیں یہ بات اعمال کے سترھویں باب میں پائی جاتی ہے اور اُس کا اُن کے سامنے یوں پیش نہ کرنا اختیار کی کسی قسم کی کمی کے باعث نہیں تھا۔ بذاتِ خود تو اُس اختیار میں کسی طرح کی کمی نہیں تھی لیکن اسمیں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ جو روحانی معنی نکالے جاتے ہیں وہ ہمیشہ یقینی نہیں ہوتے اور اِس لئے اِس بات کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ روحانی تفسیر کو بہت کم استعمال میں لایا جائے۔ مقدس پولوس رسول تثنیہ شرع ۲۵/۴ کا ۱۔ قرنتیوں ۹ میں اقتباس کرتا ہے کیا اِس مقام میں واقعی روحانی تفسیر پائی جاتی ہے یا محض ظاہری اور بیرونی مشابہت ہے یعنی مناسب امر اور مناسب حال کر لینا ہے۔ ظاہری اور بیرونی مشابہت سے مراد

کسی بات کا کسی مقصد یا معنی کے مطابق کر لینا ہے جو معنی و مقصد درحقیقت اُس اصل شے میں نہ پائے جاتے ہوں۔ اگر وہ بات روحانی معنی میں بھی استعمال کی گئی ہو تو وہ تبھی اپنی بات کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے لیکن اگر اُس میں روحانی معنی نہ ہوں بلکہ صرف مشابہت ہی مشابہت ہو تو وہ صرف ایک طرح کی وضاحت ہے پس جہاں تک روحانی تفسیر یقین سے معلوم کی جا سکتی ہے یعنی جہاں تک بہ یقینی ثابت ہو جائے وہاں تک یہ ثبوت کے طور پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے اِس میں کوئی شک نہیں کہ نئے عہد نامے کے مصنفوں نے پرانے عہد نامے کا استعمال اکثر دفعہ آزادانہ طور پر کیا ہے۔
بہت سی عبارتیں جن کو پہلے پہل پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن میں رُوحانی تفسیر پائی جاتی ہے لیکن فی الواقع اُن میں روحانی تفسیر نہیں پائی جاتی بلکہ پرانے عہدنامے کی محض ظاہری اور بیرونی مشابہت ہے۔
ہمارے پاس اس کا کوئی سیدھا سادہ اور آسان قاعدہ نہیں جس کی مدد سے جب ضرورت ہو تو ہم آسانی سے اور بغیر کسی قسم کی مشکل پیش آنے کے جلدی سے معلوم کر لیا کریں کہ یہاں روحانی معنی پائے جاتے ہیں اور وہاں محض ظاہری اور بیرونی مشابہت پائی جاتی ہے۔ دونوں میں آسانی اور جلدی سے امتیاز کر لینے کیلئے ہمارے پاس کوئی قاعدہ موجود نہیں ہے۔ یہ بات عجیب معلوم ہو سکتی ہے کہ بہت دفعہ روح القدس والا مطلب یعنی روحانی مطلب معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن یہ سوال کتاب مقدس کی روحانی تفسیر ہی تک محدود نہیں ہے۔ عہدِ عتیق کے جن شخصوں، چیزوں اور واقعوں کے رُوحانی معنی عہدِ جدید میں بیان کئے گئے ہیں اُنہیں کے روحانی معنی ماننے کے ہم پابند ہیں لیکن جن باتوں کے روحانی معنی عہدِ جدید میں قبول اور تسلیم نہیں کئے گئے ہم اُنہیں ماننے قبول کرنے اور تسلیم کرنے کے بارے میں پابند نہیں ہیں۔ عہدِ جدید میں جن باتوں کے روحانی معنی بیان کئے گئے ہیں وہ خدا کے بیان کردہ ہیں اور اِس لئے ان روحانی معنوں کو ہمیں ضرور ماننا چاہئے لیکن جو روحانی معنی عہدِ جدید کے مصنفوں کے علاوہ اور عہدِ جدید کے علاوہ اور لوگوں نے بتائے ہیں ہم اُنہیں ماننے کے لئے مجبور نہیں ہیں اور نہ کوئی ہمیں مجبور کر سکتا ہے اُن کے بارے میں ہم آزاد ہیں۔



۳۔ کتابِ مُقدّس کے متن سے ظاہری اور بیرونی مشابہت یا مطابقت

کتاب مقدس کی عبارت اور کسی مضمون میں اکثر دفعہ مشابہت نظر آ سکتی ہے جس عبارت کا اس مضمون کے ساتھ درست اور راست، ٹھیک اور صحیح تعلق نہیں ہوتا۔ انجیل چہارم کے پہلے باب کی چھٹی آیت میں ہے کہ ایک آدمی خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ کلامِ الٰہی کی عبارت میں اِس سے یوحنا اصطباغی مراد ہے لیکن اگر کوئی شخص اِن الفاظ کو اسیسی کے مقدس فرانسس پر بھی چسپاں کر دے تو چسپاں کرنے کو تو وہ کرتا پھرے کیوں کہ ظاہری مشابہت ضرور ہے لیکن اِن سے مقدس فرانسس ہرگز مراد نہیں

ہے۔ مقدس یوحنا اصطباغی بھی ایک ایسا آدمی تھا جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور مقدس فرانسس بھی لیکن انجیل کے متن میں اس عبارت سے مقدس فرانسس ہرگز مراد نہیں پس اس عبارت کو مقدس فرانسس پر عائد کرنا اِسے اپنے مضمون کے مطابق کرنا ہے جو مضمون ان الفاظ سے خدا ادا نہیں کرنا چاہتا تھا چونکہ یہ معنی خدا کے ارادے میں نہیں تھے اسلئے ایسے معنی کرنا جو خدا نے نہ چاہے ہوں وہ کتاب مقدس کی تفسیر ہرگز نہیں ہوتے۔ کتاب مقدس کے معنی وہ ہوتے ہیں جنہیں یا تو خدا اور انسانی مصنف دونوں نے چاہا کہ اِس عبارت سے یہ معنی سمجھے جائیں یا کم از کم خدا نے چاہا کہ فلاں معنی بھی سمجھے جائیں۔ جو معنی عبارت میں موجود نہیں ہوتے مگر محض مشابہت کیوجہ سے وہ معنی کئے جاتے ہیں اس کو مشابہت محضہ (ACCOMMODATION) کہتے ہیں۔ اور مانند بنانے اور مشابہ کرنے کو (ACCOMMODATE) کرنا کہتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کو مشابہتی تفسیر کہنے سے پرہیز اور اجتناب کریں۔ اگر ہم اس کو بھی تفسیر کہیں تو یہ مغالطہ پڑ سکتا ہے کہ یہ بھی کتاب مقدس کی حقیقی تفسیر ہے حالانکہ یہ تفسیر ہوتی ہی نہیں۔ بیرونی طور پر کئی طرح سے مشابہ کیا جا سکتا ہے مثلاً جو بات یوحنا اصطباغی کے آنے کیلئے ہے اُسے مقدس فرانسس کے آنے کیلئے بھی استعمال کیا جائے۔ بطوریا میں اِس طرح کی اور بھی بہتیری مثالیں ہیں۔ مثلاً یشوع بن سیراخ ۴۴‏/۱۶ جو نوح کے بارے میں ہے اُسے عبادت کی کتاب میں اقرار کرنے والے بشپ کے لئے استعمال کیا گیا ہے اِس طرح کی مشابہت کو بعض اوقات توسیع یافتہ مشابہت کہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشابہت اور مطابقت

میں خیال کے ساتھ مشابہت نہ ہو مثلاً بڑے دن کے اٹھوارے کے دوران کچانے والی پاک ماس میں حکمت ۱۸‏/۱۴-۱۵ کا اقتباس کیا گیا ہے۔ اِس مقام میں یہ مصریوں کی دسویں آفت کی آمد کے بارے میں ہے جو اسرائیلیوں کے حق میں سودمند اور مفید سزا تھی مگر نماز کی کتاب میں اسے تجسّد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ کسی آفت کا آنا اور بات ہے اور خدا کی نجات دینے اور انسانیت اختیار کرنے کیلئے آنا اور بات ہے پس یہاں خیال میں بھی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ اس مقام میں صرف الفاظ میں مشابہت ہے خیال میں نہیں وہ الفاظ یہ ہیں "جس وقت ہر ایک چیز کو خاموشی کا آرام ملا اور رات کی رفتار نصف پر آئی تب تیرا قدیر کلمہ آسمان کے شاہی تخت سے تُند جنگجو کی مانند ہلاکت کی سرزمین میں کُود پڑا"! اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رات بڑھ گئی تو آدھی رات کے وقت خدا کا قدرت والا حکم آسمان سے مصر کی سرزمین میں آیا جو ہلاک ہونی رہی تھی اور ہلاک ہونے کو تھی۔ وہ نو آفتوں سے ہلاک ہوتی رہی اور دسویں سے بھی ہلاک ہونے لگی تھی پس جو خیال تجسّد یا مسیح کی آمد میں پایا جاتا ہے وہ خیال اِس مقام میں بالکل نہیں ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مسیح رات کو پیدا ہُوا اور آدھی رات کو پیدا ہُوا وہ خدا کا کلمہ تھا جو قدیر ہے وہ اِس دنیا میں آیا جو ہلاکت کی سرزمین ہے۔ حکمت کی کتاب میں کلمہ سے حکم مراد ہے لیکن تجسّد میں خدا کا دوسرا شخص مُراد ہے حکمت کی کتاب میں کلمہ یا حکمِ ربّانی ہلاک کرنے کیلئے آیا لیکن تجسّد میں ہلاکت سے بچانے کیلئے آیا پس یہاں خیال میں کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی بلکہ صرف الفاظ میں مشابہت پائی جاتی ہے اسکو مشابہت بالواسطہ کہتے ہیں

یعنی جو مشابہت کسی وسیلے یا ذریعے سے ہے جیسے یہاں الفاظ کے ذریعے سے مشابہت ہے۔

چونکہ با اختیار اشخاص نے دونوں طرح کی مشابہت یا اکاموڈیشن کا استعمال کیا ہے لہٰذا اِس کا استعمال بھی جائز ہے۔ یہ ثبوت کیلئے تو استعمال نہیں کیجا سکتی مگر وضاحت کیلئے استعمال کی جا سکتی ہے مثلاً یشوع بن سیراخ ۲۴/۲۴ میں الٰہی حکمت کا بیان ہے لیکن محض وضاحت کے لئے اسکو حضرت مریم پر عائد کر سکتے ہیں جو فضلوں کی عالمگیر وسیط یا درمیانی ہے لیکن یہ مقام اِس تعلیم کا کسی صورت میں بھی ثبوت نہیں ہے۔

کتابِ مقدس کو اسطرح عائد کرنے کا آسانی سے غلط استعمال کیا جاسکتا ہے۔ واعظین کو سامعین کے دل پر اخلاقی اور ایمانی سچائیاں نقش کرنے کیلئے اِس کا بہت کم اِستعمال کرنا چاہیئے۔ مومنین اور دینی اور دنیوی علوم کے ماہروں کو یہ درکار ہے کہ انہیں آگاہ کیا جائے کہ خود خدا کیا فرماتا ہے پس بائیبل میں جو کچھ خدا فرماتا ہے انہیں وہ بتانا چاہیئے بجائے اس کے کہ وہ بتایا جائے جو کوئی فصیح مقرر یا مصنف بائیبل کے الفاظ کو بڑی ہوشیاری سے استعمال کر کے بیان کرے پس مشابہت محض کے بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ اِسے کبھی بھی کتابِ مقدس کی اصلی تفسیر کے طور پر پیش نہ کیا جائے اور نہ اِسے کلامِ مقدس کی تفسیر سمجھا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اصل عبارت کے ساتھ اِس کی کچھ نہ کچھ اور کبھی نہ کسی طرح کی مشابہت ہونا چاہیئے اور جس بات کے بارے میں اِسے کسی پر عائد کیا جائے وہ بات لفظی معنی کے کبھی بھی اُلٹ اور متضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اِس قسم کی مشابہت کو کسی تعلیم کے

ثبوت میں یعنی کسی تعلیم کو ثابت کرنے کیلئے کبھی پیش نہ کیا جائے اور چوتھی بات یہ ہے کہ کتابِ مقدس کی عبارتیں دنیوی مضامین پر عائد نہ کی جائیں۔ اسطرح کی مشابہت کا حد سے بڑھا ہُوا آزادانہ استعمال کرنے کے بارے میں احتیاط کرنا چاہیئے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ واعظ پر بائیبل کی عبارت سے اخلاقی اسباق نکالنے کے حق پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ اُنہیں نہ کوئی روک ہے اور نہ ممانعت۔ ایسے اسباق جو جائز اور درست دلیل کے ذریعے بائیبل سے نکالے جاتے ہیں وہ بے شمار ہیں لیکن وہ کتابِ مقدس کی عبارتوں کی اِس مشابہت سے بالکل الگ ہیں۔

جب بھی راست دلیل اور حقیقی تفسیر سے نتیجہ نکالا جاتا ہے تو وہ نتیجہ راست ہوتا ہے اِس قسم کے ماخوذ نتائج صحیح نتائج ہوتے ہیں کیونکہ وہ بائیبل کے الفاظ سے لئے ہُوئے ہوتے ہیں لیکن جب مشابہت محض سے کام لیا جاتا ہے تو اِس کا نتیجہ محض آزادانہ قسم کی وضاحت اور تشریح ہوتی ہے اور وہ اِس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتی۔



بابِ دہم

تفسیر کے اُصُول ہ

بائبل مقدس کی کتابوں کو یا تو محض پرانے زمانے کی تصانیف سمجھا جاسکتا ہے اور خدا کا الہامی کلام جو اس نے اپنی کلیسیا کے سُپرد کیا ہُوا ہے پس اِن کی تفسیر کرنے کیلئے دو طرح کے اصول کام میں لائے جاتے ہیں یعنی خاص اصول اَور عام اصول۔ بائبل کی تفسیر کے اصولوں کے دو مجموعے ہیں عام اصولوں کا مجموعہ اور خاص اصولوں کا مجموعہ اَور چونکہ خدا فطرتی اَور فوق الفطرت دونوں طرح کی باتوں کا خالق اور بانی ہے لہٰذا اِن دو طرح کے اصولوں میں کبھی بھی حقیقی تضاد نہیں پایا جاسکتا۔ یہ اصول ایک دوسرے سے متفرق تو ہیں لیکن ایک دوسرے کے خلاف اَور اُلٹ نہیں ہیں اَور ہم بائبل کو صرف عام اصولوں ہی کے ذریعے سے صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے اس کو صحیح طور پر سمجھنے کیلئے خاص اصولوں کے مجموعہ کو بھی استعمال کرنا چاہیئے یعنی بائبل کو حقیقت میں اَور ٹھیک طور پر تب سمجھا جائیگا جبکہ صرف ایک طرح ہی کے نہیں بلکہ دونوں طرح کے اصولوں کے مجموعوں کو استعمال کیا جائے اور پھر یہ بات بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ بائبل کی کسی عبارت کے روحانی معنی خواہ کچھ ہی ہوں اور خواہ کتنے ہی ہوں مگر اُن کو بتانے سے پہلے لفظی تفسیر کو بخوبی بیان کردینا چاہیئے یعنی پہلے کسی عبارت کے لفظی

معنی بیان کرنے چاہئیں اور پھر کسی اَور طرح کے معنی کیونکہ اور طرح کے معنوں کی صحیح بنیاد لفظی تفسیر ہی ہے۔

۱۔ عام اُصُول

(ل) پس منظر:۔

بائبل کی باتوں کو ٹھیک سمجھنے کیلئے اِس کے تاریخی جغرافیائی اور ثقافتی پس منظر سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے۔ فلسطین بابل اسُور مسوپتامیہ مصر اور یونان کا جغرافیہ اِن کی تاریخ اور ان کی ثقافتیں بھی معلوم ہونا چاہئیں یروشلیم کے حالات معلوم ہونا لازمی ہیں۔ مسیح سے پہلے جو یہودیوں کے آخری وقتوں کی تاریخ ہے اُس کا بھی علم ہونا چاہیئے نیک سامری کی تمثیل بخوبی تبھی سمجھ میں آسکتی ہے جبکہ اس زمانے کے حالات معلوم ہوں۔ مقدس پولوس رسول نے جو گلتیہ میں سفر کئے ہیں اُن کا پتہ تبھی چل سکتا ہے اَور اُن کی ٹھیک طور پر تبھی سمجھ آسکتی ہے جبکہ اُس وقت کے رومی صوبوں کا علم ہوکر آیا اُس نے شمالی گلتیہ میں سفر کیا تھا یا جنوبی گلتیہ میں۔ گلتیہ کے سفر کا ذکر اعمال ۱۶:۶ میں آیا ہے کہ "وہ فروگیہ اَور گلتیہ کے علاقے میں سے گذرے"

(ب) مُصنّف:۔

بائبل کی کتابیں عین سائنسی اَور تواریخی طریقوں کے اجراء سے پہلے لکھی گئیں اس وقت محققانہ عالمانہ اور تواریخی طریقے مروّج نہیں تھے۔ مشرقی لوگوں کی ذہنیت ایسی ہے کہ یہ کم وبیش اور اختلاف کی پروا نہیں کرتے اگر کسی چیز کی زیادتی بتانا ہو تو بہت ہی بڑھا کر بتاتے ہیں اور کمی

بتانا ہو تو صفر تک لے جاتے ہیں۔ اگر ایک شخص دوسرے کے مقابلے میں کچھ کم ہو تو کہتے ہیں کہ وہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں حالانکہ ہر شخص دُوسرے کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ اِن کی ذہنیت کا خاصہ افراط و تفریط کرنے یعنی بڑھانے گھٹانے کا ہے۔ اگر دوسری قوم کے آدمی قد میں کچھ بڑے ہوں اور آپ اُن سے قدرے کوتاہ قد ہوں تو طویل القامت لوگوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو محض "بونے" کہیں گے۔ گنتی (عدد) ۱۳/۳۲ اگر عمارتیں کچھ اونچی ہوں تو اُن کو آسمان تک پہنچی ہوئی کہیں گے۔ ہم لوگ مشرقی ہیں اور ہماری یہ ذہنیت آج تک نہیں بدلی۔ اگر کوئی بات دس پندرہ شخصوں کو معلوم ہو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات تو ساری دنیا کو معلوم ہے اگر کہیں چند سیٹرے آدمی جمع ہوئے ہوں تو کہتے ہیں کہ وہاں لاکھوں اور کروڑوں آدمی جمع تھے اور جب کوئی کہے کہ وہاں تو صرف چند سیکڑے تھے یا یہ بات تو صرف دس پندرہ ہی کو معلوم ہے تو کہتے ہیں کہ گھواں تانہہ کی تے گھواں ٹھانہہ کی یعنی گھواں اُتاں کی تے گھواں ہیٹھاں کی۔ گھواں کم کیا اور گھواں زیادہ کیا۔ یعنی سیکڑوں کو لاکھوں کروڑوں بتانا اور دس پندرہ کو ساری دنیا بتانا اِن کے نزدیک صرف ایک گھویں کی گنتی کی کمی بیشی ہے۔

اگر کسی شخص کے بارے میں متعدد بیانات ہوں اور ان بیانوں یا کہانیوں میں اختلاف پایا جاتا ہو تو وہ اُن کہانیوں کو ملا کر بیان کرتے وقت اختلافات کو دور نہیں کرتے تھے وہ اُن اختلافوں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے تھے گویا وہ اُن اختلافوں کو اختلاف نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ایک ہی شخص کے بارے میں اختلافوں والی کہانیاں بے دھڑک بیان کرتے تھے۔

نسب نامے لکھتے وقت یہ لازمی نہیں تھا کہ ضرور بیٹا ہی لکھا جائے یا باپ ہی لکھا جائے بلکہ کبھی پوتے اور پر پوتے کو بیٹا کہتے تھے اور کبھی دادے پردادے کو باپ۔ کبھی نے پالک کو بیٹا اور مربی کو باپ کہتے تھے۔ وہ ناموں کی بھی چنداں پروا نہیں کرتے تھے۔ اگر اب بھی جب کوئی کہتا ہے کہ اس کا یہ نام نہیں بلکہ وہ ہے تو کہتے ہیں کہ چلو کچھ ہوا۔ وہ لوگ بھی کئی دفعہ "چلو کچھ ہوا" ہی پر گذارا کر لیا کرتے تھے۔ وہ کائنات کو اُتنی بڑی سمجھتے تھے جتنی کہ نظر آتی ہے اور ویسی ہی سمجھتے تھے جیسی نظر آتی ہے وہ آسمان کو اُتنی ہی دُور سمجھتے تھے جتنی دُور بظاہر نظر آتا ہے تبھی تو کہتے تھے کہ عمارتیں آسمان تک اونچی ہیں اور ہم ایک بُرج بنائیں جس کی چوٹی آسمان تک پہنچی ہوئی ہو پس اُس زمانے کے مصنف جسطرح کے تھے وہ اُسی طرح لکھتے تھے اور اُس زمانے کے لوگ جسطرح کے تھے اُن کے لئے وہ اُسی طرح کا لکھتے تھے۔ یہ نہیں کہ جماعت تو ہو کچی پہلی اور اس کے سامنے ہائی کلاسوں کی جیومیٹری چھانٹی جائے یا الجبرے کا "کے میتھڈ" بیان کیا جائے۔ پس جیسے وہ لوگ تھے اور جیسے وہ مصنف تھے وہ اسی طرح کا لکھتے تھے

جب یسوع کی پسلی میں بھالا مارا گیا تو دل کے چھد جانے سے جو مواد باہر بہہ نکلا تھا اس کو مقدس یُوحنّا انجیل چہارم میں خون اور پانی کہتا ہے جس چیز کو وہ پانی کہتا ہے طبی اصطلاح میں اُسے سیرم کہتے ہیں۔ SERUM کو ماء الدم کہتے ہیں یعنی خون کا پانی۔ اس کی طبی اصطلاح کو نہ مقدس یُوحنّا جانتا تھا اور نہ عوام۔ سب لوگ اِسے پانی ہی کہتے تھے پس یُوحنّا اِس کے لئے وہ نام استعمال کرتا ہے جو اُسے معلوم تھا اور جسے لوگ سمجھتے تھے اور جو لوگوں کو معلوم تھا۔ بعض عددوں کے خاص معنی تھے اور وہ

مقدس عدد تھے۔ مثلاً سات کا عدد کمال کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ تین چار
سات دس بارہ اور چالیس کے عدد خاص معنوں میں استعمال کئے جاتے
تھے۔ تین کو اِس لئے مقدس سمجھتے تھے کیونکہ دنیا خاص تین حصوں میں منقسم
ہے یعنی آسمان زمین اور پانی ہیں۔ شامی اقوام تین کو مقدس عدد سمجھتی تھیں
بابلی قوم شامی قوم تھی اور وہ اسے مقدس عدد سمجھتی تھی۔ یہ کہ اِس کا مقدس
یا علامتی استعمال عبرانیوں میں ہوتا تھا۔ مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہو
جائیگا۔ داؤد کو تین مصیبتوں میں سے ایک مصیبت اختیار کرنے کو کہا
گیا۔ ۲۔سیموئیل ۲۴/۱۳۔ ا۔ تواریخ ۲۱/۱۲۔ ایلیاہ نے اپنے آپ کو مُردہ بچے
پر تین دفعہ پسارا یا پھیلایا۔ ا۔ ملوک ۱۷/۲۱ دانی ایل دن میں تین دفعہ دُعا
مانگا کرتا تھا۔ دانی ایل ۶/۱۰ عالم ارواح کے یا اگلے جہان میں یہاں سے
جانے والوں کیلئے تین جگہیں ہیں۔ ایتھیوپی حنوک یا حنوک کی ایتھیوپی زبان
کی کتاب ۲۲/۹۔ فارس کے تین رئیس پہلا یا تیسرا عزرا ۳/۹ (اِس کو
پہلا یا تیسرا عزرا کہتے ہیں۔ بائبل میں دو کتابیں عزرا اور نحمیاہ ہیں
بعض اِن دو کتابوں کو پہلا اور دوسرا عزرا کہتے ہیں۔ عزرا کو پہلا عزرا
اور نحمیاہ کو دوسرا عزرا کہتے ہیں۔ عزرا کے نام کی دو اور کتابیں بائبل
سے باہر ہیں۔ بائبل کے باہر کی عزرا کی کتابیں بھی عزرا کی کتابیں کہلاتی
ہیں لیکن وہ عزرا کی نہیں ہیں۔ اِن باہر والی کتابوں کو پہلا عزرا اور دوسرا
عزرا کہتے ہیں لیکن اگر بائبل کی عزرا اور نحمیاہ کو پہلا اور دوسرا عزرا
کہا جائے تو اِن باہر والی دو کتابوں کو تیسرا اور چوتھا عزرا کہا جائیگا۔
حنوک کے نام کی دو کتابیں ہیں یہ مکاشفہ کی کتابیں ہیں ایک تو ایتھیوپیا
کی زبان میں ہے یعنی زبان حبشہ میں ہے اور دوسری سلاوی زبان میں

ہے حنوک کی جس کتاب کا اُوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ حنوک کی ملک حبشہ کی زبان
والی مکاشفہ کی کتاب ہے) عزرا تین دن رُؤیا کا انتظار کرتا ہے دوسرا
یا چوتھا عزرا ۱۳/۵۸ و ۱۴/۱۔ مکاشفہ کی کتاب میں مذکورہ آفتیں جس جس
چیز پر حملہ کرتی ہیں اس کا تیسرا حصہ برباد کر دیتی ہیں مکاشفہ ۸/۷-۱۲
آسمانی شہر کے بارہ دروازوں میں سے تین مشرق کو تین مغرب کو
تین شمال کو اور تین جنوب کو ہیں۔ مکاشفہ ۲۱/۱۳ اور حبشہ کی زبان کی
حنوک کی کتاب ۳۴/۲ و ۳۵/۱ و ۳۶/۱-۲۔

عدد چار کو اِس لئے مقدس سمجھا جاتا تھا کیونکہ دُنیا کی چار طرفیں مانی
جاتی ہیں یعنی مشرق مغرب شمال اور جنوب اور اِسی طرح باقی کے عدد
بھی مقدس مانے جاتے تھے، اور صرف وہ عدد ہی نہیں بلکہ اُن
کے بعض گُنے بھی مقدس مانے جاتے تھے اور جیسے تین اور چار کا گُنا
بارہ ہے۔ دس اور چار کا گُنا چالیس ہے۔ سات کا گُنا چودہ ہے۔
سات اور دس کا گُنا ستر ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس بائبل مقدس کو سمجھنے
کیلئے اِن عددوں کا مطلب بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ مصنف اِن کو کِن
معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ شامی نسب ناموں کی عجیب بات یہ ہے
کہ اُن میں اکثر دفعہ اقوام قبائل قصبے اور پہاڑ بھی شامل کئے گئے ہیں۔
جو قوم یا قبیلہ جہاں پیدا ہوا وہ وہاں کا بچہ ہے اور جو بعد میں پیدا
ہوئے وہ اس بچے کے بچے ہیں۔ ملکوں کے نام بھی نسب ناموں میں
شامل ہیں مثلاً حام کے بیٹے کوش اور مصر اور فوط اور کنعان پیدا ہوئے اور دُور کا رشتہ
یُوں ہے یسوع مسیح داؤد کے بیٹے ابراہیم کے بیٹے کا نسب نامہ اور کبھی
لے پالکوں کے نام درج ہوتے تھے اور جہاں کوئی قوم رہتی ہے

اُسے وہاں کی بیٹی کہا گیا مثلاً بابل کی بیٹی سے بابلی قوم مراد ہے صیہون کی بیٹی سے وہ باشندے مراد ہیں جو صیہون میں بستے تھے۔ اُس زمانے کے مصنف اِس طرح لکھتے تھے اور اُن کی اِس طرح کی سب طرزیں معلوم ہونا چاہئیں۔

ہر مصنف کے اپنے خاص حالات ہوتے تھے اور اپنی خاص طبیعت ہوتی تھی اور اِن کا عکس اکثر دفعہ انکی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ ثقافت کا اعلےٰ درجہ جو اشعیا نبی کو حاصل تھا وہ اس کے کلام کی عمدگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ عاموس نبی گڈریا تھا اور اس کی تحریر سے دیہاتی پن اور ناتراشیدہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ اُس کے صفحات دیہاتی مناظر کی تصاویر سے پُر ہیں۔ مقدس پولوس کی جوشیلی طبیعت کا مقدس یوحنا کی ٹھنڈی طبیعت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے گو مقدس یوحنا میں رسولی روح مقدس پولوس سے کم نہیں تھی۔

(ج) کتاب :-

مفسّر کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ دِل ہی دِل میں دُور کی گذشتہ صدیوں میں پہنچ جائے اور جو امداد اُسے تاریخ، آثارِ قدیمہ نسلوں کے علم اور اُن کے ایک دوسرے سے تعلقات اور اُن کے خواص کے علم سے حاصل ہوتی ہے اُس سے باقاعدہ فائدہ اُٹھایا جائے اور اُس امداد کو بہت اچھی طرح استعمال میں لایا جائے اور صرف اِنہیں سے نہیں بلکہ دیگر علوم سے جتنی بھی مدد ملے اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور اِن کی مدد سے معلوم کرنا چاہیئے کہ مصنّف

نے کون کونسی ادبی طرزوں کو استعمال کرنا چاہا اور اُس نے کس کس طرز کو واقع میں استعمال کیا۔ پوپ پائس دوازدہم فرماتے ہیں کہ یہ علوم صرف مفید ہی نہیں بلکہ یہ مفسر کے لئے سخت ضروری ہیں۔ ادبی طرزوں کے بارے میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا زیرِ نظر کتاب "تاریخ ہے یا نظم۔ عہدِ عتیق میں نظم صرف شاعرانہ کتابوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ تاریخی اور نبوی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے اور جو مجازی زبان اس میں استعمال کی گئی ہے اور اُس کی تفسیر اِس طرح نہ کی جائے گویا کہ وہ نثر ہی ہے مثلاً یہ مجازی کلام ہے کہ" یہوداہ شیرِ ببر کا بچہ ہے۔ اے میرے بیٹے تو شکار مار کر چل دیا ہے۔ وہ شیرِ ببر بلکہ شیرنی کی طرح دبک کر بیٹھ گیا۔ کون اُسے چھیڑے "" تکوین ۴۹/۹۔

تاریخی کتابوں میں کہیں کہیں ڈرامائی عنصر کے پائے جانے کا اِمکان بھی پایا جاتا ہے لپس بائیبل میں بعض تقریریں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو لفظ بلفظ اِسی طرح نہیں تھیں بلکہ اِن کو ایسی صورت میں ڈھالا گیا ہے جس سے پڑھنے والوں پر زیادہ سے زیادہ اثر ہو مثلاً پیدائش کی کتاب کے چوالیسویں (۴۴) باب میں یہوداہ کی اِسی طرح کی تقریر ہے یہ وہ تقریر ہے جو اُس نے یوسف کے آگے کی اور یہ پیدائش ۴۴/۱۸-۳۴ میں مندرج ہے۔ اِس طرح کی مقرری اور بندھی تقریریں ادب سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ ادبی فن ہے۔ عہدِ جدید میں تقریریں واقعی زیادہ حقیقی ہیں لیکن اِسمیں بھی کہیں کہیں مختلف تقریروں اور مختلف موقعوں کی تقریروں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے مثلاً پہاڑی وعظ کے موقع پر جو تقریر کی گئی تھی اُس کے علاوہ اور موقعوں کی تقریروں کو بھی اس کے ساتھ

ملا دیا گیا ہے۔

نبوت کی کتابوں کی بھی اپنی خاص خاصیت ہوتی ہے۔ نبوت میں ضروری باتیں پوری ہوتی ہیں لیکن جو باتیں صرف ادبی طرز کیلئے داخل کی ہوئی ہوتی ہیں وہ معاون باتیں پوری نہیں ہوتیں پس نبوی بیانوں میں ضروری باتوں اور معاون باتوں میں امتیاز کرنا چاہیئے یہ زائد باتیں پوری ہونے کیلئے نہیں لکھی جاتیں۔ جب روحانی سچائیاں مادی اصطلاحوں میں بیان کی جاتی ہیں تو اسطرح کے زائد الفاظ کا استعمال کرنا لازمی ہوتا ہے۔ مثلاً مسیحا کے راج میں بھیڑیا برّے کیساتھ رہیگا اور شیر ببر بیل کی طرح بھوسا کھائیگا اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مسیحا کے راج میں کامل اَمن اور سلامتی ہوگی۔ دُوسرے لفظوں میں اِس کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح سمندر پانی سے بھرا ہُوا ہے اُسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی اور خداوند کے عرفان کے باعث اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے معمور ہو گی اور جبکہ سب انسان خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنیوالے ہوں گے تو اِس کا نتیجہ اَمن اور سلامتی ہوگا پس جو بات پوری ہونے والی تھی وہ مسیحا کی بادشاہت کا قیام اور اُسکی سلامتی اور اُس کا امن تھا یا یہ کہ وہ بادشاہی راستبازی کی بادشاہی ہوگی۔ بعض بحالی کی پیشینگوئیاں بھی اِسیطرح کی ہیں۔ مثلاً نشیب اُونچا کیا جائیگا اور پہاڑ پست کیا جائیگا اور خداوند کا انتظار کرنیوالا بال و پر سے اُڑے گا زائد اور معاون باتیں ہیں۔ یہ اشعیا باب ۴۰ میں ہے اور پھر جب دُو واقعات جو مستقبل میں وقوع میں آنے والے ہوں اکٹھے بیان کئے گئے ہوں تو جہاں تک ہو سکے دونوں کی تفاصیل میں امتیاز کرنا چاہیئے مثلاً انجیل مقدس میں یروشلیم کی بربادی اور دُنیا کی بربادی اکٹھی بیان کی گئی ہیں اور

دونوں کی تفاصیل میں امتیاز کرنا لازمی ہے۔ ایسا کرنا بہت دفعہ مشکل ہوتا ہے مثلاً اشعیا باب ۴۰ میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کونسی بات صرف بابلی جلاوطنی سے واپسی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور کونسی صرف قیام کلیسیا کے ساتھ یعنی مسیحی کلیسیا کی بنیاد پڑنے اور اس کے قائم ہونے کے ساتھ۔ پیشینگوئی کے بعض حصے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دونوں باتوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً یروشلیم کی بربادی کے وقت بہت سے جھوٹے مسیح آئے تھے اسیطرح دُنیا کی بربادی کے وقت ہوگا اُس وقت لوگ جھوٹے نبیوں کے فریب کا شکار ہوتے تھے اِسی طرح دُنیا کے آخر میں بھی ہوگا۔ اُس وقت اِسرائیلی قوم پر خدا کا غضب نازل ہُوا اور اُسکی عدالت کی گئی اِسی طرح دُنیا کے آخر میں اقوام عالم پر خدا کا غضب آئے گا اور اُن کی عدالت کی جائے گی جسطرح یروشلیم اور اُس کی قوم کی عدالت کی گئی تھی اُسیطرح دُنیا اور اُس کی سب اقوام کی عدالت کی جائے گی اور یوں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دونوں طرح کے واقعات کے لئے مشترک ہوتی ہیں اور یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ کون کونسی باتیں ایسی ہیں جو ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں اور کون کون سی باتیں دوسرے واقعہ سے۔ پیشینگوئیوں کی جو باتیں ابھی پوری نہیں ہوئیں اُن کا بڑا حصہ دُھندلا اور پوشیدہ رہتا ہے مثلاً دُنیا کی آخرت۔ دجال یا مخالف مسیح کی حقیقت اور وہ پُر راز پیشینگوئی جو ۲۔ تھسلنیکیوں ۲/۴ میں پائی جاتی ہے۔ دجال کی حقیقت جاننے سے یہ مراد ہے کہ دجال حقیقت میں کیا ہوگا۔ کیا وہ کوئی ایک شخص ہوگا یا بہت سے اشخاص یا مخالف مسیح حکومتیں یا تصانیف تقاریر اور اخبار جو مسیح کا دشمن ہے یعنی جو جو کچھ بھی مسیح کے خلاف کیا جائیگا وہ سب کچھ اور وہ سارا مخالف مسیح نظام

دجال یا مخالف مسیح ہوگا۔ دجال کے معنی ہیں بڑا دجل کرنے والا۔ اور دجل کے معنی ہیں فریب پس دجال کے معنی بڑا فریب دینے والا یا بڑا فریبی ہیں، لیکن یہ ہے کیا اس کی حقیقت ٹھیک ٹھیک دنیا کے آخر میں معلوم ہوگی ابھی یہ بات دھندلی اور اس کی حقیقت پوشیدہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتوں کے بارے میں خدا یہ چاہتا ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک پتہ اسی وقت چلے جب وہ پوری ہوں مثلاً خداوند یسوع نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اس ہیکل کو ڈھا دو تو میں اسے تین دن میں کھڑا کر دوں گا۔ یہودیوں نے یہ بات اپنی اینٹ پتھر کی ہیکل کے بارے میں سمجھی لیکن یسوع نے یہ بات اپنے وجود کی ہیکل کے بارے میں کہی تھی یعنی اپنے بارے میں کہی تھی کہ تم مجھے ڈھا دو گے اور میں پھر کھڑا ہو جاؤں گا۔ تم مجھے مار ڈالو گے اور میں تیسرے دن پھر جی اٹھوں گا۔ مسیح نے فرمایا تھا کہ تم ڈھا دو تو میں پھر کھڑی کر دونگا لیکن یہودیوں کی صدر عدالت میں دو گواہوں نے کہا کہ میں خدا کے مقدس کو ڈھا سکتا اور تین دن میں اسے بنا سکتا ہوں۔ مسیح نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں ڈھا کر بنا سکتا ہوں بلکہ یہ کہ تم ڈھا دو تو میں بنا دوں گا پس بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پورے ہونے ہی سے ان کی ٹھیک ٹھیک سمجھ آتی ہے اس بات کی سمجھ آنے کے بارے میں لکھا ہے کہ "جب وہ مردوں میں سے جی اٹھا تو اس کے شاگردوں کو یاد آیا کہ اس نے یہ کہا تھا تو انہوں نے کتاب مقدس اور اس قول کا یقین کیا جو یسوع نے کہا تھا" یوحنا ۲/۲۲ ۔

کتاب کے موقع اور مقصد سے بھی کتاب کی عبارت کے معنی متعین ہوتے ہیں اور وہ معنی معلوم کرنے کیلئے اس کے موقع اور مقصد سے مدد

ملتی ہے۔ توریت میں قوانین تاریخی باتوں کے ساتھ باترتیب طور پر بیان نہیں کئے گئے بلکہ وہ بکھرے ہوئے ہیں اور پراگندہ صورت میں ہیں اور انکے بے ترتیب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوانین ان حالات کی پیداوار ہیں یعنی ان حالات کے مطابق ہیں جو خروج کے وقت اور پھر بعد میں ملک موعود میں تھے وہ قوانین صرف موسوی زمانے ہی کے نہیں بلکہ مابعد کے زمانے کے بھی ہیں اور اصطلاحات میں جو بہت سے فرق پائے جاتے ہیں ان فرقوں اور اختلافوں کا باعث بھی وہ مختلف حالات ہی ہیں۔ خروج کے زمانے میں بیابان میں حالات اور طرح کے تھے لیکن ملک موعود میں ان کے حالات اور طرح کے تھے مگر ساری شریعت موسیٰ ہی سے منسوب کی گئی ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا شارع تھا وہ شریعت کا بانی اور چشمہ تھا تو بعد کے قوانین بھی اسی سے منسوب کئے گئے جس طرح مزامیر کی کتاب اگرچہ سب شاعر انبیاء کے کلام کا مجموعہ ہے لیکن وہ حضرت داؤد سے منسوب کیجاتی ہے کیونکہ اس نے خدا کی عبادت اور حمد و ثنا کیلئے گانے بجانے یا موسیقی کا اعلیٰ درجے کا انتظام کیا پس گیتوں کی ساری کتاب اس کے نام سے منسوب کر دی گئی۔ حکمت اور دانائی میں سلیمان اوروں سے بڑھا ہوا تھا لہذا حکمت و دانش کی سب باتیں اور کتابیں سلیمان سے منسوب کی گئیں مثلاً امثال، واعظ اور حکمت سلیمان سے منسوب کی گئیں اگرچہ یہ اس کی تصنیف نہیں ہیں پس جب قوانین شریعت کی تفسیر کریں تو ان حالات کو ضرور مد نظر رکھنا چاہیئے جن حالات میں وہ قوانین پیدا ہوئے۔ پاک مصنفین ان لوگوں کا خیال رکھتے تھے جن کیلئے وہ لکھتے تھے مثلاً متی اور مرقس دونوں یہودی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں لیکن مرقس جس نے اپنی انجیل غیر یہودیوں

یا غیر اقوام کیلئے لکھی تھی وہ عبرانی یا آرامی ناموں اور لفظوں کا یونانی میں ترجمہ بھی پیش کر دیتا ہے اور یا اُس کی وضاحت کر دیتا ہے ملاحظہ ہو مرقس ۵/۴۱ میں وہ آرامی الفاظ آئے ہیں یعنی تلیتا قومی اور ان کا ترجمہ ہے اے لڑکی اُٹھ۔ اور یہ ترجمہ متن میں مندرج ہے اور مرقس ۷/۱۵ میں وضاحت پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو " کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اُسے ناپاک نہیں کر سکتی مگر جو چیزیں آدمی میں سے نکلتی ہیں وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں،، مرقس ۷/۱۵ اِس کی وضاحت یُوں بیان کی گئی ہے " کیا تم نہیں سمجھتے کہ کوئی چیز جو باہر سے آدمی کے اندر جاتی ہے اُسے ناپاک نہیں کر سکتی اِس لئے کہ وہ اُس کے دِل میں نہیں بلکہ پیٹ میں جاتی ہے اور مزبلہ میں نکل جاتی ہے یہ کہہ کر اُس نے کھانے کی تمام چیزوں کو پاک ٹھہرایا پھر اُس نے کہا کہ جو کچھ آدمی میں سے نکلتا ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتا ہے کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دل ہی سے بُرے خیال نکلتے ہیں۔ حرامکاریاں، چوریاں، خونریزیاں، زناکاریاں، لالچ، بدیاں، مکر، شہوت پرستی، بدنظری، بدگوئی، شیخی، بیوقوفی یہ سب بُری باتیں اندر سے نکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہیں" مرقس ۷/۱۸-۲۳ مقدس متی یہودیوں کے لئے لکھتا ہے وہ ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جو غیر اقوام کے خلاف ہیں اور جنہیں پڑھ کر وہ ناخوش اور ناراض ہو سکتے ہیں۔ لُوقا غیر اقوام کیلئے لکھتا ہے اِس لئے وہ ہر ایسی بات سے بچ کر چلتا ہے جو انہیں ٹھیس لگائے وہ ایسی کوئی بات نہیں لکھتا جو غیر قوموں کے لوگوں کے احساسات اور جذبات کے خلاف ہو یا اُن کی دِل آزاری یا دِل شکنی کا باعث ہونے والی ہو۔

(د) الفاظ، سیاق وسباق اور متوازی عبارتیں:۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ الفاظ کے معنی اُن کے مادہ کے لحاظ سے اور ہوتے ہیں لیکن جہاں اِستعمال کئے گئے ہُوئے ہوتے ہیں وہاں اور ہوتے ہیں مثلاً اریوپگس شروع میں ملک یونان کے شہر ایتھنز یا اتھینے کی ایک پہاڑی کا نام تھا اِس کے لفظی معنی ہیں اریس کی پہاڑی یا مریخ کی پہاڑی یا کوہِ مریخ۔ چونکہ یُونان کی سب سے بڑی کونسل پہلے پہل یہاں جمع ہُوا کرتی تھی اِس وجہ سے یونان کی صدر مجلس کا نام اریوپگس ہو گیا خواہ وہ کہیں منعقد ہوتی۔ اِس پہاڑی کا نام اریوپگس اعمال ۱۷/۱۹ و ۲۲ میں آیا ہے پھر یہ بھی حق ہے کہ الفاظ کے معنی زمانہ بزمانہ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ غلطی اکثر دفعہ کی گئی ہے کہ عہدِ جدید کی یونانی کو وہی یونانی سمجھا گیا جو پانچویں صدی قبل مسیح کی مستند اور اعلےٰ درجے کی یونانی تھی اور اِسی یونانی کے معنوں کے مطابق تفسیر کی گئی لیکن عہدِ جدید کی یونانی اُس یونانی سے مختلف ہے یہ وہ یونانی ہے جو عہدِ جدید کے لکھے جانے کیوقت مروج تھی یعنی پہلی صدی مسیحی کی یونانی ہے۔ مسیح کے زمانے کی یونانی کی جو دستاویزات اور کاغذات آج کل دستیاب ہُوئے ہیں اُن تحریروں نے ثابت کر دیا ہے کہ عہدِ جدید کی یونانی قدیمی یونانی نہیں بلکہ مسیح کے زمانے والی یونانی ہے۔ بائیبل کے صحیح مطالعہ کیلئے اِس کی اصل زبانوں کا علم لازمی ہے۔ پوپ پائس دوازدہم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کتاب مقدس کا صحیح معنوں میں مفسر نہیں سمجھا جا سکتا جو کہ کتاب مقدس کی اصلی زبانیں یعنی عبرانی، آرامی اور یونانی نہ جانتا ہو۔ اِن اصلی زبانوں کے علاوہ شامی، عربی اور اکادی زبانیں بھی بائیبل کے متن کے معنی کی وضاحت

کرنے کیلئے بہت مفید اور معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ بائیبل و سمجھنے کیلئے اکادمی عربی اور شامی کا جاننا بھی از بس مفید اور بیش قیمت ہے۔

کسی عبارت کے معنی متعین کرنے کیلئے اُس کے سیاق و سباق کا بھی لحاظ رکھنا ہوتا ہے مثلاً عدد (گنتی) ۱۳/۲۷ میں ملک موعود کے بارے میں آیا ہے کہ اُس میں دُودھ اور شہد بہتا ہے اور سیاق و سباق کی رُو سے اِس کے معنی زرخیز اور خوشحال ملک ہیں۔ لیکن اشعیا ۷/۱۵ میں لکھا ہے کہ وہ بچہ مکھن اور شہد کھائیگا کا مطلب سیاق و سباق کی رُو سے سخت دُکھ اور مصیبت ہے یعنی یہ فقرہ مصیبت دُکھ اور بپتا کو ظاہر کرتا ہے اور اشعیا ۷/۲۲ میں بھی یہی مطلب ہے بشرطیکہ اِس سے تباہی کے نتیجے کی خوراک مراد ہو یعنی عمدہ اور اعلےٰ خوراک نہ ہونے کے باعث خانہ بدوشوں کی خوراک کھانے کیلئے مجبور ہونگے۔ اِس مقام کی تفسیر کے بارے میں علماء کی رائے متفق نہیں کوئی کہتا ہے کہ ۷/۱۵ میں بچے کی خوشحالی اور ۷/۲۲ میں لوگوں کی خوشحالی مراد ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اِس سے تنگی مراد ہے کیونکہ لوگ خانہ بدوشوں کی خوراک کھانے کیلئے مجبور ہوں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ اِس کے معنی خوشحالی ہی ہوتے ہیں اور یہاں بھی خوشحالی ہی ہیں مگر اصل بات اِس مقام کی مثال دینا نہیں بلکہ تفسیر کا اصول بیان کرنا ہے اور اصول یہ ہے کہ سیاق و سباق کے لحاظ سے معنی کرنا چاہئیں اور ساتھ ہی یہ اصول بھی مدِنظر رکھنا چاہئے کہ کسی عبارت کو کھینچ تان کر سیاق و سباق کے مطابق نہیں کرنا چاہئے معنی تو ہمیشہ سیاق و سباق کی مطابقت میں کرنا چاہئیں مگر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ عبارت میں کیا پایا جاتا ہے۔ عبارت سیاق و سباق میں پائی جاتی ہے اور معنی عبارت میں پائے جاتے ہیں کبھی کوئی عبارت سیاق و سباق کے

مطابق نہیں ہوتی اور گا ہے اِس کیوجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ عبارت الحاقی ہوتی ہے وہ اُس سیاق و سباق کی اور اُس مقام کی عبارت دراصل ہوتی ہی نہیں اور اِس لئے اُس عبارت کے معنی سیاق و سباق کے مطابق نہیں ہوتے اور جو اُس عبارت کو اُس مقام کی عبارت سمجھتے ہیں وہ اُسے کھینچ تان کر اُس کے معنی سیاق و سباق کے مُطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دونوں اُصول راست ہیں کہ معنی سیاق و سباق کی مطابقت میں ہونا چاہئیں اور معنی وہ ہونا چاہئیں جو فقرے یا عبارت میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی ایک لفظ یا ایک سے زیادہ الفاظ جو ایک ہی سیاق و سباق میں پائے جاتے ہوں عام طور پر اُن کی ایک ہی طرح کی تفسیر کرنا چاہئے۔ زیادہ وسیع معنوں میں ساری کتاب کو بھی سیاق و سباق کہا جا سکتا ہے اگر کسی مقام کے پُورے اور بالکل ٹھیک معنی جاننا ہوں تو ساری کتاب کا بحیثیتِ مجموعی مطالعہ کرنا چاہئے۔ موزوں اور مناسب حد بندیوں کو ملحوظِ خاطر رکھکر اِس قول میں بہت سچائی ہے کہ بائیبل کا بہترین مفسّر بائیبل خود ہی ہے۔ بہت دفعہ کسی متن یا کسی عبارت کی اِسطرح تحقیق کیجاتی ہے اور اُس کی اِسطرح جانچ پڑتال کی جاتی ہے گویا کہ وہ ساری کتاب سے الگ ہے۔ عیدوں اور اتواروں کو خطوں اور انجیلوں کی جو عبارتیں ورد کیلئے ہوتی ہیں اُن کے ساتھ عموماً اِس طرح کیا جاتا ہے اور اِس لئے بہت دفعہ اُن کی ٹھیک سمجھ نہیں آتی۔ بائیبل کے بہت سے حصّوں کی نسبت مقدس پولوس رسول کے خطوں میں سے ہر خط کو ایک ہی دفعہ یعنی ایک ہی نشست میں سارے کا سارا پڑھنا چاہئے یعنی جب ایک خط کو پڑھنا شروع کیا جائے تو اُسے سارا پڑھ کے چھوڑا جائے اور جہاں تک ہو سکے بائیبل کی باقی کتابوں کے بارے میں بھی اسی طرح کرنا چاہئے اگر ان سے

اِسطرح کیا جائے تو اِن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

کسی مقام کو واضح کرنے اور اچھی طرح سمجھنے میں کوئی کلیدِ بائیبل بڑی کارگر ثابت ہوتی ہے اُردو میں تو صرف ایک ہی کتاب ایسی ہے یعنی ایک ہی کلیدِ بائیبل ہے لیکن انگریزی میں متعدد دستیاب ہو سکتی ہیں اِن کی امداد سے جس عبارت کو اچھی طرح سمجھنا ہو اُس کے الفاظ کو کنکارڈنس کی مدد سے بائیبل کے اور مقاموں میں دیکھنا چاہئیے اور اِسطرح جس عبارت کا مطلب سمجھنا مطلوب ہو اُس کی بہت اچھی سمجھ آجاتی ہے۔ عبرانی متن میں اِشعیا ۷/۱۴ میں لفظ علماہ آتا ہے اس کے علاوہ دوسری عبارتوں میں عہدِ عتیق میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنی کنواری کے ہیں بعض جگہ تو صاف صاف کنواری مراد ہے اور بعض جگہوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی کنواری ہیں لیکن اِس لفظ کے معنی یہ بتائے جاتے ہیں کہ شادی کی عمر کو پہنچی ہوئی عورت یا جوان عورت خواہ وہ شادی شدہ ہو خواہ کنواری ہو لیکن حق یہ ہے کہ عبرانی عہدِ عتیق میں یہ لفظ ایک دفعہ بھی کسی شادی شدہ جوان عورت کے لئے نہیں آیا بلکہ ہر جگہ کنواری اور غیر شادی شدہ جوان عورت کے لئے آیا ہے اور دو قدیمی ترجمے جو نہایت اعلےٰ پایہ کے ہیں وہ اشعیا ۷/۱۴ میں اس لفظ کا ترجمہ کنواری کرتے ہیں اور وہ ترجمے یونانی سیپٹواجنٹ اور لاطینی ولگیٹ ہیں۔ ایک عالم کہتا ہے کہ اگرچہ یہ لفظ کنوارپن کو صاف صاف ظاہر نہیں کرتا یعنی اگرچہ اِس لفظ میں کنوارپن کے معنی صاف اور واضح طور پر نہیں پائے جاتے مگر حقیقت میں اُسے اِس معنی میں سمجھنا چاہئیے اور اِس لئے اِشعیا ۷/۱۴ میں جو لفظ آیا ہے اُس میں کنوارپن کے معنی شامل ہیں یعنی وہاں اِس لفظ کے معنی

کنواری ہی ہیں۔ ایک ہی واقعہ جو مختلف مقاموں میں بیان کیا ہُوا ہوتا ہے اُس کو پڑھنے سے کئی دفعہ عبارت کے مطلوبہ معنی پر بہت روشنی پڑتی ہے مثلاً متی ۹/۲ میں آیا ہے کہ ایک مفلوج کو چارپائی پر اُٹھا کر چھت سے یسوع کے سامنے لٹکا دیا اِس کی مرقس ۲/۱-۱۲ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اُنہوں نے چھت میں سوراخ کر کے یعنی چھت کھول کر چارپائی کو لٹکایا تھا۔

عہدِ عتیق کی مشابہ عبارتوں کا مقابلہ کرتے وقت یہ بات مدِنظر رکھنا چاہئیے کہ عہدِ عتیق ترقی کرنیوالے اور بڑھتے رہنے والے مکاشفہ کا بیان ہے جو مسیح میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ حق ہے کہ مابعد کی پیشینگوئیاں اُن پیشینگوئیوں پر بہت روشنی ڈالتی ہیں جو پہلے کی ہُوئی تھیں لیکن اِس میلان سے بھی بچنے کی ضرورت ہے کہ پُرانے بیانوں میں نئے معنی نہ ڈالے جائیں۔ کسی بات کے جو معنی بڑھتے بڑھتے ہو جاتے ہیں شروع میں وہی معنی نہیں ہوتے اور اُس قدر نہیں ہوتے مثلاً ایوب امثال واعظ اور حکمت میں الٰہی حکمت کی تعلیم پائی جاتی ہے پہلی تین کتابوں میں یہ صرف خدا کی ایک صفت کے طور پر مذکور ہے لیکن صرف حکمت کی کتاب میں اِس کی شخصی خاصیت ظاہر ہونا شروع ہوتی ہے اور اِسمیں بھی صرف شروع ہوتا ہے اِسکی شخصی خاصیت کامل طور پر ظاہر نہیں کی گئی جیسے کہ عہدِ جدید میں ظاہر کی گئی ہے پس ایوب امثال اور واعظ میں یہ معنی نہیں ڈالنے چاہئیں کہ گویا الٰہی حکمت یہاں بطور الٰہی شخص کے بیان کی گئی ہے الٰہی شخص کے طور پر تو یہ حکمت کی کتاب میں بھی بیان نہیں کی گئی اُس میں بھی اِس کی شخصیت کی پرچھائیں سی پڑی ہُوئی ہے۔ عہدِ جدید میں الٰہی حکمت الٰہی کلمہ ہے جو پاک تثلیث کا اُقنوم ثانی ہے۔ الٰہی حکمت کا پورا اور واضح مکاشفہ تجسد کے وقت

ہوا تھا۔ تفسیر کرتے وقت عبرانی نظم کی مساوات اور برابری کو بھی ضرور مدِ نظر
رکھنا چاہئیے مثلاً زبور ۸۸ (۸۹) ۶ میں خدا کے فرزندوں سے فرشتے مُراد
ہیں انسان نہیں کیونکہ جو فقرہ اِس کے برابر اور مساوی ہے اُس میں اِن
کے بارے میں آیا ہے کہ فضاؤں میں کون خداوند کے برابر ہے اور فضاؤں
یا آسمانوں میں فرشتے ہی ہو سکتے ہیں آدمی نہیں پس یہاں مساوات نظمِ عبرانی
کے ذریعے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ خدا کے فرزندوں سے فرشتے مراد ہیں لہٰذا
عبرانی نظم کی تفسیر کرتے وقت اِس کی مساوات والی طرز کی خاصیت کو مدِ نظر
رکھکر اِس کی تفسیر کرنا چاہئیے۔

خاص اُصُول

کتابِ مقدس کا الٰہی چشمے سے ہونا اِس کے قدیمی ادب ہونے سے
کہیں بڑھکر قیمتی ہے۔ چونکہ اِس کا ماخذ الٰہی ہے اِس لئے اِس کے معنی
دریافت کرنے کیلئے تنہا عقل اور سخت محنت کافی نہیں ہیں کیونکہ "حکمت
اُس روح میں داخل نہیں ہوتی جو فریب باز ہو اور اُس بدن میں نہیں
رہتی جو گناہوں کیطرف مائل ہو" حکمت ۱:۴۔ جس بات کو پہلی جگہ حاصل
ہے وہ دل کی معصومیت اور نیکی کی تعمیل ہے۔ کتابِ مقدس کا دھندلا پن
یقیناً ہماری فروتنی اور صبر کا براہِ راست امتحان ہے اِسی سے یہ بخوبی
پرکھے جاتے ہیں۔ ایسی خاصیت حاصل کرنے کیلئے دُعا کی ضرورت ہے۔
کتابِ مقدس کی رُوحانی تفسیر معلوم کرنے کیلئے تفسیر کے یہ خاص اصُول
خاص قدر و وُقعت رکھتے ہیں اور اِس قسم کی تفسیر محض مکاشفہ کے چشموں

ہی سے دریافت کی جا سکتی ہے۔

(د) الہام کی حقیقت کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ کتابِ مقدس میں کوئی حقیقی
غلطی نہیں پائی جا سکتی۔

(ب) چونکہ کتابِ مقدس مکاشفہ کا چشمہ ہے اِس کی مُفسّر اور محافظ کلیسیا
ہے اور سب ایمانی اور اخلاقی معاملات میں معنی مقرر کرنے کا اُسے ہی اختیار
ہے۔ اِس بات کی ٹرینٹ کی کونسل نے تصریح کی تھی اور ویٹیکن کی پہلی
کونسل نے اِس کی اور بھی وضاحت کی تھی۔ بائیبل میں اور بھی بہتیری طرح
کی باتیں پائی جاتی ہیں جیسے جغرافیہ آثارِ قدیمہ اور اسی طرح کی اور بہتیری
باتوں کی تفصیلات۔ الہام اِن میں سے حقیقی غلطی کو خارج کرتا ہے لیکن
کلیسیا کو اِن کے معنی کی تعریف کرنے یا معنی معیّن کرنے کا کوئی حق اور اختیار
نہیں ہے کلیسیا کو اِن کے معنی معین کرنے کا اسی قدر اختیار ہوتا ہے جسقدر
اِن کا کسی تعلیم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے مثلاً سموئیل اور سلاطین کی کتابوں کے
واقعات کے زمانوں کے مقرر کرنے کے بارے میں کلیسیا کی کوئی رائے نہیں
اگرچہ اُن زمانوں کے بارے میں بڑی لے دے ہو رہی ہے اور بڑی بحث
جاری ہے اِن کے بارے میں تحقیق اور مغز ماری کرتے رہنا علماء کا کام
ہے لیکن وہ دنیوی معاملات جو ایمان اور اخلاق کی سچائیوں پر اثر انداز
ہوتے ہیں اُن میں سے کلیسیا غلط نظریوں کو رد کر سکتی ہے مثلاً مسئلۂ ارتقا
موروثی گناہ کی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے اور جو ارتقائی نظریہ اِس تعلیم کے
خلاف ہوگا کلیسیا اسکو رد کر سکتی ہے۔ تفسیر کے طور کے بارے میں یہ
امر ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئیے کہ کلیسیا کسی عبارت کے کبھی بے خطا اور یقینی
معنی بھی مقرر کر دیتی ہے مثلاً یوحنا ۵:۳ کے معنی۔ اِس میں وہ یہ بتاتی ہے

کر پیتسمے میں پانی کا استعمال لازمی ہے اور یہاں پانی کے مجازی معنی نہیں نکالنے چاہئیں یعنی یہ نہیں کہنا چاہئیے کہ پانی یہاں محض مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے بلکہ اس مقام کی سچی تفسیر یہ ہے کہ پانی یہاں لغوی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور یا وہ جھوٹی تفسیر کو رد کرتی ہے مثلاً تثنیہ شرع ۶/۵ اور متی ۲۲/۳۷ کی جھوٹی تفسیر کو کلیسیا رد کرتی ہے اور آپ اس کی صحیح تفسیر پیش کرتی ہے۔ غلط تفسیر کو رد کرنے سے کلیسیا ہمیں غلطی سے محفوظ رکھتی ہے پھر کتاب مقدس کی عبارتیں تعلیموں کے بارے میں جو فتوے اور فیصلے دیئے ہوئے ہیں اُن میں شامل ہیں اُن سے یا تو اُن تعلیموں کا ثبوت دینا مقصود ہوتا ہے اور یا اُن کی وضاحت کی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرۃ مریم کے بے داغ حمل میں لئے جانے کے فتوے میں پیدائش ۳/۱۵ کی عبارت شامل کی گئی ہے۔ جب کسی تعلیم کے بارے میں فتویٰ دیا جاتا ہے تو وہ تعلیم بے خطا اور یقینی طور پر صحیح ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُس تعلیم کو ثابت کرنے کیلئے جو دلائل دیئے گئے ہیں وہ بھی ٹھوس اور بالکل صحیح ہیں۔ عوام تو ایک طرف رہے خواص سے بھی جب پوچھا جاتا ہے کہ خدا کے ایک ہونے کا ثبوت دو تو وہ یا تو بالکل کوئی ثبوت نہیں دے سکتے اور اگر دیتے ہیں تو کمزور اور بودا یا غلط۔ جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ خدا کتنے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ایک اور صرف ایک پس اِس تعلیم کے بارے میں اُن کا فیصلہ یا جواب بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن دلیل یا کمزور ہوتی ہے یا بودی ہوتی ہے اور یا بالکل غلط ہوتی ہے۔ صحیح تعلیم کا جاننا اور ماننا لازمی ہے صحیح دلائل کا جاننا ضروری نہیں۔ کلیسیا صحیح تعلیم دینے کیلئے ہے یہی اس کا ضروری اور اوّلین کام ہے وہ صحیح دلائل دینے کیلئے مقرر نہیں کی گئی بلکہ صحیح تعلیم دینے کیلئے مقرر کی گئی ہے۔

پس اس کے دلائل میں اگر نقائص اور کمزوریاں بھی ہوں تو کوئی بڑی بات نہیں اور بائبل کی جس عبارت کو وہ کسی تعلیم کے ثبوت میں پیش کرتی ہے یہ ضروری نہیں کہ اس عبارت سے وہ تعلیم یقینی طور پر ثابت ہوتی ہو پس بائبل کی کسی عبارت کا کسی تعلیم کے بارے میں حوالہ دینا اُس مطلب کو بے خطا نہیں بنا دیتا جو اُس جگہ اُس سے لیا جاتا ہے۔ پس پیدائش ۳/۱۵ کی دلیل اگرچہ بڑا وزن رکھتی ہے لیکن بے خطا نہیں ہے۔ جن عبارتوں کی کلیسیا نے بے خطا تفسیر کر دی ہوئی ہے وہ تعداد میں بہت تھوڑی ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جن عبارتوں کی تفسیر کا بے خطا فیصلہ کیا گیا ہے اُن کی تعداد بیس سے بھی کم ہے۔ اگرچہ ایسی عبارتیں بہت ہیں جن کے معنی بلواسطہ طور پر متعین کر دیئے ہوئے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اگر کسی عبارت کی بے خطا تفسیر کر بھی دی گئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بے خطا تفسیر اُس عبارت کی مکمل تفسیر ہے ہو سکتا ہے کہ بے خطا تفسیر باوجود بے خطا ہونے کے بھی نامکمل تفسیر ہو۔ بے خطا تفسیر صحیح تفسیر تو ضرور ہوگی لیکن اس کا مکمل ہونا ضروری نہیں۔

کلیسیا کے بے خطا فتووں کے علاوہ بائبل عبارتوں کی بہتیری اور تفسیریں بھی ہیں جو کونسلوں کمشنوں اور مجلسوں کے فیصلوں میں پائی جاتی ہیں یہ تفسیریں اگرچہ بے خطا نہیں ہیں مگر بڑے اختیار اور قدر و قیمت والی ہوتی ہیں۔ خاص کر ببلیکل کمشن کے وہ جوابات بڑے قابل قدر ہیں جو کیتھولک عالم کی رہنمائی کیلئے ہیں تاکہ وہ تفسیر کے سیدھے راستوں پر چلے اور معقول طریقوں کو اختیار کرے اور اُن سے اِدھر اُدھر نہ ہو۔ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کمشن یہ مانتی ہے اور اُس کا مقصد یہ ہے کہ روایتی تفسیر ہی کو مانا جائے جب تک کہ ثابت نہ کر دیا گیا ہو کہ فلاں نظریہ ایمان اور اخلاق

کہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اور اُسے خاص حالت میں ماننا زیادہ معقول ہے اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ کمشن کے فیصلوں کو تسلیم کرنے یا اُس کے نتائج کو ماننے کا مطلب یہ نہیں کہ مزید تحقیق نہ کی جائے یا اُس کے فیصلوں کو لاتبدیل سمجھا جائے۔ ببلیکل کمشن کے فیصلے بے خطا نہیں ہوتے۔

ٹرینٹ کی کونسل کہتی ہے کہ آبائے کلیسیا کا کسی مسئلہ کے بارے میں متحدہ اقرار تفسیر کا پیمانہ اور معیار ہے۔ یہ بات ہمیشہ کلیسیا کی روایت رہی ہے کہ آبائے کلیسیا کا متحدہ اقرار تعلیم کے صحیح ہونے کا معیار ہے۔ جب آبا کسی عبارت کی ایک ہی اور ایک ہی طرح کی تفسیر کریں بشرطیکہ وہ عبارت ایمان یا اخلاق سے تعلق رکھتی ہو تو وہ تفسیر نہایت بلند اختیار والی ہوتی ہے کیونکہ اُن کی یکسانیت اور یکرنگی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایسی تفسیر کیتھولک ایمان کی بات کے طور پر رسولوں سے آئی ہے اور چلی آتی ہے۔ آبائے کلیسیا کے اِتحاد سے اکثریت کا اتحاد مراد ہے یعنی اگر دنیا کے بہت سے حصوں کے کثیر آبا متفق ہوں اور یا کسی بات پر مختلف زمانوں کے کثیر آبا کا اتفاق ہو اور کوئی بزرگ اس کو رد نہ کرتا ہو اور جس نظریے کو وہ پیش کرتے ہوں وہ یقینی ہو یعنی اس کے یقینی ہونے کی تعلیم دیتے ہوں اور محض اتنا نہ کہا ہو کہ یہ ممکن ہے یا غالباً یہ اسطرح ہے اور بالآخر تعلیم جو دی گئی ہو اُسے مکاشفہ کی سچائی کے طور پر پیش کیا گیا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ شرائط اکثر دفعہ بیک وقت پوری نہیں ہوتیں۔ جن عبارتوں کے معنوں پر آبا کا عام اتفاق ہے اُن کی تعداد اُن عبارتوں کی تعداد سے بھی کم ہے جن کے معنوں کے بارے میں کلیسیا نے فتویٰ دیا ہوا ہے۔ ہم یہاں چند مسائل پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:- مسیح کا کنواری کے حمل میں لیا جانا (اشعیا ۷:۱۴)۔ مسیح کے دکھ (اشعیا

باب ۵۳) - اعراف کی موجودگی - ۲- مکابیین ۱۲/۴۴ اِن مقاموں کے معنوں کے بارے میں آبا کا عام اتفاق ہے۔

جب عام اتفاق نہ بھی ہو مگر کوئی تعلیم جس کی بہت سے آبائے کلیسیا نے تعلیم دی ہو تو اُس تعلیم کی وہی قدر کیجائے گی جس قدر کے لائق وہ تعلیم ہوتی ہے جس کو اعلےٰ علم والے الٰہیات دانوں اور اعلےٰ درجے کی پاکیزگی والوں نے سکھایا ہو۔ آبائے کلیسیا علم الٰہی کے بڑے عالم اور بڑی مقدس زندگی والے تھے اِس لئے اُن کی دی ہوئی تعلیم بڑی قدر کے لائق ہے جو معاملات ایمان و اخلاق کے علاوہ ہیں اُن کے بارے میں آبائے کلیسیا کوئی خاص اختیار نہیں رکھتے اور اُن کے خیالات کا اُن کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیئے مثلاً اگر وہ کسی بات کو عام اتفاق سے بھی مانیں مثلاً دنیا کا چوبیس چوبیس گھنٹوں کے چھ دنوں میں بنایا جانا تو ہم اِس بات کو ماننے کے پابند نہیں ہیں کیونکہ دُنیا کا چوبیس چوبیس گھنٹوں کے چھ دنوں میں بنایا جانا ایمان و اخلاق سے تعلق نہیں رکھتا صرف دنیا کا خدا سے خلق کیا جانا ایمان سے تعلق رکھتا ہے پس جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اِس سب کے باوجود مفسّر کیلئے وسیع میدان کھلا پڑا ہے۔ صرف تھوڑی سی عبارتیں ہیں جن کے معنی اختیار کے ساتھ کلیسیا نے بیان کئے ہیں اور بہت سے ایسے اہم معاملات باقی ہیں جن کے بیان کرنے میں کیتھولک مفسّروں کی علمیت اور دانائی بہت کام دے سکتی ہے اور اُنہیں اپنی علمیت اور دانائی کو بائبل مقدس کے پیچیدہ مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے اور بائبل کی عبارتوں کا حقیقی مطلب بیان کرنے کے لئے عمل میں لانا چاہیئے۔

(ج) جن باتوں کا مطلب باختیار طور پر بیان نہیں کیا گیا اُن حصوں کا

مطلب بیان کرنے کیلئے مفسر کا رہنما ایک تو وہ ایمان ہونا چاہیئے جس کا وہ اقرار
کرتا ہے اور دوسرے ایمان کے حصوں کی باہمی مطابقت بھی رہنما ہونا چاہیئے۔
کسی عبارت کی بھی ایسی تفسیر اختیار نہیں کی جا سکتی جو مکشوف صداقت کی کسی
بات کےخلاف ہو۔ چونکہ مقدس کتابوں اور جو تعلیم خدا نے کلیسیا کے سپرد کی ہوئی
ہے اِن دونوں کا بانی خدا ہے لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ مقدس کتابوں سے دُرست
اور صحیح طور پر کوئی ایسی تعلیم اخذ کی جائے جو کلیسیا کی کسی اُس تعلیم کے خلاف
ہو جو اُسے خدا نے سونپی ہوئی ہے۔ تفسیر کے اس پیمانے کو ایمان کی مطابقت
کا معیار کہتے ہیں۔ ایمان کی مطابقت میں تفسیر کرنے اور تعلیم دینے کی کلامِ مقدس
میں یُوں تاکید آئی ہے کہ "چونکہ اُس توفیق کے موافق جو ہم کو دی گئی ہوئی
ہے ہمیں طرح طرح کی نعمتیں ملی ہُوئی ہیں اس لئے جس کو نبوّت ملی ہُوئی
ہو وہ ایمان کے اندازے کے موافق نبوت کرتا رہے۔"
رومیوں ۱۲/۶ پوپ لیو سیزدہم ہمیں یاد دلاتا ہے کہ خدا کے مرقومہ کلام کے
علاوہ تعلیم کی غیر مرقومہ روایت بھی ہے جو خدا کیطرف سے کشف کی ہوئی
ہے۔ یہ حق ہے کہ عہدِ جدید کی کتابیں پہلے غیر مسیحیوں کو مسیح کا ایمان دینے
کیلئے نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ پہلے وہ مؤمنین کو تعلیم دینے کی غرض سے لکھی
گئی تھیں یعنی عہدِ جدید کی کتابیں پہلے مؤمنین کیلئے ہیں اور پھر کسی اور کے
لئے پس اِن کتابوں کو پڑھنے والے مسیحی اِس بات کے بارے میں بڑے
محتاط ہوں گے کہ جو ایمان ہم نے سیکھا ہُوا ہے ہم اُس کے خلاف اِن
کتابوں کے کوئی معنی نہ نکالیں یعنی اِن کتابوں کا مطلب اُس ایمان کی
مطابقت میں ہونا چاہیئے جو ہم نے بزرگانِ دین سے سیکھا ہُوا ہے۔
پس متی ۱۹/۹ کا مطلب یہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اِس میں طلاق کی اجازت دی گئی

ہے کیونکہ چند ہی سطریں اوپر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کو سختی سے منع
کیا گیا ہے۔ کلسیوں ۱/۲۴ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسیح کے دُکھ کافی نہیں تھے
کیونکہ یہ عہدِ جدید کی کئی عبارتوں اور روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے
کہ وہ کافی سے بہت زیادہ تھے۔ ملاحظہ ہو رومیوں پانچواں باب اور
عبرانیوں ساتواں باب۔
(ج) مُثبت طور پر مفسر اس عام مطابقت کو اپنی رہنما قرار دے گا جو
دونوں عہد ناموں میں پائی جاتی ہے اور اِس مطابقت کا باعث یہ ہے
کہ دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ خدا ہے اِن دونوں کے بیچ جو
وحدت ہے پورے معنی والی تفسیر بالکل اِسی پر موقوف ہے۔
عہد ناموں کی وحدت اور بھی بڑا یہ کام کرتی ہے کہ یہ روحانی یا
نمونے والی تفسیر کے معلوم کرنے میں مدد دیتی ہے اور یہ تفسیر محض اِس
بات کا نتیجہ ہے کہ خدا تاریخ میں کام کرتا ہے۔ وہی ہے جو پاک مصنف
کے شعور سے باہر عہد ناموں میں پُر راز مگر حقیقی مطابقتیں قائم کرتا ہے
چونکہ اُسی نے یہ معنی وہاں رکھے ہُوئے ہوتے ہیں لہٰذا صرف وہی اُنہیں
ہم پر ظاہر اور کشف کر سکتا ہے۔ وہ ہم پر اُنہیں اُن طریقوں سے ظاہر
کرتا ہے جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اُن طریقوں سے صرف چند ایک نمونوں
ہی کے معنی مخصوص حد پر قائم کئے گئے ہیں۔ کیا اور نمونوں کے ملنے کی توقع
کی جا سکتی ہے؟
عہدِ عتیق میں نمونوں کے چند مجموعے پائے جاتے ہیں مثلاً خروج کے
واقعات اور کنعان کی فتح۔ عہدِ جدید میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں
کیا اُن کی اور بھی تفسیر کرنے کے لئے تفاصیل ہیں یعنی عہدِ عتیق میں عہدِ جدید

کے واقعات کی تفاصیل جن کی اِس رنگ میں تفسیر کرنا چاہیئے ۔ اصول کے لحاظ سے
تو یہ بات آسانی سے تسلیم کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ اصول راست ہے کہ عہدِ جدید
عہدِ عتیق میں پوشیدہ ہے اور دونوں عہدناموں میں مطابقت ہے لیکن اِس بات
کا فیصلہ کرنا زیادہ مشکل ہے کہ بیاں کونسے طریقے اور کونسی پرکھیں مفسر کی رہنمائی
کر سکتی ہیں معلوم چشموں کی جانچ پڑتال کرنا چاہیئے یعنی عہدِ جدید کی کتابوں، آبائے
کلیسیا کی تصانیف اور کلیسیا کے اعلانات کی ۔ عہدِ جدید کے مصنفوں کو تتمہ یا
اختتام کو پہنچانے والی باتوں کی ضرورت ہے ۔ اِس میں مختلف اقسام کی
نمونوں والی تفسیر پائی جاتی ہے مثلاً مقدس متی مقدس یوحنا اور مقدس پولوس
کی روحانی اور نمونوں والی تفسیریں ۔ دربہت دفعہ یہ بات یقینی طور پر معلوم
نہیں ہوتی کہ عہدِ عتیق کے کسی نمونے کو حقیقی نمونہ سمجھا جا رہا ہے یا محض
مشابہت محضہ کے طور پر وہ عبارت استعمال کی جا رہی ہے ۔ جو روحانی
اور نمونوں والی تفسیر آبائے کلیسیا نے کی ہے زمانہ حاضرہ کے علم کے لحاظ سے
اُس میں سے بہت کچھ ترک کرنے کے لائق ہے مگر اُن کی تفسیریں علم کا پھلدار
چشمہ اور بائبل کی تعلیم کا صاف بیان ہے ۔ اُن کی تفسیروں سے بہت علم حاصل
ہوتا ہے اور وہ بائبل کی تعلیم کو واضح طور پر پیش کرتے ہیں ۔

نمونوں کے معلومہ مجموعے کے ڈھانچے میں عام سے خاص کیطرف
جانا ممکن ہے جنہیں صرف آبائی تفسیر ہی کا استعمال نہ کیا جائے بلکہ ادبی
اور تواریخی اصولوں کا بھی ۔ اِن کو دانشمندی سے متحد کرنے اور ملانے سے
یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ نتیجہ جچا تُلا ہوگا ۔ یہ اغلب ہے کہ ایک طرف یہ بات
واقع ہوگی کہ بہت سے نمونے جن سے ہم خوب واقف ہیں غائب ہو جائیں
گے یعنی جنہیں ہم نمونے سمجھے بیٹھے ہیں اُن کے بارے میں یہ ثابت ہو جائیگا

کہ وہ نمونے نہیں ہیں دوسری طرف یہ ہو سکتا ہے کہ نئے نمونے ظہور پذیر ہو جائیں
کم از کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ جن نمونوں پر ہم بہت زور دیتے ہیں ،
بعد از تحقیق اُن پر بہت تھوڑا زور دیا جائے اور جن پر بہت تھوڑا زور
دیا جاتا ہے اُن پر بہت زیادہ زور دیا جائے ۔



نتیجہ اور اختتام

جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اور خدا کے مقصد پر عام طور پر غور کرنے
سے یہ معلوم ہوگا کہ مفسر کا سب سے بڑھ کر یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ کتاب
مقدس میں جو تعلیم پائی جاتی ہے وہ اُسے بیان کرنے واضح کرنے اور ظاہر
کرنے پر زور دے ۔ تاریخی جغرافیائی اور اسی طرح کے اور معاملات بھی
اپنی اہمیت رکھتے ہیں لیکن مفسروں کا مقصدِ اولین یہ ہونا چاہیئے کہ وہ یہ
بتائیں کہ ہر کتاب اور ہر متن میں ایمان اور اخلاق کے بارے میں علمِ الٰہی
کی کون کونسی تعلیم پائی جاتی ہے تاکہ اُن کی تفسیر معلمینِ الٰہیات ہی کیلئے معاون
ثابت نہ ہو جبکہ وہ عقائدِ ایمانیہ کی توضیح کریں بلکہ کاہنوں کیلئے بھی مفید ہو جبکہ
وہ لوگوں کے سامنے مسیحی تعلیم کو بیان کریں اور اس کے علاوہ سب مسیحیوں
کیلئے مددگار ثابت ہو تاکہ وہ مقدس اور مسیحی زندگی گذاریں ۔ یہ اعلٰے مقصد
دیگر بڑی بڑی کوششوں اور محنتوں کا محرک ہونا چاہیئے خواہ کیسی ہی اور

کتنی ہی مشکلات سامنا کرتی رہیں۔ چونکہ بہت سی مشکلات کا حل ہو چکا ہے اور وہ دُور ہو چکی ہیں اِس سے یہ سچی اُمید پیدا ہوتی ہے کہ جو مشکلات باقی ہیں وہ بھی اِسی طرح دُور ہو جائیں گی۔ ہم کو خوب یاد ہے کہ کئی مشکلات ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جب ہم انہیں حل کرنا چاہتے ہیں تو وہ اُس وقت حل نہیں ہوتیں لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ حل ہو جاتی ہیں جن مشکلات کا حل لازمی ہے وہ اپنے اپنے وقت پر حل ہو کر رہیں گی۔

چونکہ مفسر کو تفسیر کے بارے میں بہت آزادی حاصل ہوتی ہے اِس لئے اُسے چاہیئے کہ وہ دوسروں کے خیالات کا احترام کرے اور اُن کے لئے اُسمیں برداشت اور تحمّل پایا جائے۔ دوسرے بھی تو اسی کی طرح آزاد ہیں اور وہ اِس کے خیالات کا احترام کرتے اور انہیں برداشت کرتے اور ان کے بارے میں تحمّل کرتے ہیں اور اِسے بھی اِسی طرح کرنا چاہیئے۔ جب کوئی تفسیر نئی ہو تو اُس کو شک کی نگاہ سے دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خدا کے فرزندوں کی آزادی یہ ہے کہ وہ کلیسیا کی تعلیم کو وفاداری سے مانتے رہیں اور اِس کو خدا کا عطیہ سمجھ کر شکر گذاری سے قبول کریں اور دُنیوی علوم سے جو جو امداد حاصل ہو اُس کو بہادری سے کام میں لائیں اور سب مسیحی سرگرمی سے اُسے راست اور دُرست ثابت کریں اور دِل سے مانتے رہیں کیونکہ یہی شرط لازمی ہے اور کیتھولک علمیّت میں کسی ٹھوس ترقی اور کسی حقیقی کامیابی کا یہی چشمہ ہے۔

اختتام